

الرَّحْمَنُ فَسَلِّمْ بِخَيْرٍ

رحمن کی شان کسی باخبر پوچھو!

شریعت و تصوف

فِي تَصَوُّفٍ كَيْمُكَلِّ وَمُدَلَّلٍ كِتَابًا

تالیف لطیف :

سیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح السہبانی دہلی ضمیمہ

خلیفۃ ارشد

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد شرف علی تھانوی

قدس سرہ

اِنْ اِذَا نَا لِيْفَانِ اِسْرَفِيْرُهُ

پوسٹ بکس : ۴۳۰، ریلوے روڈ - ملتان - پاکستان

✓ ۲۹۷۲۴۱
ش ۶۲۹۳

۲

۲۲۷۲۲

نام کتاب _____ "شریعت و تصوف"
طبع اول (پاکستان میں) _____ ربيع الاول ۱۴۰۲ھ
مطابق جنوری ۱۹۸۲ء
باہتمام _____ محمد اسحاق عفی عنہ
ناشر _____ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
طباعت _____ روحانی آرٹ پریس، ملتان
قیمت _____ یوسف جاوید زمر، قلم ملتان
تعداد _____ عمدہ پیپر، محلہ علی، ۲۰ روڈ
گیارہ سو

ملنے کے پتے

- ۱۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ، پوسٹ بکس ۴۳، ریلوے روڈ، ملتان
- ۲۔ مکتبہ امدادیہ، بیت الاشرف، باغ حیات، سکھ
- ۳۔ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور
- ۴۔ مکتب خانہ منظہری، گلشن اقبال بلاک ۲، کراچی
- ۵۔ مکتبہ رشیدیہ، عنکب منڈی، ساہیوال
- ۶۔ مکتبہ دینیات، رائے ونڈ، ضلع لاہور

عرضِ ناشر

آپ کے مبارک ہاتھوں میں موجود کتاب "شرعیات و تصوف" مسیح الامتہ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب مدظلہم خلیفہ ارشد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تالیف لطیف ہے جو اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت جامع اور منفرد کتاب ہے۔ کتاب ہذا اگرچہ ہندوستان میں پہلے شائع ہو چکی ہے۔ تاہم اب نئے اضافوں کے ساتھ پاکستان میں باجارتِ خصوصی حضرت محترم صاحب تصنیف پہلی بار طبع ہو رہی ہے۔

ادارہ تالیفات اشرقیہ ملتان نے باوجود اپنے محدود وسائل کے پوری طرح کوشش کی ہے کہ کتاب کے باطنی حسن کی طرح اس کا ظاہری حسن بھی قائم رہ سکے۔ چنانچہ نئی کتابت اور تصحیح نیز نئے اضافوں کے بعد پورے اہتمام سے اسے شائع کیا گیا ہے۔

کتاب کی افادیت کے پیش نظر جنوبی افریقہ میں بھی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے متوسلین نے اسے عربی میں منتقل کر کے طبع کرایا ہے۔ اور اسی طرح حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب مدظلہ کے مریدین بھی اسے انگریزی میں شائع کرا رہے ہیں۔

پاکستان میں چونکہ حضرت والا کے متوسلین کی ایک کثیر تعداد موجود ہے بلکہ سلسلہ اشرقیہ کے تمام ہی متوسلین اپنے ذوق سلوک کی وجہ سے اس کے طالب تھے اس طلب کے پیش نظر اسے شائع کرنے کی سعادت الحمد للہ ہمارے حصہ میں آئی ہے۔

اس پر حق تعالیٰ کا جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔
 حق تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرما کر اس کے منافع کو
 عام و تمام فرماویں اور عامتہ المسلمین کے لئے بالعموم اور صاحب تصنیف کیلئے
 بالخصوص ذریعہ نجات بنائیں۔

امید ہے کہ قارئین کرام کا تعاون ہمارے ساتھ جاری رہے گا۔ یہ معلوم
 کر کے یقیناً آپ کو مسرت ہوگی کہ حضرت مسیح مصلح الامت مدظلہ کی دیگر تصانیف بھی ہمارے
 ہاں زیر طبع ہیں، جن میں سے ”التوحید الحقیقی“ اور ”ملفوظات اصلاح نفس“ تو جلد ہی
 منظر عام پر آجائیں گی۔

احقر محمد اسحاق عفی عنہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ

پوسٹ بکس نمبر ۴۳

ریلوے روڈ، ملتان



فہرست مضامین

۳	عرضِ ناشر	۱
۱۵	تعارف	۲
۱۷	مسیح الامت کی حیاتِ طیبہ کے چند نقوش	۳
۱۸	پیش لفظ	۴
۲۱	ولادت شریفہ	۵
۲۱	اہم گرامی	۶
۲۲	خاندان	۷
۲۳	وطن شریف	۸
۲۵	بچپن	۹
۳۲	اساتذہ کرام	۱۰
۳۳	بیعت	۱۱
۳۷	خلافت	۱۲
۳۷	مخصوص خلفاء میں	۱۳
۳۸	آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی اعتماد	۱۴
۳۹	عیسیٰ اور مسیح سب سے بڑھ گئے حکیم الامت کا ارشاد گرامی	۱۵
۴۰	آپ کی تعلیم و تربیت کے بالترتیب ہونے کی تعریف	۱۶
۴۱	حضرت حکیم الامت کا مجمع عام میں آپ کے متعلق اظہارِ محبت	۱۷

۴۱	۱۸	آپ کے وارداتِ قلبیہ کے متعلق ارشادِ گرامی
۴۲	۱۹	حضرت حکیم الامتؒ کی آپ کے طریقِ بیعت کی تائید و تصدیق
۴۵	۲۰	آپ کے روئے صالحہ
۴۶	۲۱	آپ کے روئے صالحہ کے متعلق حضرت حکیم الامت کا ارشادِ گرامی
۴۷	۲۲	خواب میں دیدارِ الہی و زیارتِ بنوی صلی اللہ علیہ وسلم
۴۸	۲۳	حضرت میاں نوری نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کی جانب سے بشارتِ کثرتِ فیض
۵۰	۲۴	قطب العالم حضرت گنگوہیؒ کی جانب سے اجازت و عطا و ارشاد
۵۱	۲۵	حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی طرف سے انتقالِ نسبت و عارفی بشارتِ قبولیت
۵۲	۲۶	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کا آپ کیساتھ ادب کا برتاؤ
۵۳	۲۷	مسیح الامت کے پاکیزہ اوصاف و کمالات
۵۸	۲۸	اتباعِ سنت
۵۸	۲۹	کمالِ تقویٰ
۵۹	۳۰	کمالِ حلم
۶۰	۳۱	مروت
۶۰	۳۲	تواضع
۶۵	۳۳	سخاوت و کرم
۶۶	۳۴	عفو و رحم
۶۷	۳۵	حسنِ ظن

۳۶	کمالِ انتظام و اہتمام	۶۷
۳۷	اضافہ	۶۹
۳۸	اسفار	۷۰
۳۹	ڈاک کے جوابات	۷۰
۴۰	مجلس	۷۱
۴۱	لباس	۷۵
۴۲	حسنِ خلق	۷۶
۴۳	تعلق مرشد	۸۱
۴۴	حضرت والا کی تالیفات مفیدہ	۸۵
۴۵	اظہارِ معذرت	۸۶

”شریعت و تصوف“

۴۶	عرضِ مولف	۹۰
۴۷	حقیقتِ تصوف	۹۲
۴۸	ضرورتِ تصوف	۹۳
۴۹	تصوف اور قرآن	۹۴
۵۰	اقوالِ صوفیاء	۹۶
۵۱	شریعت و طریقت کی اصطلاحات الگ الگ بعد میں بضرورت مقرر	
۹۷	کی گتھیں	
۵۲	شریعت، طریقت، حقیقت و معرفت	۹۸
۵۳	بیعت	۱۰۶

۱۰۱	۵۲	اسمائے گرامی حضراتِ سلاسلِ اربعہ
۱۰۲	۵۵	طریقِ بیعت
۱۰۲	۵۶	تعلیمِ بروقتِ بیعت
۱۰۲	۵۷	محاسبہ
۱۰۲	۵۸	مراقبہ موت
۱۰۵	۵۹	حقیقتِ بیعت
۱۰۶	۶۰	ضرورتِ شیخ
۱۰۸	۶۱	ایک خط اور اس کا جواب
۱۱۱	۶۲	شیخِ کامل کی پہچان
۱۱۲	۶۳	مناسبتِ شیخ
۱۱۳	۶۴	شیخِ کامل کی صحبت کے فوائد
۱۱۳	۶۵	مُرشد کے حقوق
۱۱۷	۶۶	مجاہدہ
۱۱۷	۶۷	مجاہدہ کی حقیقت
۱۱۸	۶۸	مجاہدہ کی ضرورت
۱۱۹	۶۹	مجاہدہ میں اعتدال
۱۲۰	۷۰	مجاہدے کے اقسام
۱۲۲	۷۱	مجاہدہ اجمالی کے اقسام اربعہ کی تشریح
۱۲۲	۷۲	ماقلتِ کلام
۱۲۷	۷۳	ماقلتِ طعام
۱۳۰	۷۴	ماقلتِ منام

۱۳۳	۷۵	قلبتِ اہمّتِ لاط مع الانام
۱۳۵	۷۶	خلوت کے فائدے
۱۳۶	۷۷	اخلاط کے فوائد
۱۳۷	۷۸	اخلاق کا بیان
۱۳۸	۷۹	قوتِ غضب
۱۳۹	۸۰	قوتِ شہوت
۱۴۰	۸۱	قوتِ عقل
۱۴۱	۸۲	اخلاق سب فطری ہیں
۱۴۲	۸۳	اخلاق کی قسمیں
۱۴۳	۸۴	اخلاقِ حمیدہ
۱۴۴	۸۵	توحید
۱۴۵	۸۶	اخلاص
۱۴۶	۸۷	توبہ
۱۴۷	۸۸	محبت
۱۴۸	۸۹	شوق
۱۴۹	۹۰	خوف
۱۵۰	۹۱	رجب
۱۵۱	۹۲	زُہد
۱۵۲	۹۳	توکل
۱۵۳	۹۴	صبر
۱۵۴	۹۵	شکر

۱۷۲	صدق	۹۶
۱۷۵	تفویض	۹۷
۱۷۷	رضا	۹۸
۱۸۰	اخلاقِ رزویہ	۹۹
۱۸۰	حرص	۱۰۰
۱۸۲	حقیقتِ طمع	۱۰۱
۱۸۳	غصہ	۱۰۲
۱۸۶	ذروع	۱۰۳
۱۸۷	حسد	۱۰۴ ✓
۱۸۹	بخشل	۱۰۵
۱۹۱	ریا	۱۰۶
۱۹۲	عجب	۱۰۷
۱۹۴	تکبر	۱۰۸
۱۹۸	حقد و کینہ	۱۰۹
۲۰۰	حُبِ جاہ	۱۱۰
۲۰۲	حُبِ دنیا	۱۱۱
۲۰۷	وصول الی اللہ کے تین طریقے	۱۱۲
۲۰۹	باب الخواطر	۱۱۳
۲۱۷	علاماتِ حصولِ نسبتِ مع اللہ	۱۱۴
۲۱۹	لطائفِ ستہ اور ان کے آثار	۱۱۵
۲۲۰	سیر سلوک دو قسم پر ہے سیر الی اللہ و سیر فی اللہ	۱۱۶

۲۲۱	دوسرا شیخ تجویز کرنا	۱۱۷
۲۲۲	موالغ	۱۱۸
۲۲۶	فصل در مفاسد امور غیر اختیاریہ	۱۱۹
۲۳۰	شجرۃ المراد یعنی نقشہ امور تصوف	۱۲۰
۲۳۱	لطائف ستہ کا بیان	۱۲۱
۲۳۵	نفسِ آبارہ ، لوامہ ، مطمئنہ	۱۲۲
۲۳۷	ذکر ، حضور ، مکاشفہ ، شہود ، معائنہ	۱۲۳ ✓
۲۴۶	سلطان الاذکار	۱۲۴
۲۵۱	اصل ضرورت تعلیم شیخ کی ہے بیعت اصل نہیں ہے	۱۲۵
۲۵۲	ایمان دو قسم پر ہے	۱۲۶
۲۵۵	علوم مکاشفہ ناقابل التفات ہیں	۱۲۷
۲۵۷	خلاصہ بیان لطائف ستہ	۱۲۸
۲۵۹	ذکر	۱۲۹ ✓
۲۶۰	ذکر ناسوتی ، ملکوتی ، جبروتی ، لاہوتی	۱۳۰
۲۶۶	شغل پاس انفاس	۱۳۱
۲۶۸	طریق سلطان الاذکار	۱۳۲
۲۶۹	شغل سلطاناً نصیراً	۱۳۳
۲۶۹	شغل سلطاناً محموداً	۱۳۴
۲۷۰	شغل سہ پایہ	۱۳۵
۲۷۱	مراقبہ کا بیان	۱۳۶ ✓
۲۷۲	مراقبہ رویت	۱۳۷

۲۷۳	مراقبہ معیت	۱۳۸
۲۷۴	مراقبہ اقربت	۱۳۹
۲۷۴	مراقبہ وحدت	۱۴۰
۲۷۴	مراقبہ فنائے	۱۴۱
۲۷۴	فناء کے مراتب	۱۴۲
۲۷۷	علامات انوار کا بیان	۱۴۳
۲۸۰	جامع اذکار	۱۴۴
۲۸۲	قرآن شریف کی تلاوت کا طریقہ	۱۴۵
۲۸۴	تلاوت کا خاص طریقہ	۱۴۶ ✓
۲۸۴	نماز پڑھنے کا طریقہ	۱۴۷ ✓
۲۸۶	بیعت کا طریقہ	۱۴۸ ✓
۲۹۰	سلوکِ نبوت، سلوکِ ولایت	۱۴۹
۲۹۲	اصطلاحات تصوف کا بیان	۱۵۰
۳۰۰	تجلی	۱۵۱
۳۰۲	حجابات	۱۵۲
۳۰۳	مراتبِ حجابات	۱۵۳
۳۰۵	صوفی	۱۵۴
۳۰۸	شکر و صوم	۱۵۵
۳۱۱	قبض و بسط	۱۵۶
۳۱۶	تنزیلاتِ ستی	۱۵۷
۳۲۰	وحدت الوجود	۱۵۸

۳۲۳	حقیقت احوال و کیفیات	۱۵۹
۳۲۸	فراستِ صادقہ	۱۶۰
۳۲۹	کشف	۱۶۱ ✓
۳۳۱	کرامت	۱۶۲ ✓
۳۳۵	وجد	۱۶۳
۳۴۰	تصرف	۱۶۴
۳۴۲	مخالفتِ شیخ	۱۶۵
۳۴۶	تجلی سنی در خلق	۱۶۶
۳۴۸	الصوفی لاندہیب لہ	۱۶۷
۳۴۸	خلافت و سجادہ نشینی	۱۶۸
۳۵۰	اخراج مُردِ برائے زجر و تنبیہ	۱۶۹ ✓
۳۵۲	رنگین لباس پہننا	۱۷۰
۳۵۳	چہ	۱۷۱
۳۵۴	صنبتِ اوقات	۱۷۲
۳۵۶	شیطان سے عدم امن۔ دوم بیداری، نگرانی و ہوشیاری	۱۷۳
۳۵۷	فکر اصلاحِ خود	۱۷۴ ✓
۳۵۹	اولیائے کرام کے اقسام	۱۷۵
۳۶۲	چہارہ خانوادہ	۱۷۶
۳۶۶	فصل اقسام اولیاء و اصحابِ تکوین	۱۷۷
۳۶۸	روح کا بیان	۱۷۸
۳۸۱	خلاصہ	۱۷۹

۳۸۴	طریق سلاسل اربعہ مشائخ کرام	۱۸۰
۳۸۴	طریق ذکر نقش بندیہ	۱۸۱
۳۸۴	طریق قادریہ	۱۸۲
۳۸۸	شغل قادریہ اسم ذاتِ نحفینہ	۱۸۳
۳۸۹	شغل دورہ قادریہ	۱۸۴
۳۹۰	طریق مراقبہ	۱۸۵ ✓
۳۹۲	ذکر	۱۸۶
۳۹۵	توجہ کا آسان طریقہ	۱۸۷ ✓
۳۹۸	اصطلاحاتِ یازدہ واجب الحفظ	۱۸۸
۴۰۱	معمولاتِ سالک	۱۸۹
۴۰۵	اسمائے کتب برائے مطالعہ طالبین	۱۹۰ ✓
۴۰۶	خاص ذکر و شغل کرنے والوں کو نصیحت	۱۹۱ ✓
۴۰۸	سالک کے لئے ضروری نصائح	۱۹۲ ✓
۴۱۹	دیگر نصائح	۱۹۳ ✓
۴۲۷	نصائح متفرقہ دوازده کلمات	۱۹۴ ✓
۴۳۰	تمتہ شریعت و تصوف	۱۹۵ ✓
۴۳۸	مکتوباتِ ثلاثہ	۱۹۶
۴۵۲	حضرت مسیح الامت کے خلفاء و مجازین	۱۹۷
۴۵۲	مجازین بیعت ہندوستان	۱۹۸
۴۵۵	مجازین بیعت پاکستان	۱۹۹
۴۵۶	مجازین بیعت جنوبی افریقہ	۲۰۰
۴۵۸ تا ۴۵۹	شجرات اربعہ	۲۰۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارف

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی جانب سے بشارت منامی

یہ کتاب جو مسائل تصوف کا خلاصہ اور نچوڑ ہے پہلے ایوان طریقت کے نام سے شائع ہوتی رہی ہے۔ اب مزید توضیح و تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ جن ایام میں کتاب میں حضرت والا دامت برکاتہم اضافات فرما رہے تھے، مولوی سید غلام محمد صاحب افریقی نے مورخہ ۸ شعبان ۱۳۸۸ھ جمعہ کی شب میں ڈھائی بجے کے قریب یہ خواب دیکھا تھا کہ

حضرت حکیم الامت قدس سرہ خانقاہ میں سہ دری میں اپنی نشست گاہ

میں تشریف فرما ہیں، مجلس ہو رہی ہے۔ سفید رنگ کے گدے پر آپ تشریف

فرما ہیں اور آپ کا بید سامنے رکھا ہوا ہے، مجلس میں کافی حضرات موجود

ہیں حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ مولانا دمسح الامت کی کوئی کتاب آئی

ہے، اہل مجلس میں سے ایک صاحب نے جو جسم میں ذرا لمبے تھے اور گول

ٹوپی پہن رکھی تھی عرض کیا، جی بڑے آبا جی آئی ہے اور انہوں نے سہ دری سے

متصل کتب خانہ سے لا کر حضرت والا کی کتاب ایوان طریقت حضرت حکیم الامت

کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کتاب لے کر پہلے

اسے بوسہ دیا پھر پیشانی سے لگایا اور سر پر رکھا اور اس کے بعد کتاب کو کھولا تو صفحہ ۲۵ کھلا اور بھی چند مقامات سے آپ نے کتاب کو ملاحظہ فرمایا اور پھر فرمایا کہ مولانا حضرت مسیح الامت، کہاں ہیں، اس کتاب کا نام تو — شریعت و تصوف ہونا چاہیے۔

جس وقت حضرت حکیم الامت نے یہ ارشاد فرمایا، حضرت والا بھی میرے سامنے ہی تشریف فرما تھے۔ حضرت حکیم الامت کے اس ارشاد پر سب نے سکوت کیا۔ مولوی غلام محمد صاحب موصوف کو کتاب کی اشاعت کا بہت اشتیاق اور فکر تھا انہوں نے اپنا یہ خواب حضرت والا و امت برکاتہم کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت والا نے یہی نام شریعت و تصوف کتاب کا بدل دیا، ضخامت اور تفصیل کے اعتبار سے پہلے کی نسبت اتنے اضافات فرمادیئے ہیں کہ اس کے اعتبار سے بھی اب یہ ایک مستقل کتاب بن گئی ہے۔

کتاب کے شروع میں حضرت مسیح الامت کی حیات طیبہ کے چند نقوش اس کترین کے قلم سے ہیں۔ حضرت والا و امت برکاتہم کے جو واقعات و حالات لکھے ہیں وہ اپنی بساط کے مطابق عقیدت مندانہ غلو سے بالکل بچتے ہوئے پوری تحقیق و تصدیق کے ساتھ لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماویں، اور اس ناچیز کیلئے ذریعہ نجات فرماویں۔

غرض نقشے است کز مایا و ماند

کہ ہستی را نمی بینم بقائے

بندہ رشید احمد میواتی

مسیح الامت کی حیاتِ طیبہ کے

دیکھو
میں
کون
کون
کون

پندرہ تقویٰ

از

مولانا رشید احمد صاحب میوانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَعْمَدُهُ وَنُصِّلِيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

پیش لفظ

اللہ رب العزت نے اپنے عنعم علیہم بندوں کی راہ پر چلنے کی دعا کی
تعلیم سورہ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ کے اندر فرمائی ہے جسے بندہ مومن نماز کی ہر رکعت میں مانگتا ہے
اور انہیں منعم علیہم مقربین بارگاہ قدس کی اتباع کا حکم اللہ رب العزت
نے وَابْتَعِ سَبِيْلَ مَنْ أَنْابَ اِلَيَّْ کے اندر فرمایا ہے انہیں انفاس قدسیہ
کی صحبت بابرکت میں خدا ملتا ہے، انہیں کی کیمیا اثر نظروں سے
ترکیہ نفس و تربیت باطن ہوتی ہے جس پر فلاح دارین موقوف ہے
جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۔ اسی لئے کہا ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زری سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے مومنین کو تقویٰ کے ساتھ صالحین کی معیت کا حکم فرمایا چنانچہ ارشاد ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ** **وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ**۔ چونکہ اصل تقویٰ صالحین کی صحبت و معیت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی لئے کہا ہے: ہ

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

لہذا چونکہ فلاح دارین اہل اللہ کی صحبت پر موقوف ہے اسی لئے سلف سے یہ طریق چلا آ رہا ہے کہ ان مقبولین و صادقین کے حالات و حکایات ملفوظات و مکاتیب مجالس و مواعظ کو ان کے خدام مستفیدین نے قلم بند کیا ہے، جس سے بعد کے آنے والے بندگانِ خدا بھی مستفیض ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ چونکہ جن اوصافِ حمیدہ کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں چاہتے ہیں ان تمام اوصاف کا مجموعہ شریعت و طریقت کا عملی نمونہ انہیں اہل اللہ کی زندگیوں میں ملتا ہے۔

اسی لیے خیال ہوا کہ مرشدی و اساذی مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب دامت فیوضہم کی حیاتِ طیبہ کے چند نقوش حسب قاعدہ مالایدرک کلمہ لایترک کلمہ لکھے جائیں۔ جس سے طالبین اہل سلسلہ خصوصاً اور جمیع مسلمین عموماً مستفید ہوں۔

ان چند سطروں کی کیا بساط ہے۔ حضرت والا دامت برکاتہم کرم اللہ تعالیٰ نے جن کمالات سے نوازا ہے ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک

دفتر درکار ہے، اگر مستقل لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، گو
احصاء پھر بھی ناممکن ہے۔ بقول حضرت سعدی علیہ الرحمۃ۔

۵ نہ تَسْنَسْ غَايَتَهُ وَارْوَنَهُ سَعْدِي رَاسِخِنِ پَايَاں
بمیر و تشنہ مُسْتَسْقِي وَ دَرِیَا ہِم چِنَاں باقی

مگر اس خیال سے کہ اپنا بھی نام آپ کے تذکرہ نگاروں میں ہو جائے
کیا عجب ہے کہ یہی نسبت باعثِ نجات بن جائے۔ وَمَا ذُلُّكَ عَلَى اللَّهِ
بِعَزِيْزٍ۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کے یہ چند نقوش لکھے ہیں:۔

عَرْضِ نَقْشِے اسْتِ كَرْمَا يَادَامَانْد

كَمْ سَهْتِي رَانْمِي بَسِيْم بَقَائِي

مگر صاحبِ دلے روزے برحمت

كَنْدِ دَر كَارِ مَسْكِيْنِي دُعَائِي

واضح رہے کہ جو حالات لکھے ہیں وہ خود براہِ راست حضرت والا
وامت بر کاہتم سے سُن کر لکھے ہیں اور جو واقعات دوسرے حضرات سے
سُنے وہ حضرت والا کو سُننا کر تصحیح کرانے کے بعد لکھے ہیں اور پھر دوبارہ
لکھنے کے بعد بھی تمام واقعات کو حضرت والا کو سُننا دیا گیا ہے۔ حتی الامکان
اپنی طرف سے اس کی پوری کوشش کی ہے کہ صحیح واقعات و حالات لکھے
جائیں۔

ولادت شریفہ

متردہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید

کہ زانفاس خوش بوئے کسے می آید

آپ کی ولادت شریفہ ۱۳۲۹ھ یا ۱۳۳۰ھ میں آپ کے وطن سرانے
برہ تحصیل اترولی ضلع علی گڑھ میں ہوئی، بالتعمین بقید ماہ و سال تاریخ
ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ حضرت واللہ نے تاریخ ولادت کے متعلق استفسار
پر فرمایا کہ

بالتعمین تاریخ ولادت لکھی ہوئی نہیں ہے۔

اسم گرامی

آپ کا نام نامی مسیح اللہ خاں رکھا گیا، گویا اعجازِ میجانی کے
وصف کو منجانب الغیب آپ کے اسم بامستی ہی میں مضممر کر دیا گیا۔ اکثر
اسم کا اثر مستی پر ہوتا ہے مگر آپ پر تو یہ اثر اس درجہ غالب ہے کہ
آپ تو سرتاپا مسیح ہیں۔ کتنے ہی اہل درد و مریضانِ دل ہیں جن کی آپ
ہر وقت میجانی فرماتے رہتے ہیں۔ کتنے شکستہ دل ہیں جن کی آپ
دل جوئی فرماتے ہیں۔ کتنے بچے ہیں جن کیلئے آپ کی شفقت

ماں باپ سے بڑھ کر سے اور آپ کی شفقتوں نے انہیں ان کے ماں باپ کو بھلا دیا ہے، کتنی مخلوق ہے جن کی آرزوں اور تمناؤں کا مرکز آپ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ کتنے اہل حاجت ہیں جن کی آپ حاجت روائی فرماتے ہیں۔ کتنی آنکھیں ہیں جن کے آنسو آپ کے دیدار سے تھم جاتے ہیں۔ کتنے ہی افسردہ چہرے ہیں جو آپ کے الطاف سے کھل جاتے ہیں۔ کتنا سچا ہے اس کا قول جس نے آپ کا اسم گرامی مسیح اللہ رکھا۔

خاندان

آپ کا تعلق شیروانی خاندان سے ہے جو ہمیشہ سے بہت سی خصوصیات کی وجہ سے پٹھانوں میں ممتاز چلا آیا ہے۔ اس خاندان میں بڑے بڑے رُوسا و اُمراء اہل جاگیر و ریاست ارباب فن و اہل کمال صوفیاء و اہل اللہ پیدا ہوئے۔ گویا یہ خاندان ہی کان کمال ہے، جس میں ہمیشہ اہل کمال پیدا ہوتے رہے، اسی خاندان میں بڑے بڑے اُمراء ہوئے، جن کو شاہان ہند کے درباروں میں بڑا شرف و مرتبہ نصیب ہوا، اور بڑے بڑے خطابات و العامت سے سرفراز ہوتے رہے، جن میں سکندر خاں شیروانی، عمر خاں شیروانی، سیف خاں شیروانی، فیروز خاں شیروانی اور نواب مرزا علی اللہ خاں شیروانی اور ان کے علاوہ بہت سے اُمراء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ جاگیر داری و زمینداری

گو یہ شیروانی خاندان پٹھان مشہور ہے، مگر تحقیق یہ ہے کہ آپ کا یہ شیروانی خاندان اصل سے سید ہے۔ چونکہ اس خاندان کے جدِ اعلیٰ سید حسین غوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

مطابق بیان حاجی عباس خاں شیروانی مؤلف شیروانی نامہ خلیفہ عبد الملک کے زمانے میں سید حسین غوری غور سے نکل کر کوہِ سلیمان کے جوار میں ہٹن بن قیس عبدالرشید کے ہاں آکر رہے جو کہ پٹھان تھے چنانچہ لکھتے ہیں۔

”خلیفہ عبد الملک بن مروان کے زمانے میں سید شاہ حسین غوری کسی وجہ سے غور سے نکل کر کوہِ سلیمان کے جوار میں ہٹن بن قیس عبدالرشید کے یہاں آکر رہے۔“ شیروانی نامہ ص ۱۹۔ ان سید شاہ حسین غوری نے ان پٹھانوں میں آکر اپنی شادی بھی ہٹن بن قیس کی صاحبزادی منٹو سے کر لی جن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔ لودی اور سروانی۔ سروانی کی جو اولاد آگے چلی وہ سروانی کہلائی اور بعد میں کثرتِ استعمال کی وجہ سے شیروانی لقب مشہور ہو گیا۔

چنانچہ صاحب شیروانی نامہ لکھتے ہیں۔

”سید حسین شاہ غوری کی اولاد ہونے کے لحاظ سے لودی اور شیروانی دونوں سید ہیں، مگر مورخین نے ان کا شمار پٹھانوں میں اس وجہ سے کیا کہ دونوں نے ہٹن بن قیس کی اولاد کے ساتھ پٹھان کے گھر

میں پرورش پائی اور ان کی ماں متو بھی پٹھان کی اولاد سے تھی۔ شیروانی نامہ ص ۲۔ صاحب شیروانی نامہ کی تحقیق ہے کہ یہ خاندان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان میں آیا اور پھر یہیں بود و باش اختیار کر لی۔

وطن شریف

وَمَاحِبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي
وَاللِّسْنُ حُبٌّ مِّنْ سَكَنِ الدِّيَارِ

آپ کا وطن شریف سرائے برلہ تحصیل اترولی ضلع علی گڑھ ہے
سرائے برلہ کے متعلق مؤلف شیروانی نامہ لکھتے ہیں۔

”یہ موضع برلہ کا مزرعہ ہے، مگر آبادی دونوں جگہ کی متصل ہے اور
ایک دوسرے کے قریب ہے جیسا کہ نام سے معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی عہد
میں کبھی بسایا گیا مگر یہاں ہندو عہد کی کوئی پرانی آبادی تھی، کیونکہ راقم الحروف
نے موسمِ برسات میں راتہ میں درمیان سے مٹی بہٹ جانے کے بعد پرلے
زمانے کی بہت بڑی پختہ اینٹیں دیکھی ہیں، جہاں ایک شکستہ مندر گوشائیوں
کا تھا اور اب تک دو گوشائیں خاندان آباد رہے۔ اس کی آبادی کے قریب
جانبِ شمال مغرب گنج شہیداں ہے، جہاں کئی ایک شہداء کے مزار ہیں۔
یہ نہیں معلوم کہ کس زمانے کے ہیں، اس سے آگے اور موضع مداپور کے قریب
ایک پرانا کھڑا ہے، جہاں پرانی آبادی کے نشانات ہیں۔“ شیروانی نامہ ص ۳۲

آپ کا شجرہ نسب آپ کے موضع سرائے برلہ کے مورث اعلیٰ صفات خاں تک مؤلف شیروانی نامہ نے اس طرح لکھا ہے۔

”مولانا مسیح اللہ خاں بن احمد سعید خاں بن جیون خاں بن شہباز خاں بن ممریز خاں بن صفات خاں۔“

نوٹ: مزید تفصیل کے ساتھ آپ کے شیروانی خاندان کے تاریخی حالات شیروانی نامہ، مؤلفہ حاجی عباس شیروانی میں ملاحظہ فرمائیں۔

بچپن

آپ مادر زاد ولی تھے، اور بچپن ہی سے سعادت و نجات کے

اوصاف حمیدہ آپ کے اندر ودیعت کئے ہوئے تھے۔

تین صورت کے ساتھ تین سیرت کے بھی تمام کمالات اللہ رب العزت

نے آپ کی فطرت سلیم کے اندر ودیعت فرما دیئے تھے۔

بالائے سرش زہوش مندی

می تافت ستارہ بلندی

آپ کا خاندان بہت ہی بااثر و باثروت تھا، اسی ریشہ ماہول

میں جہاں تہذیب و شائستگی، آداب و اخلاق گھٹی میں پلائے جاتے تھے

آپ نے پرورش پائی۔

آپ کے والد ماجد احمد سعید خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت ذکی

قابل با اثر اور بہت بڑی انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔

چنانچہ حضرت والا نے فرمایا کہ :

والد صاحب کا ذہن انتظامی معاملات میں بہت چلتا تھا۔ چنانچہ جب کسی رئیس کا گاؤں بگڑتا تھا تو اس کے انتظام کو سنبھالنے کے لئے انہیں کو بلایا جاتا تھا وہ جا کر سنبھالتے تھے، اسی طرح شادیوں کا انتظام بھی اکثر انہیں کے سپرد کیا جاتا تھا اور ہمارے تایا صاحب بہت پڑھے لکھے اور نازک مزاج آدمی تھے، البتہ والد صاحب نازک مزاج نہیں تھے، موٹا کھاتے تھے اور موٹا پہنتے تھے۔

بچپن ہی میں آپ کو ذکر و نوافل، نماز پنجگانہ کا بہت شوق تھا چنانچہ راتوں کو اٹھ کر تہجد پڑھتے، ذکر کرتے اور دعائیں مانگا کرتے تھے نماز پنجگانہ کے علاوہ نوافل تہجد وغیرہ کی اہتمام کے ساتھ پابندی فرماتے تھے۔ نماز ہمیشہ مسجد میں باجماعت پڑھتے تھے۔ آپ کی پابندی فرمانے کا یہ اثر تھا کہ اتفاق سے کبھی اگر کسی وجہ سے آپ کو مسجد پہنچنے میں جماعت کے وقت پر دیر ہو جاتی تو نمازی آپ کا انتظار کیا کرتے تھے۔

نفل نماز کی طرح آپ نفل روزے بھی اکثر رکھا کرتے تھے۔ صالحین اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ چنانچہ مولوی محمد الیاس صاحب مرحوم جو آپ کے دور کے عزیزوں میں سے تھے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ بچپن ہی میں آپ ان کی صحبت میں بیٹھتے تھے اور ان سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و دعواتِ عبدیت

اور رسالہ النور وغیرہ لے کر مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔ انہیں مواعظ کے
دیکھنے سے حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے آپ کو غائبانہ ہی ایسی عقیدت
و محبت ہو گئی کہ بقول حضرت والادامت برکاتہم پھر کسی دوسرے کی طرف
خیال بھی نہیں گیا، گویا آپ اس شعر کے مصداق بن گئے۔

ہمہ شہر پر زخوباں و منم خیالے ماہے
چہ کنم کہ چشم یک ہیں نکلند کس نگاہے

بہشتی زلیور کا مطالعہ آپ نے اپنے ماموں صاحب سے لے کر کیا
ادھر آپ کی فطرت سلیمہ اور ادھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے مواعظ و
رسالہ النور وغیرہ کا اس عقیدت مندی کے ساتھ مطالعہ، اُس نے سونے
پر سہاگہ کر دیا اور ابتدا ہی میں بہت اچھا دینی و علمی ذوق آپ کو حاصل ہو
گیا اس کم سنی ہی کے اندر اللہ رب العزت نے حیا و ادب، وقار و متانت
سعادت و نجابت کے ان اوصاف سے نواز دیا کہ بڑے بھی آپ کا
پاس و لحاظ کرنے لگے، حتیٰ کہ والد صاحب مرحوم بھی اسی پاس کی وجہ
سے آپ سے حقہ نہیں بھرواتے تھے، انہیں اوصاف حمیدہ کی بنا
پر آپ نے سب کے دلوں میں جگہ پالی، اور سب اہل بستی بلا امتیاز ہندو
مسلم اہل خاندان چھوٹے اور بڑے آپ کا لحاظ کرتے تھے۔ اسی طرح آپ
سب کے پیارے اور ہر دل عزیز بن گئے۔

ایں سعادت بزورِ باز و نیست

تاناہ بخشہ خدائے بخشندہ

آپ کے والد محترم کے حقہ نہ بھروانے کے متعلق آپ نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ والد صاحب حقہ پیتے تھے مگر اس کے باوجود مجھ سے کبھی حقہ نہیں بھرواتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ منہ ڈھانک کر لیٹے ہوئے تھے میں گیا اور میں نے حقہ بھرنے کیلئے چلم اتاری تو پوچھا، کون؟ میں نے کہا نتھار مجھے محبت سے نتھا کہا کرتے تھے، فرمایا، تم نہیں پھر لیٹ گئے میں نے دوبارہ چلم اتاری تو ذرا سختی سے فرمایا، نہیں رکھ دو، بالآخر آپ کو حقہ نہیں بھرنے دیا۔ آپ کی دینداری، اطاعت شعاری و سعادت مندی کی وجہ سے آپ کے والد صاحب آپ کو مولوی صاحب کہا کرتے تھے۔ حضرت والانے فرمایا کہ جب والد صاحب مجھے لحاظ کی وجہ سے مولوی صاحب کہہ کر پکارا کرتے تھے تو مجھے شرم آیا کرتی تھی۔

فطرۃ ہی آپ کی طبیعت کا رنگ ایسا تھا کہ آپ کو غیر مشروع لہو و لعب گانے و باجے وغیرہ سے طبعی نفرت تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ حضرت والانے بیان فرمایا کہ میں گھر میں رات کو لیٹا ہوا تھا محلے میں ہندوؤں نے گانا بجانا شروع کر دیا بس میری نیند اڑ گئی اور بے چین ہو گیا اور رونا آگیا۔ پھوپھی صاحبہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے بیٹھک (مروانہ) سے حضرت والد صاحب کو جگایا وہ اٹھے، دریافت کیا کیا بات ہے؟ پھوپھی صاحبہ نے میرے متعلق کہا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس پر والد صاحب نے کہا، یہ خواہ مخواہ ایسی باتیں کیا کرتا ہے، وہ اپنا کام کر رہے

ہیں یہ اپنا کام کریں۔ عرض کیا گیا کہ اس کو بہت تکلیف ہے بند کرا دیجئے
چنانچہ والد صاحب گئے لوگ بہت ڈرتے تھے، دیکھتے ہی سب بھاگ
گئے۔

جنہوں نے بھی آپ کو بچپن سے دیکھا ہے، سب نے آپ کے
مادرزاد ولی، نیک فطرت، پاک طینت و سعادت مند ہونے کی شہادت دی
ہے اور آپ کے مذاح رہے ہیں۔

انہیں میں سے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنوی
قدس سرہ ہیں جن سے بندہ راقم الحروف کو شرف تلمذ و خصوصی طور پر
خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہے۔ حضرت مفتی صاحب موصوف
نے حضرت والا کی حیاتِ طیبہ کو بچپن سے لے کر آخر تک دیکھا اور حضرت والا
کے استاد بھی تھے۔ کئی سال تک آپ نے حضرت مفتی صاحب سے پڑھا
تھا۔ مفتی صاحب نے متعدد بار بندہ سے آپ کے متعلق فرمایا کہ

یہ (حضرت والا) بچپن ہی سے حیا و ادب، وقار و حلم، ذکاوت و ذہانت
کے اوصافِ حمیدہ کے حامل ہیں۔ حضرت مفتی صاحب خود بھی آپ کے اس
درجہ معتقد تھے کہ باوجودیکہ آپ حضرت والا کے استاد تھے اور
علم و فضل میں یگانہ روزگار، بہت بڑے فقیہ و محدث غرض کہ ہر فن میں
آپ کو کمال حاصل تھا، پھر بھی آپ نے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ
کی وفات کے بعد آپ سے رجوع فرمایا۔

حالانکہ حضرت حکیم الامت کی طرف سے آپ مجازِ صحبت ہو چکے

تھے۔ مگر اس کے باوجود بھی آپ سے رجوع فرمایا اور آپ کی جانب سے
مجازِ بیعت بھی ہوئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ سے رجوع فرمانا اور آپ
کے اوصافِ حمیدہ کی بچپن ہی کے زمانے سے تعریف فرماتے رہنا آپ کے
مادر زاد ولی ہونے کی سب سے بڑی شہادت ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا،
دینی کتابوں سے آپ کو ایسا شغف تھا کہ ابتدائی عمر میں بہشتی زیور دعوت
عبدیت اور رسالہ النور وغیرہ کے پڑھنے سے آپ کو کافی دینی معلومات
حاصل ہو گئیں کہ لوگ آپ سے مسائل پوچھا کرتے تھے، آپ جب کسی دینی
مسئلہ کو بیان فرماتے تو سننے والوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ گویا آپ نے کافی
دینی تعلیم حاصل کی ہے، اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ

لکھنؤ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کے زمانے میں
آپ محمد مصطفیٰ کاتب صاحب سے خوش نویسی کی مشق کے لئے جایا کرتے
تھے اور اکثر بہت تفصیل سے دینی مسائل کو بیان فرمایا کرتے تھے تو ایک
مرتبہ محمد مصطفیٰ صاحب کاتب نے دریافت کیا آپ کی دینی تعلیم کہاں تک
ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ابتدائی تعلیم ہے کنز وغیرہ پڑھی ہیں، اور
بہشتی زیور اور حضرت تھانوی کے مواظظ کا مطالعہ کیا ہے، یہ سب حضرت تھانوی
ہی کی برکت سے ہے تو اس پر ان کو بہت تعجب ہوا۔ بچپن میں ورزشی کھیلوں
اور نشانہ وغیرہ کا بھی آپ کو شوق تھا۔ بچپن میں آپ نے تانت کی غول
خوب چلائی، تلوار اور گد کا پھری میں بھی آپ کو کمال حاصل ہے اسکول

میں دوڑ کے اندر بھی، چونکہ آپ کا بدن ہلکا پھلکا تھا، آپ اکثر ساتھیوں سے آگے رہتے تھے۔

تعلیم

آپ نے بچپن میں ابتدائی تعلیم درجہ ششم تک سرکاری اسکول میں حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی بہشتی زیور اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا از خود مطالعہ فرمایا، اسکول کی تعلیم میں بھی اپنے ساتھیوں سے آگے رہے اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے مگر چونکہ شروع ہی سے آپ کی طبیعت دینی تعلیم کی طرف مائل تھی اس لیے آپ نے اسکول کی تعلیم کھٹورف سے بے التفاتی شروع کر دی۔

چنانچہ حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ والد صاحب نے اپنے شوق سے مجھے عربی پڑھانے نہیں بٹھایا تھا، میں نے ہی علی گڑھ جا کر اسکول میں کوتاہی شروع کر دی۔ امتحان ہی نہیں دیا اس پر والد صاحب کو گرانی ہوئی اور انہوں نے عربی کی طرف ڈال دیا۔ کافی عمر میں اپنے شوق سے ہی میں نے پڑھنا شروع کیا تھا۔ غالباً اس وقت میری عمر نپدرہ سال کی تھی، جب میں نے فارسی شروع کی تھی، پھر عربی پڑھی، اسی لیے فارغ ہونے میں دیر لگی اور غالباً بائیس تیس سال کی عمر میں فراغت ہوئی فارسی

اور مشکوٰۃ تک عربی آپ نے اپنے وطن میں پڑھی اکثر کتابیں کئی سال میں
مشکوٰۃ شریف تک اپنے وطن ہی میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب
رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، اور مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ سے لے کر دورہ
حدیث شریف تک دارالعلوم، دیوبند میں پڑھا، اور اس کے بعد بھی
دو سال تک امور عامہ قاضی مبارک تشریح شرح چغینی سبع سداد
وغیرہ جملہ فنون کی آخری نصاب تک تکمیل فرمائی۔

قرأت میں ابتدائی کتب فوائد مکیہ، جمال القرآن دارالعلوم میں
داخل ہونے سے قبل پڑھیں اور جزری وغیرہ فن کی دوسری کتابیں آپ
نے دارالعلوم میں پڑھیں۔ زمانہ تعلیم میں آپ کامل یک سوئی اور پورے
آداب کے ساتھ تحصیل علم میں منہمک رہے ادھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
سے بھی بیعت کا تعلق ہو چکا تھا اسی وجہ سے تمام طلباء میں آپ کو
ایک خصوصی امتیاز حاصل تھا اور اساتذہ کرام آپ سے خوش رہنے کی وجہ
سے آپ کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔

اساتذہ کرام

اساتذہ کرام میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی،
حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی حضرت مولانا اعجاز علی
صاحب، حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا محمد رسول خاں

صاحب، مولانا محمد الیاس خاں صاحب برلوی کے اسمائے گرامی خاص
طور پر قابل ذکر ہیں۔

بیعت

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ سے غائبانہ عقیدت تو آپ کو
بہشتی زیور و مواعظ و غیرہ کے دیکھنے سے بچپن ہی میں پوری طرح ہو چکی تھی
جس کے متعلق حضرت والانے فرمایا کہ، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے غائبانہ ایسی
عقیدت تھی کہ باوجودیکہ بہت سے مشائخ کو دیکھا اور ان کے حلقہ میں بھی بسا
اوقات بیٹھنے کا اتفاق ہوا، مگر حضرت کے علاوہ کبھی کسی دوسرے کی
طرف خیال بھی نہیں ہوا۔

آپ نے پہلی مرتبہ حضرت حکیم الامت کی زیارت علی گڑھ میں فرمائی
جس سال آپ دارالعلوم تشریف لائے، اسی سال آپ نے حضرت
حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور باقاعدہ
خط و کتابت اصلاحی سلسلے کی شروع کر دی۔ پھر اسی سال یا دوسرے
سال آپ نے بیعت کی درخواست کی جس پر بعد مغرب حضرت
حکیم الامت نے آپ کو بیعت فرمایا۔

اصلاحی تعلق ہونے کے بعد ہی سے آپ برابر پوری پابندی
کے ساتھ حضرت حکیم الامت کی خدمت میں حالات کی اطلاع فرماتے

رہے اور حسب ارشاد تبلیغ دین کا مطالعہ فرمایا۔ دارالعلوم میں طالب علمی کے زمانے میں آپ کا معمول یہ رہا کہ ۱۵ شعبان کی چھٹیوں میں امتحان سے فارغ ہو کر آپ تھانہ بھون تشریف لے آتے اور رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں گھر تشریف لے جاتے اور مختلف اوقات میں بھی شش ماہی وغیرہ کی چھٹیوں میں تشریف لاتے رہتے۔

زمانہ طالب علمی میں آپ پر عبدیت، رحمہ علیہ اور توحید کا بہت غلبہ ہوا آپ نے اپنا وہ حال حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں لکھا جو مح حضرت حکیم الامتؒ کے جواب کے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

مسح اللہ، دارالعلوم، دیوبند ۹ رجب ۱۳۵۰ھ

حضرت مرشدنا ماوانا وعلیائنا عمّت فیوضہم

انشاء اللہ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت کا یہ غلام بدتر از خلائق عرصہ سے اپنے اندر ایک تغیر پاتا ہے، جس کی اطلاع کا ارادہ اسی وقت تھا مگر خیال ہوا کہ یوں ہی معلوم ہوتا ہے، خیال ہی خیال ہے کہ تغیر ہوا ہے، مگر جب عرصہ گذر گیا اور اس میں زیادتی دیکھی پھر اپنا فرض سمجھا کہ حضور والا کو اطلاع کر کے حسب ارشاد اتباع کرے کہ یہ اپنا فرض عین ہے گذشتہ سال تک اپنی یہ حالت تھی کہ اگر خلاف طبیعت کسی سے کوئی بات ہو جاتی تو بہت ناگوار ہوتا تھا کہ ناراض بھی ہو جاتا اور اس کا اثر اس سال کے شروع میں بھی رہا۔ رفتہ رفتہ اب بہت عرصہ سے یہ حالت ہے کہ خلاف طبیعت وقاعدہ ہونے پر قلب کو تکلیف تو ہوتی ہے۔ مگر غصہ تو

کیا ناگواری بھی نہیں ہوتی یہاں تک کہ بعض دفعہ نان بائی بڑی دیر سے کھانا لایا، کبھی بالکل نہیں لایا۔ انتظار میں فاقہ کرنا پڑا۔ دھوبی نے وقت پر کپڑے نہ دیئے، کبھی لے نہ گیا اور کبھی خود ڈال آیا، کبھی ہاتھ سے دھو کر پہن لئے مگر ان بیچاروں سے ناراض ہونے کو غصہ کرنے کو دل نہیں چاہتا کبھی نرمی سے سمجھا بھی دیا تو خیال ہوا کہ شاید ناگواری ہوئی ہو۔ دوسرے وقت اتھر معافی چاہتا ہے اور خوش کرنے کو کچھ پیسے زائد دیدیتا ہے حضرت واللہ ایسے موقع پر فوراً یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اس غلام میں اور ان بے چاروں میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ خیال آتا ہے کہ یہ سب میرے محبوب کے ہیں پھر تو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی، شرم آتی ہے کہ اس نالائق سے محبوب خدا کے کسی مخلوق کو تکلیف پہنچے، حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ خادم سے کسی کو ایذا نہ ہو، حضرت اس کا یہ اثر ہے کہ مہر تک کے مارنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ نالیکار سب سے بدتر روز و شب خدا کی نافرمانی کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماتے رہتے ہیں، اگر گرفت فرمائیں کہیں ٹھکانہ نہ رہے۔ یہ لوگ بیچارے تیری طبیعت کے خلاف کر دیتے ہیں۔ کیا یہ نہیں ہوتا کہ تو ضبط کر لے اور تیری طبیعت ہی کیا جو ناگواری ہو۔ حضرت یہ بھی دل میں آتا ہے کہ سب من جانب اللہ ہے کہ کوئی کھانا نہ لایا، کسی نے کپڑے نہ دھوئے کسی نے کچھ گم کر دیا، حالانکہ ایسے وقت میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ جانور موذی ہیں اور موذی کے مارنے کا حکم ہے اور ان افعال میں ان لوگوں کے کسب کو دخل ہے، اگر ان جانوروں کو مار دیا جائے اور ان لوگوں کو کچھ کہہ دیا جائے اور

کہتے وقت اپنے بڑے ہونے کا خیال قطعاً نہ آوے اور ان بے چاروں کو
 جھوٹا و تقرر نہ سمجھ کر کہا جائے تو کوئی حرج نہ ہوگا گناہ نہ ہوگا مگر حضرت واللہ یہ خیال
 کہ یہ سب میرے محبوب کے ہیں ان باتوں سے روکتا ہے کسی سے کچھ کہنے کو دل
 نہیں چاہتا۔

فقط والسلام

جواب حضرت حکیم الامت قدس سرہ

مبارک ہو، مگر بھڑ میں قدرے ترمیم کی ضرورت ہے۔ جس کی صورت
 یہ ہے کہ اور کسی کو بتلا دیا کہ یہ بھڑ بیٹھی ہے۔

ایک مرتبہ اس خط کے واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد حضرت والا
 نے فرمایا کہ میری طبیعت کا یہ رنگ ابھی تک گیا نہیں، خود کبھی کسی جانور کو
 نہیں مارتا، اتفاق سے کبھی مار دیا تو مار دیا ورنہ اکثر دوسروں کو بتلا دیتا ہوں
 چنانچہ ایک مرتبہ مجلس میں ہم خدام بیٹھے ہوئے تھے کہ گدے میں سے حضرت
 والا کو کسی کٹھنل نے کاٹ لیا۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا کہ وہ ہے چھوٹا سا
 چنانچہ حاضرین میں سے مولوی محمد ہاشم صاحب راوت نے کھڑے ہو کر اس
 کٹھنل کو پکڑ کر باہر لے جا کر مار دیا اسی طرح ایک مرتبہ حضرت والا نے ذکر
 کے متعلق اپنا حال حضرت حکیم الامت کی خدمت میں لکھا جس پر حضرت
 حکیم الامت نے جواب میں لکھا کہ آپ جو ذکر و شغل چاہیں جس طرح چاہیں
 کریں عام اجازت ہے اور اس پر یہ بھی فرمایا کہ بہت کم ایسا ہے کہ میں نے
 کسی کو اس طرح اجازت دی ہو۔

خلافت

جس سال آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اس سال بھی حسب معمول آپ ۱۵ شعبان کے بعد تھانہ بھون تشریف لے آئے اور رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں گھر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آپ نے حالات کا خط لکھا جس پر حضرت حکیم الامت نے آپ کو خلافت مرحمت فرمادی کہ میری طرف سے آپ کو تعلیم و تلقین بیعت کی اجازت ہے۔ یہ خوب قرآن السعادتین ہوا کہ جس سال ۱۵ شعبان ۱۲۵۱ھ کو آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اسی سال ۲۵ شوال ۱۳۵۱ھ کو حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مخصوص خلفائیں

ادھر آپ کے فطری اوصاف سعادت و نجابت اتباع و انقیاد کی وجہ سے اکتساب فیوض کی استعداد تمام ادھر مرشد حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی آپ کے ان اوصاف خصوصی کی وجہ سے آپ پر غایت توجہ و شفقت جس کی وجہ سے اس کم عمری ہی میں آپ کا شمار مخصوص خلفاء میں ہونے لگا چنانچہ جب حضرت حکیم الامت نے اپنی علالت کے زمانے میں گیارہ مخصوص خلفاء کے نام ایک اعلان کے ذریعے شائع فرمائے جس میں تحریر فرمایا تھا کہ

اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں جن کی طرزِ تعلیم پر مجھے اعتماد ہے۔ ان میں سے جس سے چاہیں اپنی تربیت متعلق کر لیں ان گیارہ مخصوصین میں آپ کا نام نامی بھی تھا جس سے بہت سے حضرات کو تو آپ کی نوعمری کی وجہ سے تعجب ہوا کہ آپ سے پہلے خلافت یافتہ بہت سے حضرات موجود تھے بحمد اللہ تعالیٰ ان مخصوصین میں سے اب صرف حضرت والا کی ذات گرامی بقید حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھیں۔ آمین۔

آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی اعتماد

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو آپ کی تعلیم و تربیت پر ایسا خصوصی اعتماد تھا کہ ایک مرتبہ خاتقاہ شریف سے ایک شخص کو کسی وجہ سے نکال دیا اور کئی سال تک وہ خاتقاہ سے نکلے ہوئے رہے۔ حضرت حکیم الامت کی خدمت میں ان کے متعلق بہت سفارشاتیں ہوئیں حضرت مولانا شبیر علی صاحب مرحوم نے بھی سفارش فرمائی۔ اس پر حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ اچھی بات ہے اس شرط پر اجازت ہے خاتقاہ میں آنے کی کہ مولوی مسیح اللہ خان صاحب سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لیں اور ہر ماہ جو خط و کتابت ہو وہ مجھے دکھلا دیا کریں۔ حضرت والا نے اولاً تو ان صاحب سے اصلاحی تعلق سے معذرت فرمادی پھر حضرت مولانا شبیر علی صاحب مرحوم

نے آپ سے بھی سفارش فرمائی، اس پر آپ نے ان کا اصلاحی تعلق منظور فرما لیا۔ اس کے بعد سے دو تین سال تک برابر حضرت حکیم الامت اصلاحی خط و کتابت کو ملاحظہ فرماتے رہے مگر الحمد للہ کبھی کوئی اصلاح آپ کے جوابات پر نہیں فرمائی۔ چنانچہ حضرت والا نے بیان فرمایا کہ چاند کا مہینہ جب ختم ہوتا تھا تو ہم کا پتہ تھے کہ آج ہماری اصلاحی مکاتبت پیش ہوگی کہیں گرفت نہ ہو جائے۔ تقریباً دو یا تین سال تک برابر یہ سلسلہ چلتا رہا میری بھی خالقاہ میں اس دوران میں برابر حاضری ہوتی رہتی تھی۔ مگر الحمد للہ کبھی کوئی گرفت اس تحریری اصلاح پر نہیں فرمائی۔ پہلی تاریخ کے بعد جب میں حاضر ہوتا تھا تو ڈرتا تھا کہ خطوط کے جوابات میں کوئی بات پکڑی نہ جائے۔

یہ شرف بھی کم کسی کو نصیب ہوتا ہے کہ شیخ مجاز بیعت فرمانے کے بعد اتنی طویل مدت تک ان کی اصلاحی خط و کتابت کو ملاحظہ فرمائیں اور پھر اتنی طویل مدت میں کہیں کوئی گرفت نہ ہو اور خصوصاً حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے ہاں تو کسی قسم کی رورعایت اس سلسلہ میں نہیں تھی مگر چونکہ آپ کی تعلیم و تربیت باشار اللہ باضابطہ تھی، اس لئے کہیں بھی تنبیہ کی نوبت پیش نہ آئی۔

عیسیٰ اور مسیح سب سے بڑھ گئے۔ حکیم الامت کا ارشاد گرامی

حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ سے معتد ملنے والوں نے اس ملفوظ کو نقل کیا

کہ ایک مرتبہ کسی کے دریافت کرنے پر حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ عیسیٰ اور مسیح سب سے بڑھ گئے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی زبان فیض ترجمان سے یہ تمغہ تخصّص و بشارتِ عظمیٰ آپ کے کثرتِ فیوضِ علومِ مرتبت و مقبولیتِ بارگاہِ الہی کی شہادت ہے جس کا حرف بحرف بتام و کمال آج مشاہدہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً حضرت حکیم الامت بن کے یہاں مدح و ذم دونوں کیلئے چھے تھے الفاظ ہوتے تھے ان کی زبان فیض ترجمان سے یہ لقرنی کلمات کہ عیسیٰ اور مسیح سب سے بڑھ گئے۔ مدح و توصیف کے بڑے بڑے سپاس ناموں سے بڑھ کر ہیں۔

آپ کی تعلیم و تربیت کے

بالترتیب ہونے کی تعریف

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ بالترتیب ان کی طبیعت میں انتظام ہے۔ لہذا ان کی تعلیم بالترتیب ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامت کا مجمع عام میں

آپ کے متعلق اظہارِ محبت

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت جلال آباد جلسہ میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ سب لوگوں کے سامنے آپ نے فرمایا کہ میرے جی میں ایک بات ہے اُسے میں کیوں نہ کہدوں اور میں سب کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ مولوی مسیح اللہ صاحب سے مجھے محبت ہے۔

آپ کے وارداتِ قلبیہ کے متعلق

ارشادِ گرامی

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے حضرت والا کو فرمایا کہ جو بات بار بار تعارض کے ساتھ تمہارے دل میں آوے بس اسی پر عمل کر لینا حضرت والا نے اس ملفوظ کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ چنانچہ جب کسی کے اصرار پر اس بنا پر کہ میری طبیعت میں مروت بہت زیادہ ہے۔ خلاف کرتا ہوں تو نقصان اٹھاتا ہوں۔

حضرت حکیم الامت کے اس ارشادِ گرامی میں آپ کے جلالے قلب و صفائے باطن نیز ورودِ اسرار و علوم و ہنر کی بشارت ہے چنانچہ

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ التکشف میں وارداتِ قلبیہ کے متعلق
تحریر فرماتے ہیں :

”جب ذکر اللہ کی مواظبت و ریاضت و مجاہدات کی کثرت سے
ظلماتِ نفسانیہ و کدوراتِ طبیعیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے اور قلب و روح کو
حق تعالیٰ کے ساتھ ایک نسبتِ خاصہ و تعلقِ مخصوص پیدا ہو جاتا ہے
اس وقت قلب پر بلا واسطہ اسبابِ ظاہری تحصیلِ سماع و غیرہ کے
کچھ اسرارِ لطیفہ و علومِ شریفہ کا ورود و القاء ہونے لگتا ہے۔“

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی

آپ کے طریقِ بیعت کی تائید و تصدیق

ایک شخص نے آپ سے بیعت کی درخواست کی، چونکہ ہمیشہ
سے آپ پر تواضع غالب ہے، اس لیے پہلے آپ نے ان سے انکار
فرمایا، بعد میں ان کے مزید اصرار پر ان کو چند کتابوں کے مطالعہ
کیلئے فرمایا جب انہوں نے ان کا بھی مطالعہ فرمایا اور پھر درخواست
کی تو آپ نے ان کو بیعت فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامت
کی خدمت میں مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا جس میں سارے حالات
آپ نے بالترتیب مفصل تحریر فرمائے۔ اس کے جواب میں حضرت
حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے شروع سے لے کر آخر تک آپ کے

طریق بیعت و تعلیم کی تصویب و تصدیق فرمائی۔ وہ مکتوب گرامی مع جواب کے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

از مکتوب حضرت والا دامت برکاتہم

” ایک صاحب جن کی عمر تقریباً پچاس سال کی ہوگی، مدت سے اصلاح کی فکر میں تھے۔ ملازم پیشہ ہیں، مگر ان کی سمجھ میں کوئی پیر نہ آیا تھا۔ یہاں اپنے مکان پر چھٹی لے کر آئے تو بعض اپنے احباب سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے احقر کا ذکر کیا، وہ صاحب تشریف لائے، احقر کو بخدا شرم معلوم ہوئی انکار کیا بعض دوسرے حضرات کے اسماء بتلا دیئے، مگر وہ مہر رہے۔ احقر نے کہا، جلدی کیا ہے آپ بھی ابھی یہاں ہیں اور میں بھی، آپ خوب اچھی طرح دیکھ بھال لیجئے اس وقت تو تشریف لے گئے، بعد دو ایک روز پھر آئے کتنے سننے لگے تو اتقر نے کہا بہشتی زیور کا مطالعہ کیجئے۔ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا، پھر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اب تعطیل ختم ہو رہی ہیں۔ مدت سے تلاش میں تھا کہ کسی سے بیعت ہوں، مگر حسب منشاء کہ عالم بھی ہو نہ ملتا تھا اب الحمد للہ آپ حسب منشاء ہیں، احقر نے کہا کہ آپ قصد السبیل دیکھئے۔ آداب الشیخ والمرید کا مطالعہ کیجئے پھر دیکھا جائے گا۔ بے چاروں نے سب کو دیکھا، چند دن کے بعد پھر کہا تو احقر نے بیعت کر لیا۔

احقر نے یہ حال اس لئے عرض کیا ہے کہ حضور اصلاح فرمائیں

اس ترتیب سے ان کو بیعت کرنا مناسب ہو یا نہیں؟ یا ایک مدت تک
اصلاح کا تعلق رہنے کے بعد بیعت کیا جاتا۔“

جواب حکیم الامت قدس سرہ

”دونوں طریق مسلوک ہیں، جس شخص کے لئے جس طریق کو دل قبول

کرے (رعضیہ) یہ صاحب ہینہ میں دو خط بھیجتے ہیں احقر کا خیال
ہے کہ جب تک مناسبت نہ ہو دل ثبوت نہ دیدے پختہ تعلق کا اس
وقت تک بیعت کرنا ٹھیک نہیں، چنانچہ بعض صاحب کو اسی بنا پر
باوجود کئی بار کہنے کے بیعت نہیں کیا، یہ خیال غلط ہے یا صحیح۔“

(جواب حکیم الامت) ————— ”بالکل صحیح ہے“

(رعضیہ) ”یہ صاحب کسی قدر بدعت کی طرف مائل تھے، الحمد للہ یہ

بات بالکل معدوم ہے۔ بہشتی زیور دیکھنے کی تاکید کر دی ہے۔ دس
تسبیح اللہ اللہ کی، دس تسبیح نفی واثبات بتا دی ہیں، فی الحال چونکہ ملازم
ہیں، اس لئے ناجائز آمدنی سے بچنے کی تاکید کی خط آیا لکھا ہے کہ میں
حرام آمدنی سے پرہیز کرتا ہوں، احقر نے اس پر لکھا کہ الحمد للہ دل خوش
ہو۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرماویں۔

”یہ جواب کیا مناسب تھا؟“

(جواب حکیم الامت) ————— ”بالکل مناسب ہے“

اس مکتوب گرامی سے جہاں آپ کے طریق بیعت و تعلیم و تربیت

طالب کے حسب حال مناسب تجویز اور طریق اصلاح کی حضرت حکیم الامت

نور اللہ مرقدہ کی جانب سے تصویب و تصدیق ظاہر ہوئی، وہیں پر آپ کا اپنے مُرشد سے سعادت مندانہ کامل تعلق بھی ظاہر ہوا کہ آپ نے مجاز بیعت ہونے کے باوجود بھی ہر امر میں اپنے شیخ سے تفصیلی طور پر مراجعت فرمائی جس سے یہ ثابت ہوا کہ مجاز بیعت ہونے کے بعد بھی کبھی اپنے شیخ سے مستغنی نہ ہونا چاہیے۔ آپ کا طریق بعینہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ارشاد کے مطابق ہے جس کا جیسا حال ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ بیعت و اصلاح کے سلسلے میں فرماتے ہیں، کسی کو حسب حال قبل از بیعت اس کے مناسب کتابوں کے مطالعہ کا حکم فرماتے ہیں۔ کسی کو کچھ مدت تک مجلس میں بیٹھنے کیلئے فرماتے ہیں۔ کسی کو بلا اس کے ہی بیعت فرماتے ہیں۔

آپ کے روئے صالحہ

سلف صالحین کی جانب سے آپ کے متعلق مبشراتِ منامی

آپ کو منامی طور پر سلف صالحین کی جانب سے بڑی بڑی نیک بشارتیں ہوئیں اور الحمد للہ وہ سب روزِ روشن کی مانند ظاہر ہو رہی ہیں انہیں مبشرات کے متعلق حدیث پاک میں ہے:

قَالُوا مَا الْمُبَشِّرَاتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ وَبِهِ فَسَقَوْلُهُ تَعَالَى لَهُمُ الْبُشْرَى فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا.

یعنی صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبشرات
کیا ہیں، آپ نے فرمایا، صالح خواب اور یہی تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے
قول لہم البشریٰ کی یعنی ان کیلئے خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں۔

آپ کے روئے صالح کے متعلق

حضرت حکیم الامت کا ارشاد گرامی

ایک مرتبہ وصل بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ نے خواب
دیکھا، جب آپ نے اس خواب کو لکھ کر حضرت حکیم الامت کی خدمت
میں پیش کیا تو حضرت حکیم الامت نے دوسرے حضرات سے فرمایا کہ
میرے ایک دوست نے وصل بلگرامی کو خواب میں دیکھا ہے جن کو خوابوں
سے مناسبت ہے اور آپ کے اس خواب کو مجلس عام میں پڑھ کر بھی
سنایا اور اس کے بعد رسالے میں شائع کرنے کیلئے مولانا شبیر علی صاحب
مرحوم کے حوالے فرمایا۔

حضرت حکیم الامت کے ارشاد گرامی سے آپ کی روئے صالح
کے ساتھ مناسبت کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ حضرت حکیم الامت

کے ارشاد گرامی سے ظاہر ہے — چنانچہ وصل بلگرامی مرحوم کو خواب میں دیکھنے کے سلسلہ میں حضرت والا دامت برکاتہم نے واقعہ بیان فرمایا کہ میں اپنے خواب حضرت والا کو سنا کر تا تھا — وصل بلگرامی مرحوم کی وفات کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اُن کو بخش دیا۔ چونکہ ہمارے محبوب اُن کی رعایت کیا کرتے تھے۔ لہذا ہم نے بھی ان کی رعایت کی اور بخش دیا، یہ خواب میں نے پچھ پرکھ کر حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا۔ خواب طویل تھا، اب پورا یاد نہیں رہا۔ حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ میں تو انتظار ہی میں تھا کہ میرے دوستوں میں سے ان کو کوئی خواب میں دیکھے، میں نے میرے محبوب کے لفظ پر حاشیہ میں لکھا تھا،

حضرت والا نے اس پر دریافت فرمایا یہ کیسے معلوم ہوا کہ میرے محبوب سے میں مراد ہوں، میں نے عرض کیا کہ علم ضروری کے طور پر اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ — ”ٹھیک ہے۔“

صلی اللہ علیہ وسلم

خواب میں دیدارِ الہی و زیارتِ نبوی

حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ خواب میں دیکھنا تو یقیناً یاد ہے، اور تیسری مرتبہ میں بھول ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو بہت مرتبہ ہوئی ہے۔

حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی

کی جانب سے

بشارت کثرت فیض

حضرت والادامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بغرض علاج حضرت والاد حکیم الامت قدس سرہ، لکھنؤ تشریف لے گئے تھے اس زمانے میں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں لوہاری میں ایک مکان کے بالاخانہ پر ہوں، حضرت میاں جی صاحب نور اللہ مرقدہ کو جب میرا آنا معلوم ہوا تو بالاخانہ پر مکان کے زینے سے تشریف لائے جب مجھے معلوم ہوا کہ بالاخانہ پر حضرت میاں جی صاحب میرے پاس تشریف لارہے ہیں تو میں استقبال کیلئے اٹھ کر چلا، دیکھا کہ حضرت میاں جی صاحب زینے کے اوپر کے حصہ میں تشریف لاپچکے ہیں۔ حضرت میاں جی صاحب تشریف لائے ملاقات ہوئی اور اسی کمرہ میں تشریف لے آئے۔ جس میں میں ٹھہرا ہوا تھا، میں نے ادب کی وجہ سے اپنے بیٹھنے کی جگہ حضرت میاں جی صاحب نور اللہ مرقدہ کو بٹھایا اور خود سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ حضرت چائے بناؤں، فرمایا کہ بناؤ۔ چنانچہ میں نے خود چائے بنائی اور پیش کی۔ حضرت میاں جی صاحب نے چائے نوش فرمائی اور مجھے بھی ایک پیالی عنایت فرمائی، جب میں نے

پنی تو معلوم ہوا کہ چائے میں نمک ذرات تیز ہو گیا۔ اس سے مجھے بہت شرمندگی ہوئی، اور اس کے آثار میری پیشانی پر ظاہر ہو گئے تو حضرت میاں جی صاحب نے فرمایا کہ نہیں کچھ نہیں، اب پیو۔ حضرت کے اس فرمان کے بعد جو میں نے پیا تو نمک بالکل تیز نہیں تھا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ذرا

تھانہ بھون جا کر معلوم کرو تمہارے حضرت سفر سے آئے یا نہیں چنانچہ میں تھانہ بھون چھوٹی پیرانی صاحبہ کے مکان پر گیا، وہاں معلوم ہوا کہ حضرت مظفر نگر تشریف لے گئے ہیں۔ اس کے بعد میں خالقاہ گیا، وہاں بھی معلوم ہوا کہ حضرت مظفر نگر تشریف لے گئے ہیں۔ اب اطلاع لے کر واپس میں جو لوہاری حضرت میاں جی صاحب کو اطلاع کرنے چلا اور حضرت والا کے چھتے والے مکان کے قریب جہاں منشی مظہر صاحب کا مکان ہے گلی میں داخل ہوا اور مڑ کر جو نظر کی تو دیکھا کہ حضرت میاں جی صاحب نور اللہ مرقدہ تشریف لارہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر حضرت میاں جی صاحب میری طرف تشریف لے آئے اور مجھ سے کچھ باتیں فرمانے لگے کہ اتنے میں ایک اور شخص بھی اسی گلی میں آگئے اور اپنا کوئی حال حضرت میاں جی صاحب سے بیان کیا اور سلوک کا کوئی مسئلہ پوچھا۔ اس پر حضرت میاں جی صاحب نے میری طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ ان سے معلوم کرو۔ میں نے شرماتے ہوئے گردن نیچی کر لی۔ اس شخص نے دوبارہ حضرت میاں جی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ ہی بتلا دیجئے۔ اس پر حضرت میاں جی صاحب نے فرمایا کہ نہیں نہیں

انہیں سے پوچھو اور تمہیں معلوم نہیں ہے حضرت تھانویؒ کے بعد انہیں کی طرف تو رجوع ہے۔ یہ الفاظ اتنی شدت کے ساتھ فرمائے کہ میری آنکھ کھل گئی۔

حضرت والا دامت برکاتہم نے اس خواب کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ میں اکثر اپنے خوابوں کو حضرت والا کی خدمت میں پیش کرتا تھا مگر اس خواب کو پیش نہ کر سکا، اولاً تو یہ کہ میں شرمایا اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ اس میں حضرت والا کی وفات کی طرف اشارہ تھا۔

قطب العالم حضرت گنگوہیؒ کی جانب سے

اجازت و عطا و ارشاد

وعظ کی اجازت منامی آپ کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی طرف سے حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے بیان فرمایا کہ وعظ کا یہ قصہ ہوا کہ خواب میں کچھ لوگوں نے مجھ سے وعظ کے لئے کہا میں نے عذر کر دیا کہ بھائی مجھے وعظ کہنا نہیں آتا، اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کہہ دیجئے اس میں کیا بات ہے جو آتا رہے کہتے رہیں بس وعظ ہو گیا۔

واقعہ خواب کو بیان فرمانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ اس

کے بعد سے وعظ کا سلسلہ شروع ہو گیا اور خدا کے فضل سے جامع میں موقع بموقع میں وعظ کہنے لگا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی طرف سے

انتقال نسبت دعا و لُبتارت قبولیت

خواب میں دعا کیلئے خصوصیت کے ساتھ آپ کو حکم فرمایا چنانچہ حضرت والانے فرمایا کہ مجھے خواب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے فرمایا کہ دعا کو ہم تمہاری طرف منتقل کرتے ہیں، جو تمہارے پاس دعا کیلئے آئے دعا کرو یا کرنا۔

اس فرمان میں آپ کے مستجاب الدعوات ہونے کی بھی لُبتارت ہے چنانچہ حسب ارشاد جو بھی اہل حاجت آپ کی خدمت میں دعا کیلئے آتے ہیں آپ بسہولت و عافیت ان کے مقصد کے حصول کی دعا فرمادیتے ہیں۔ بکثرت اہل حاجت اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں کامیابی کی دعا کیلئے آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ تو ان کو دعا کے ساتھ ساتھ اس کے کرنے کے سلسلہ میں بڑی مفید اور تجربے کی باتیں بھی بتلا دیتے ہیں، اسی طرح کسی دینی حاجت کیلئے دعا کرنے والے کیلئے بھی اکثر اس سلسلے کی مفید اور کارآمد باتیں فرمادیتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی

کا آپ کے ساتھ ادب کا برتاؤ

جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جلال آباد مدرسے کے جلسہ میں تشریف لائے اور حضرت والادامت برکاتہم ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے یا کسی دوسری جگہ کسی جلسہ میں ملاقات ہوتی یا آپ دیوبند دولت کدہ پر تشریف لے جاتے تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو ویچھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، اسی طرح ایک مرتبہ موضع بھیسانی میں جو جلال آباد سے چار میل کے قریب ہے، وہاں جلسے میں تشریف لائے لوگوں نے بیعت کی درخواست کی تو انکار فرما دیا پھر جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا اور بعض حضرات نے سفارش بھی فرمائی تو حضرت مدنی قدس سرہ نے سختی سے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ میں کہہ تو چکا کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ یہاں مولانا مسیح اللہ صاحب موجود ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے میں بیعت نہیں کروں گا۔

جس طرح حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ آپ کا پاس اور لحاظ فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ بھی ان کا بڑا ادب فرماتے تھے۔

مسح الامت کے

پاکیزہ اوصاف و کمالات !

جیسا کہ ابتداء میں عرض کر چکا ہوں آپ کے جمیع محامد اوصاف و کمالات کا کما حقہ تعارف اس بے بضاعت کی فہم و ادراک سے باہر اور بیان و تحریر سے بالا تر ہے۔

خوبی ہمہ کرشمہ و ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

لہذا ان چند سطروں کو بجائے تعارف کے آپ کے اوصاف حمیدہ و اخلاق کریمہ میں سے چند اوصاف کا مختصر تذکرہ کہنا چاہیے اور یہ تذکرہ بھی آپ کے علوم مرتبت کی نسبت سے اگر دیکھا جائے تو آپ کے کمالات کا نہایت ہی ناقص تذکرہ ہونے کی وجہ سے بجائے مدحت و منقبت کے ایک گونہ منقصت میں داخل ہے، جسے واقعی آپ کے فیوض و برکات کا مشاہدہ

کرنا ہو وہ جلال آباد آئے اور دیکھے جہاں آپ کے فیض سے بازارِ علم و معرفت لگا ہوا ہے اور طلب و اخلاص پر بڑے سے بڑا گوہرِ مقصود اس بازارِ معرفت سے حاصل ہو سکتا ہے قصہ جلال آباد جہاں آپ شعبان ۱۳۵۷ھ میں اپنے مرشد حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے ارشاد پر تشریف لائے وہیں مستقل جم گئے اور وہیں پر آج بھی جلوہ افروز ہیں، جلال آباد میں تشریف آوری کے متعلق حضرت والائے فرمایا کہ میں خانقاہ میں آیا ہوا تھا یہاں مدرس کی ضرورت تھی حضرت والائے سے مدرس کیلئے عرض کیا گیا۔ حضرت والائے فرمایا کہ جلال آباد تم چلے جاؤ جب میں یہاں آیا تو ایک حافظ صاحب اور تھے ایک میں تھا کل دو کمرے تھے جن میں سے ایک میں میں اور دوسرے میں حافظ صاحب پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کا یہ الہامی انتخاب تھا کہ اس جلال آباد کیلئے آپ کو تجویز فرمایا جس کی برکت سے آج۔ یہ جلال آباد قصبہ بن گیا تھا نہ بھون ثانی شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں

مدرسہ جس کی ابتداء صرف دو کمروں سے ہوئی، محض حضرت والادامت برکاتہم کے اخلاص و للہیت اور آپ کے سایہ عاطفت کے فیوض و برکات سے تقریباً بیس سال کی تھوڑی سی مدت میں ایک نکتب سے پورا جامعہ عالیہ بفضلہ تعالیٰ بن گیا، جس میں درس نظامی کی مکمل تعلیم مع فنون کے

جاری ہے اور ساتھ ہی شعبہ حفظ و تجوید بھی قائم ہے۔ مدرسہ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں اور بیرون ہند کے خصوصاً افریقی طلباء کی کثیر تعداد و نیز مقامی طلباء کو ملا کر کل طلباء کی تعداد تقریباً پانچ سو (۵۰۰) ہے، اور دورہ حدیث شریف میں شرکار کی تعداد چالیس کے قریب ہے۔ مدرسہ کی عمارت وسیع اور باضابطہ ہے جس میں سادگی کے باوجود عمارت کی موزونیت کی وجہ سے حسن و کمال جھلکتا ہے ۲۱ اساتذہ کرام ہیں، اور مصارف کا سالانہ میزان تقریباً تین لاکھ ہے۔

چونکہ افریقہ کے کافی طلباء مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور پاسپورٹ کے ضوابط کی وجہ سے ان کے پاس وقت کم ہوتا ہے لہذا ان کیلئے مخصوص طور پر ایک چار سالہ نصاب تکمیل مرتب کیا گیا ہے جو بحمد اللہ تعالیٰ بہم و جوہ کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔

باوجود اتنے کثیر مصارف کے مدرسہ کا بیرونی کوئی سفیر نہیں ہے مستقل صرف ایک سفیر ہیں جو قرب و جوار میں اکثر غلہ وغیرہ کی وصولیابی کرتے ہیں۔ خود ہی اہل خیر بلا کسی سفیر اور بلا اپیل و اعلان کے کام کو دیکھ کر اور حضرت والا دامت برکاتہم کی زیر نگرانی مصرف صحیح سمجھ کر امداد فرماتے ہیں۔ اور اتنا بڑا کام محض تو کلاً علی اللہ چل رہا ہے۔ اللہ رب العزت اس چشمہ فیض کو حضرت والا کے زیر سایہ بترقیات جاری رکھے۔ (رأین)

پہلے مدرسہ میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی، جس میں مدرسہ کے تمام

طلباء بھی نہیں سما سکتے تھے۔ اب بحمد اللہ تعالیٰ جناب الحاج سعید الدین سے صاحب انصاری میو، الہ آباد کی جانب سے اس مسجد کو شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ جو نہایت وسیع اور عالیشان ہے۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمی بیک وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مسجد کے شمال و جنوب کی ہر دو جانب خالقاہ کے کمرے ہیں مسجد کے اندرونی حصہ میں چھ برآمدے ہیں، اور بیرونی صحن میں بیس صفیں آسکتی ہیں۔ مسجد میں گل کاری کا ایسا نفیس کام کیا گیا ہے جو فن تعمیر کے نادر نمونوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے جسے دیکھ کر آدمی معمار کے کمال فن کی بار بار داد دینے بغیر نہیں رہتا۔

مدرسہ کا سارا انتظام و انتظام حضرت والا خود فرماتے ہیں، اکثر آپ کے قیمتی اوقات اس مصروفیت میں گذرتے ہیں کہ مجلس بھی ہو رہی ہے اور اسی میں طلباء کی درخواستیں بھی آرہی ہیں۔ ان کے جوابات بھی تحریر فرما رہے ہیں، کسی طالب علم کو اس کی کسی غیر مفید یا غیر ضروری درخواست پر سمجھا رہے ہیں۔ کسی کی ضرورت کا انتظام فرما رہے ہیں۔ مختلف قسم کے اہل حاجت آرہے ہیں، ان کا بھی حاجت روائی فرما رہے ہیں۔ کسی کی مالی امداد فرما رہے ہیں۔ کسی کیلئے دعا فرما رہے ہیں، کسی کو تعویذ لکھ کر عنایت فرما رہے ہیں، کسی کا پانی پڑھ کر دے رہے ہیں۔ ڈاک کے جوابات بھی تحریر فرما رہے ہیں اور مجلس بھی جاری ہے۔ اہل مجلس کو بھی ارشادات عالیہ سے مستفیض فرما رہے ہیں۔ مریدین کی اصلاح بھی فرما رہے ہیں، اور چھوٹے چھوٹے

بچوں کی دلداری بھی کر رہے ہیں، کوئی پیسے مانگ رہا ہے اور کوئی اور کسی چیز کا عین اس مصروفیت کے وقت میں آکر تقاضا کر رہا ہے اور آپ خندہ پیشانی اور لبشاشت کے ساتھ اس کی مانگ پوری فرما رہے ہیں کہیں بیماروں کی بیمار پرسی فرما رہے ہیں، اگر کسی کے متعلق معلوم ہو گیا کہ فلاں بیمار ہے تو آپ اس کی جائے قیام ہی پر تشریف لے جا کر بیمار پرسی فرما رہے ہیں گویا اس شعر کے مصداق کامل ہیں۔ ۵

خنجر چلے کسی پہ ٹڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

آپ بیک وقت اتنے مختلف النوع امور کو بحال و تمام انجام دیتے ہیں کہ اگر مستقل ہر کام کو ایک ماہر کارکن کے سپرد کیا جائے تو ایک بڑی جماعت بھی بمشکل انجام دے سکے۔

صرف اگر آپ کی روزانہ کی تحریرات کی نقل کی جائے تو ایک پختہ کار سنٹی کیلئے پورے دن کے واسطے یہی کام کافی ہے، حالانکہ تحریر کے علاوہ اور کتنے ہی امور ہیں جنہیں آپ انجام دیتے ہیں اکثر صبح صادق سے قبل اٹھ کر معمولات کے بعد مشاغل کثیرہ میں ایسی مصروفیت ہوتی ہے کہ باوجود اس پرانہ سالی ضعف اور گونا گوں امراض کے بھی شام تک چار پائی پر نہیں لیٹتے برابر کام میں مصروف رہتے ہیں صالحین سے جو خلاف عادت صادر ہو اسی کو کرامت کہتے ہیں انجان لوگ صرف ہوا پر اٹھنے اور دریا پر مصلیٰ پچھا کر نماز پڑھنے ہی کو خلاف عادت

سمجھ کر کرامت سمجھتے ہیں۔ ورنہ اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو ایک ذات سے اتنے کثیر مختلف النوع امور کی انجام دہی سب سے بڑی کرامت ہے۔

اب ذیل میں آپ کے چند اوصاف حمیدہ کا مختصر سا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اتباعِ سنت

ہر ایک قول و عمل میں سنت کی پوری پوری پابندی فرماتے ہیں اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور جوتا پہننے غرض کہ ہر عمل میں طریقی سنت کی اتباع شدت کے ساتھ فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں نصائح کے اندر فرمایا ہے۔

خدا تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے محبوب کی پیروی اخلاق، افعال، احکام اور سنتوں میں کرے۔

کمالِ تقویٰ

جس اہتمام کے ساتھ آپ سنت کی اتباع فرماتے ہیں اسی اہتمام کے ساتھ مکروہات و مشتبہات سے بھی شدت کے ساتھ اجتناب فرماتے

ہیں۔ خصوصاً ہدیہ کے اندر اگر تدبیر اس کے مشتبہ ہونے کا موجود ہو تو قبول نہیں فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ہدیے میں کچھ امرود لے کر آیا۔ راقم الحروف بھی حاضر تھا۔ آپ نے لانے والے سے پہلے اس کے صحت اجارہ کے بارہ میں تحقیق فرمائی۔ چونکہ بسا اوقات پھلوں کے اجارے فاسد طریق پر ہوتے ہیں۔ اس شخص نے درست صورت اجارہ کی بیان فرمائی تو آپ نے قبول فرمائیے اور حاضرین مجلس میں بھی ایک ایک امرود تقسیم فرمایا۔

کمالِ علم

آپ بہت ہی حلیم اور بردبار ہیں، کیسی ہی خلاف طبع بات پیش آجائے، اُسے اس طرح برداشت فرماتے ہیں کہ ناگواری کا اظہار نہیں ہونے دیتے، کتنی ہی کسی کی طرف سے تکلیف پہنچ جائے۔ کبھی اس پر انتقام نہیں لیتے۔ نہ کسی دوسرے کو لینے دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہی شخص اگر اپنی ضرورت لے کر آئے تو پوری لبثاشت کے ساتھ۔۔۔۔۔ اس کی وہ ضرورت پوری فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص جن کی اکثر ضرورتوں کا تکفل حضرت والا فرمایا کرتے تھے۔ کسی بات پر آپ سے ناراض ہو کر درپردہ مخالفت کرنے لگے، اور بعض دوسرے مخالفین سے اپنا تعلق پیدا کر لیا۔ انہیں کو جب ایک مرتبہ اپنی کسی ضرورت کے لئے کچھ رقم کی ضرورت ہوئی اور کہیں نہ مل سکی تو حضرت والا کی خدمت میں آئے اور اپنی ضرورت کا اظہار

کیا تو آپ نے بلا کسی قسم کی اظہارِ ناراضگی کے ان کو رقم عنایت فرمادی
اور کچھ نہیں فرمایا۔

مرورت

آپ دوسروں کی بے حد رعایت فرماتے ہیں اور مرورت آپ پر اس
درجہ غالب ہے کہ اکثر لوگوں کے اصرار پر حدِ شرعی کے اندر اپنے خلاف
طبع درخواستیں بھی منظور فرمالتے ہیں اور پھر اس طرح نباہ دیتے ہیں کہ دوسروں
کو اپنے خلاف طبع ہونے کا علم بھی نہیں ہونے دیتے۔ اپنی ساری راحت
دوسرے کی خوشی کیلئے قربان فرمادیتے ہیں اور پھر اس پر ذرا بھی اظہارِ
احسان نہیں فرماتے۔

تواضع

ہمیشہ آپ کے ہر قول و عمل سے فروتنی و تواضع ظاہر ہوتی
ہے لہذا اوقات بھری مجلس میں نہایت صداقت اور اخلاص کے ساتھ فرماتے
ہیں کہ تم سب لوگ مجھ سے اچھے ہو آنے والے سے بڑے تپاک و خندہ
روئی کے ساتھ ملاقات فرماتے ہیں، کبھی اپنی بڑائی کا اظہار نہیں فرماتے اگر
کوئی شخص کچھ دینی یا دنیوی اعتبار سے خصوصیت رکھتا ہو تو اس کا اس کے

مرتبے کے اعتبار سے لحاظ فرماتے ہیں، تو اضع آپ کا حال بنا ہوا ہے، جس کا آپ کے ہر حال و حال سے ہر وقت اظہار ہوتا رہتا ہے۔ ایک روز پند نامہ کی ساری جماعت آپ کے پاس سبق پڑھنے کے لئے بیٹھی تھی ایک شخص کے چند تعریفی کلمات کہنے پر فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ جتنے بیٹھے ہیں، سب مجھ سے اچھے ہیں۔ کسی طالب علم کی اگر بیماری کی اطلاع آجائے تو اکثر اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے ہیں اور اس کا سر اور پیر وغیرہ دباننا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی لطف و مہربانی شفقت و تسلی کی باتیں فرماتے ہیں کہ مریض پر ایک فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ باستثنای طالبین و مریدین کے اگر ذرا بھی کسی بات پر کسی کی ناگواری کا خیال ہو جائے تو بار بار فرماتے ہیں کہ بھائی اگر کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا کبھی دریافت فرماتے ہیں کہ تم کو ہمارے اس کہنے پر تکلیف تو نہیں پہنچی، اور بھائی اگر پہنچی ہو تو معاف کرنا۔ اسی طرح کئی کئی بار فرماتے ہیں۔ غرض اس کا بہت اہتمام فرماتے ہیں کہ آپ کی طرف سے کسی کو ذرہ برابر بھی رنج و تکلیف نہ ہو۔

انسان تو خیر انسان ہیں آپ جانوروں تک کی تکلیف کا بھی بے حد خیال فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ مکان پر تشریف لارہے تھے۔ باہر کے بڑے دروازے کے قریب ایک کتا آ رہا تھا۔ ساتھ میں مفتی نصیر احمد صاحب تھے۔ انہوں نے کتے کو ایک طرف ہٹانا چاہا تو آپ نے ان کو منع فرما دیا اور فرمایا، روکومت آنے دو۔ یہ عام راستہ ہے، اس

میں ہر ایک کو گزرنے کا حق ہے۔

اسی طرح گھر میں ایک مرتبہ پلی ہوئی بلی آپ کے بستر مبارک پر سو گئی تو اس کے جاگنے کی تکلیف کی وجہ سے آپ رات بھر بستر پر نہیں سوئے۔ اسی طرح ایک صوفی عبدالحمید صاحب نو مسلم طالب علم تھے جن کی تمام ضروریات کا تکفل حضرت والا فرمایا کرتے تھے۔ ان کی طبیعت کا عجیب رنگ تھا۔ جب بھی ان کے جی میں آتا، عین مجلس میں آکر جو کچھ زبان پر سخت سُست آتا حضرت والا دامت برکاتہم کو کہہ دیتے۔ دوکان داروں کا قرض کر لیتے اور پھر آکر تقاضا کرتے کہ مجھے پیسے چاہئیں دیدیجئے۔ آپ پیسے دیدیتے انہیں صوفی صاحب کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مجلس میں آئے اور کہا کہ ہمارے جوتے ٹوٹ گئے اور بنوا دیجئے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ابھی تو خریدوا کر دیئے تھے۔ مٹھوڑے سے ٹوٹے ہوں گے مرمت کرادی جائے گی۔ اس پر صوفی جی نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں آپ دیکھ لیجئے آپ نے فرمایا کہ لاؤ دیکھ لوں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ، میں، حق کے باہر، آپ دیکھ لیجئے۔ اُن کے اس جواب پر حضرت والا مجلس سے اٹھ کر دھوپ میں باہر تشریف لائے، جہاں سب لوگوں کے جوتے نکلے ہوئے تھے اور چونکہ آپ کو اُن کے جوتے کی شناخت نہیں تھی۔ اس لیے مختلف جوتے اٹھا اٹھا کر فرماتے رہے۔ کہ یہ تمہارے جوتے ہیں اور وہ صوفی صاحب اندر کھڑے کھڑے ہی انکار کرتے رہے۔ بالآخر جب حضرت والا کو دھوپ میں کھڑے کھڑے جوتوں کو اس طرح دکھاتے ہوئے کافی دیر گزر گئی۔ تو

حاضرین اساتذہ میں سے ہمت فرما کر ایک صاحب نے صوفی صاحب سے کہا کہ تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آگے بڑھ کر دکھلا دو کہ میرے جوتے یہ ہیں اس پر انہوں نے اپنے جوتے بتلائے تب حضرت والا نے انہیں دیکھ کر مرمت کیلئے جیب سے پیسے نکال کر دیئے۔

ان صوفی صاحب کے متعلق ایک مرتبہ کسی نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت یہ صوفی جی ایسی بی ڈھنگی باتیں کرتے رہتے ہیں تو حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ بھائی حضرت تو سبھی لوگ کہتے ہیں کوئی ایسا بھی تو ہو کہ جس سے میں اپنے آپ کو سنبھالتا رہوں اور میری اصلاح ہوتی رہے۔ یہ صوفی صاحب مدرسہ میں بیمار ہوئے۔ حضرت والا نے بہت کچھ علاج کرایا، مگر شفا نہ ہوئی اور بالآخر انتقال فرما گئے۔ ان کے انتقال پر حضرت والا نے اظہارِ غم فرماتے ہوئے فرمایا کہ بھائی میرا ایک کھیل تھا، میں ان سے کھیل لیتا تھا وہ ختم ہو گیا۔

اسی ایک واقعہ سے آپ کا کمالِ حسنِ خلق تو اضعِ علم و سخاوتِ شفقت و مہربانی روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ اہل اللہ باوجود نفس کے مطمئن ہو جانے کے بھی کبھی اس کی نگرانی سے غافل نہیں رہتے۔

اسی قسم کا ایک یہ واقعہ ہے کہ حضرت والا کے مدرسہ تشریف لے جانے کے راستہ میں ایک بڑے میاں اپنے مکان کے دروازے کے باہر چارپائی پر لیٹے ہوئے آہ آہ کر رہے تھے۔ حضرت والا نے ان سے

سلام کے بعد فرمایا، بڑے میاں اس طرح آہ آہ کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت بڑھا پا زیادہ آگیا کمر میں درد رہنے لگا۔ حضرت والا نے فرمایا، لاؤ میں آپ کی کمر دبا دوں واقعی لو ہالاٹھ (مضبوط) کر دوں گا، بڑے میاں نے کہا کہ حضرت جی مرنے کو تو ہو ہی رہا ہوں اور یہ گناہ سر پر لیتا جاؤں کہ آپ جیسی ہستیوں سے کمر دباؤں۔ حضرت والا کے ساتھ طلباء و اساتذہ بھی مدرسہ جارہے تھے، بڑے میاں نے ان حضرات کو مخاطب کر کے کہا اے علمائے کرام آپ حضرت کی باتیں سنتے ہیں۔ مجھے بے ادب اور گنہگار کرنا چاہتے ہیں۔ جب بڑے میاں نے نہ مانا تو حضرت والا مدرسہ چلے گئے اور دوبارہ رات کو دس بجے کے بعد پھر ان بڑے میاں کے پاس تشریف لے گئے جو اپنے مکان سے باہر چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کی چادر میں ہاتھ ڈال کر کمر پر ہاتھ رکھا وہ بڑے میاں بیدار تھے۔ انہوں نے چادر جو ہٹا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت والا ہیں۔ اس پر وہ بڑے میاں اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ایسا نہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں کیا ہوا اس وقت تو آپ شاید ان علماء اور طلباء سے شرماتے تھے۔ اس وقت کوئی نہیں، اب میں اور آپ میں خوب کمر دباؤں گا آپ کو آرام ملے گا۔ بڑے میاں نے کہا کہ میں تو آپ سے نہیں دباؤں گا۔ اور یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے وہ حضرت والا کے لحاظ میں چار پائی پر نہیں لیٹے اس پر حضرت والا تشریف لے گئے۔

نیز مولوی محمد اسماعیل صاحب کتھراوا افریقی جو اب ماشاء اللہ منقح العلوم

سے فارغ التحصیل اور حضرت والا دامت برکاتہم کی جانب سے مجاز بیعت

ہو کر اپنے وطن تشریف لے گئے، اپنے زمانہ طالب علمی کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ بیمار ہو گئے، تو حضرت والا بذاتِ خود بعدِ عشاء اُن کی قیام گاہ پر تشریف لے جا کر اُن کی دوا پکاتے اس کا قوام تیار فرماتے اور دوا پلانے کے بعد تشریف لائے۔

اسی طرح آپ سادات کا بھی بہت اعزاز و احترام فرماتے ہیں، چنانچہ ایک طالب علم حافظ سید ہارون صاحب افریقی حضرت والا کے ہاں پندرہ نامہ کے درس میں شریک ہوئے تھے۔ آپ ان کے ادب کی وجہ سے انہیں ہمیشہ سراہنے کی جانب قائلین پر بٹھلاتے تھے۔ سادات کے ادب کے سلسلہ میں ایک روز ارشاد فرمایا کہ سادات کا ادب ہمیں نسبت کی وجہ سے کرنا ہے، نہیں دیکھنا کہ ان کے اعمال کیسے ہیں؛ ان کے اعمال کے متعلق وہ جانیں، خدا تعالیٰ جانیں۔ نیز فرمایا کہ جس کے سید ہونے میں شک ہو اس کا ادب اس کے مقابلے میں جس کا سید ہونا یقینی طور پر معلوم ہو اور بھی زیادہ کرنا چاہیے۔ جس کا سید ہونا یقیناً معلوم ہے اس کا تو ادب کیا ہی جاتا ہے۔ کمالِ ادب تو یہ ہے کہ باوجود شک کے بھی محض احتمال پر ادب کیا جاوے۔

سختاوت و کرم

بہت سے حاجت مند ایسے ہیں جن کی آپ محضی طور پر مالی اعانت فرماتے ہیں۔ بعض کے ماہانہ وظائف مقرر ہیں اور بعض کے ہفتہ وار

بعض سائل ایسے ہیں جو جمعرات و جمعہ کو آکر سلام کرتے ہیں۔ اُن میں سے کسی کو آپ ایک روپیہ، کسی کو دو روپے کسی کو اور کچھ کم و بیش عنایت فرماتے ہیں، بہت سے طلباء کی اپنے پاس سے امداد فرماتے ہیں۔ ایک معتد بہ رقم حاجت مندوں کو دیتے رہتے ہیں۔

عفو و رحم

آپ کی طبیعت میں شفقت و رحم بے حد ہے۔ کسی کی ذرا سی تکلیف کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی کی بیماری کا حال معلوم ہو جائے تو آپ بار بار دریافت کراتے ہیں کہ اس وقت کیا حال ہے کبھی دوا عنایت فرماتے ہیں۔ کبھی حکیم یا ڈاکٹر کو بلواتے ہیں۔ بعض مرتبہ اسی درد مندی کی وجہ سے کسی کا حال دیکھ کر یاسن کر آپ پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ بڑے سے بڑے مجرم کی خطا کو معاف فرما دیتے ہیں اور معاف فرمانے کے بعد کسی بھی قسم کا اثر ناراضگی کا ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ آپ کبھی کسی پر غضبناک نہیں ہوتے۔ اسی سلسلے میں ایک مرتبہ فرمایا پہلے تو میرے اندر کچھ جلال تھا۔ اب تو طبیعت ذرا اور قسم کی بن گئی ہے اس وقت طلباء بھی بہت ڈرتے تھے۔ ڈرتے تو اب بھی ہیں۔ مگر اب محبت غالب ہے۔

حَسَنِ ظَنِّ

آپ کبھی کسی پر بدگمانی نہیں فرماتے بلکہ ایسے مواقع پر جہاں پر لوگ بدگمان ہو جاتے ہیں آپ دور سے دور کی تاویل فرم لیتے ہیں اور اسی کی تاکید فرماتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ :

روایت تو خیر روایت ہے اس میں تو ہزاروں احتمالات نکل سکتے ہیں۔ اگر رویت بھی ہو، تب بھی جہاں تک ہو سکے تاویل ہی کرنی چاہیے چونکہ بسا اوقات ہماری رویت بھی غلط ہوتی ہے جیسا کہ ہم ریل کو دیکھتے ہیں کہ یہ چل رہی ہے، اور حالانکہ وہ ٹھہری ہوئی ہے۔ دوسری ریل چل رہی ہے آپ کا حسن ظن اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ آپ کے متعلق یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ حضرت والا کی فہرست میں سو ظن کا کوئی خانہ نہیں ہے۔ حسن ظن کے متعلق راقم نے آپ کی زبان فیض ترجمان سے بارہا سنا ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ ہمیں تو ہر شخص کے ساتھ نیک گمان ہی رکھنا چاہیے۔

کمال انتظام و اہتمام

مدرسہ کے اتنے وسیع نظام کا اس خوبی و کمال کے ساتھ چلنا آپ کے کمال انتظام و اہتمام کی زندہ مثال ہے۔

آپ کی مردم شناسی، حلم و تدبیر، عفو و چشم پوشی مضبوط عزم اور دور اندیشی کے اوصاف ہیں آپ کے حسن انتظام کا راز مضمون ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو مردم شناسی کی ایسی فراستِ صادقہ عطا فرمائی ہے کہ ہر شخص سے آپ اس کے مرتبہ کے اعتبار سے معاملہ فرماتے ہیں۔

طلباء کی مختلف قسم کی درخواستیں عین مصروفیت کی حالت میں آتی ہیں۔ آپ درخواست پر صرف ایک نظر فرماتے ہی اس کے پورے منشا و مقصد کو سمجھ جاتے ہیں اور بسا اوقات اس طالب علم کو سمجھانے کے سلسلہ میں اس کے مقصد کو ایسی وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ شاید خود صاحبِ درخواست بھی اس طرح اپنے منشا کو تفصیل سے نہ بیان کر سکتا۔ بعد میں طلباء میں سرگوشیاں ہوتی ہیں کہ حضرت والا کون باتوں کا کیسے علم ہو گیا۔

طلباء پر باوجود آپ کی بے انتہا شفقت، عفو و رحم نرم مزاجی و مہربانی کے بھی آپ کی خدا داد ہیبت و رعب اس درجہ ہے کہ مدرسہ میں آپ کے قدم رنجہ فرماتے ہی ہر طالب علم پر خوف و ادب کی ملی جلی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کسی طالب علم کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ آپ کے سامنے کوئی نامناسب بات کہے یا کوئی ناشائستہ حرکت کرے۔

یہی حال مدرسہ کے اساتذہ کرام کا ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ کے اعتبار سے حضرت والا دامت برکاتہم کا ادب و احترام محبت و عقیدت لئے ہوتے ہیں۔

طلباء کے ساتھ آپ اولاد جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد
 فرمایا کرتے ہیں کہ ہم تو طلباء کے ساتھ اولاد جیسا سلوک رکھتے ہیں۔ جب
 ہمارے پاس کچھ ہوتا ہے دینے سے انکار نہیں کرتے مدرسہ کے اہتمام و انتظام
 کی تمام ذمہ داریاں باوجود مختلف قسم کے مشاغل کثیرہ کے آپ ہی انجام
 دیتے ہیں مدرسہ کے ہر شعبہ! پورا پورا خیال رکھتے ہیں اکثر ہمیشہ ہی تعمیرات
 کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ وقتاً فوقتاً اسے دیکھنے کے لئے موقع پر تشریف
 لے جاتے ہیں

اضفا

ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت والائے نفیس نفیس تقریباً نصف صدی
 تک مدرسہ کا انتظام و اہتمام چلایا اب حضرت والائے مدرسہ کا انتظام و
 اہتمام کثرت مشاغل، اسفار، مجالس، ڈاک اور طالبین کی آمد و رفت
 پیرانہ سالی، ضعف کے باعث اپنے فرزند ارجمند حضرت مولانا صفی اللہ
 خاں صاحب کو عنایت فرمادیا ہے وہ ماشاء اللہ تعالیٰ بعونہ تعالیٰ
 بخلوص و صدق بحسن و خوبی اس خدمت کو حضرت والائے کے زیر سرپرستی و نگرانی
 انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا صفی اللہ خاں صاحب نہایت سلیقہ شعار باصلاحیت
 ہیں۔ مدرسہ کا اہتمام جس ہمت، محنت، دیانت اور جانفشانی سے اپنی
 استعداد ذاتی اور صلاحیت خدا داد سے چلا رہے ہیں اس کا بین ثبوت

مدرسہ کے تمام مدرسین و طلباء کا ان سے بہت خوش رہنا ہے اور بتوفیقہ تعالیٰ مدرسہ یوماً فیوماً ترقی کر رہا ہے۔ الحمد للہ علی ذلک

الفقار

حضرت والا مقامی تعلیمی و تربیتی مصروفیات کے باوجود اندرون ہند اور بیرون ہند مثلاً سعودی عرب، پاکستان، برطانیہ، فرانس، امریکہ، جنوبی افریقہ، پانامہ، مصر، بیت المقدس، کشمیر وغیرہ کے تبلیغی و اصلاحی دورے بھی فرماتے رہتے ہیں۔

بھدا اللہ تعالیٰ جس سے تخیل نگان تزکیہ باطنی اور طالبانِ علوم و معارف وقتاً فوقتاً خوب سیراب ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس چشمہ فیض کو مدتِ مدید تک جاری و ساری رکھیں اور حضرت والا کے فیوضِ باطنی کے انوار و برکات کو سارے عالم میں خوب پھیلا دیں۔ (آمین)

ڈاک کے جوابات

اندرون ملک نیز افریقہ، امریکہ، پاکستان، برطانیہ اور سعودی عرب وغیرہ سے بکثرت ڈاک آتی رہتی ہے جن میں اکثر خطوط طالبین کے طویل بھی ہوتے ہیں اور ایسے خطوط کا اوسط تقریباً ۴۰ رہتا ہے جن کا جواب

آپ بالالتزام اسی روز تحریر فرمادیتے ہیں اور اگر اتفاقاً کبھی سفر یا بیماری کی وجہ سے ایک دو روز کی ڈاک جمع ہو جاتی ہے تو پھر نہایت ہی اہتمام کے ساتھ جمع شدہ ڈاک کے جوابات تحریر فرمادیتے ہیں اور جب تک ساری ڈاک کے جوابات سے فارغ نہیں ہو جاتے اطمینان نہیں ہوتا اکثر حاضرین سے فرماتے رہتے ہیں کہ بھائی آج ڈاک بہت ہے۔

آپ کے جوابات ایسے جامع اور طالب کے مناسب حال ہوتے ہیں کہ پڑھنے پر ایک عجیب سرور و سکون پیدا ہوتا ہے اور بسا اوقات آپ کے جوابات کو پڑھ کر سالک کا قبض رفع ہو جاتا ہے اور بے اختیار یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

اس وقت تیرا ساقی کیا حال ہوا ہوگا
تس وقت یہ مے تو نے شیشے میں بھری ہوگی

مجلس

عموماً صبح ناشتے کے بعد مجلس دو گھنٹے ہوتی ہے اور جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ بھی ہمیشہ مجلس ہوتی ہے جس میں گروہ و نواح کے بہت سے حضرات طالبین و مریدین مدرسہ کے طلباء و اساتذہ شریک ہوتے ہیں

حاضرین مجلس کی کثرت رہتی ہے کہ مجلس خانہ میں اندر جگہ باقی نہیں رہتی باہر فرش پر بھی چٹائیاں پچھائی جاتی ہیں جس پر بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں اس مجلس میں عموماً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ پڑھ کر سنا تے ہیں۔

درمیان میں آپ موقع بموقع حسب ضرورت تفصیل و تشریح

بھی فرماتے رہتے ہیں۔ مجلس میں تمام اہل مجلس ہمہ تن گوش بنے رہتے ہیں۔

ہر شخص کے چہرہ پر تقویٰ کا نور اور عزم و ہمت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں

مجلس میں بیٹھ کر ہر شخص اپنے دل میں خشیت و انابت کے آثار بین

طور پر اپنی اپنی طلب اور اخلاص کے مطابق محسوس کرتا ہے چونکہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

ہر آدمی اپنی اپنی جگہ یہ خیال کرتا ہے کہ گویا حضرت والا میرے حال

کے مطابق ہی بیان فرما رہے ہیں۔

روزانہ کے اوقات مجلس اور جمعہ کی اس مجلس کے علاوہ بھی بالعموم

جب بیٹھتے ہیں اور کوئی مخاطب طالب حاضر ہوتا ہے تو اکثر ارشادات عالیہ

کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہر مسئلہ کو اس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرماتے

ہیں۔ کہ طالب کی پوری تشفی فرمادیتے ہیں اور جیسا مخاطب ہوتا ہے اس

کے مطابق ہی اس سے کلام فرماتے ہیں۔ ایک عامی آدمی کو جس طرح

ایک مشکل سے مشکل مسئلہ کو آسان سے آسان اسلوب میں مثالوں اور واقعات

و حکایات کی روشنی میں سمجھا دیتے ہیں۔ اسی طرح علماء و طلباء کو علمی

اصطلاحات میں نہایت جامعیت کے ساتھ سمجھا دیتے ہیں۔ علوم لدنیہ اور

دارداتِ قلبیہ کو علومِ اصطلاحیہ کی اصطلاحات کے ذریعہ سمجھا دینے کا ملکہ آپ کو حاصل ہے۔ علومِ اصطلاحیہ کا ایسا استحضار ہے کہ رات دن درس و تدریس میں مشغول علماء بھی آپ کی علمی تقاریر کو سن کر حیرت کرنے لگتے ہیں۔

جب آپ تقریر فرماتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس نجیف سے جسم میں یہ اتنے سارے علوم کدھر سے آقا ہو رہے ہیں۔

راقم الحروف نے بسا اوقات اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ بہت سے علماء پہلی ملاقات ہی میں آپ کی باتیں سن کر گرویدہ و رطب اللسان ہو گئے۔ آپ کی شاید ہی کوئی ایسی مجلس ہوتی ہوگی جو حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کے ذکر اور ان کے ملفوظات وارشاداتِ عالیہ کے بیان سے خالی رہتی ہو۔ بار بار فرماتے، سہتے ہیں کہ حضرت والا (حکیم الامت) نے اس بارے میں یہ فرمایا تھا یوں معلوم ہوتا ہے۔

کہ حضرت حکیم الامت کی تمام مجلسیں آپ کے دل میں نقش کا لکھڑ ہو گئی ہیں، جب بھی حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے ارشاداتِ گرامی کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایک عجیب سوزِ عشق کی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی ہے گویا یہ حال ہو جاتا ہے۔

پیلے جان و دل میں بھر لیں مستیِ صہبائے شوق

پھر کسی کی لذتِ گفتار کی باتیں کریں

اور اکثر موقع بموقع حضرت حکیم الامت کے سنائے ہوئے واقعات

اور قصبے بیان فرماتے رہتے ہیں۔ جس سے مسئلہ پوری تمثیل کے ساتھ
 ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ بعض مرتبہ ایک ایک مسئلہ پر کئی کئی گھنٹے تک
 سلسلہ ارشاد جاری رہتا ہے کہ اگر کوئی قلم بند کرنے والا ہو تو اس مسئلہ
 پر ایک مستقل رسالہ تیار ہو جائے۔ فقہ، حدیث، تصوف تفسیر عام اصلاح معاشر
 کے ہر قسم کے مسائل آپ کی مجلس میں بیان ہوتے ہیں بعض مرتبہ ایک معمولی
 سا واقعہ ہوتا ہے۔ اس پر جب سلسلہ بیان شروع ہو جاتا ہے تو کافی طویل
 بیان ہو جاتا ہے، آپ کی مجلس میں جی بالکل نہیں اکتاتا، یوں جی چاہتا رہتا
 ہے کہ آپ فرماتے ہی رہیں اور مجلس ختم نہ ہو۔

آپ کے ارشاداتِ عالیہ میں علمی تحقیقات کا پچوڑ ہوتا ہے ہمیشہ
 آیات و احادیث، سلف کے واقعات و فقہی جزئیات سے مدلل کلام فرماتے
 ہیں۔ بعض مرتبہ دلائل سے ایسے نتائج کا استخراج فرماتے ہیں کہ سننے والے
 اہل علم بھی دنگ رہ جاتے ہیں جس دلیل سے بظاہر مدعی کے ثبوت کی طرف
 ذہن بھی نہیں جاتا۔ اسی دلیل سے دعویٰ کو ثابت فرمادیتے ہیں، اور
 باقاعدہ مقدمات کو ملا کر نتائج کے استخراج کو ظاہر فرماتے ہیں۔
 بات ہمیشہ پوری اور واضح فرماتے ہیں۔ جب کسی مسئلہ کو بیان
 فرماتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ سامعین کے قلوب میں اپنی بات کو اتارتے
 چلے جا رہے ہیں۔ بقول کسے سے

افلاک سے کھینچی جاتی ہے سینوں میں آماری جاتی ہے
 توحید کی مے ساغر سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی ہے

ہر شخص اپنی اپنی جگہ یہ سمجھتا ہے کہ خاص طور پر حضرت والادامت برکاتہم
 کا مجھ ہی کو خطاب ہے اور میرے ہی دل کی بات فرما رہے ہیں۔ جب کلام
 فرماتے ہیں تو موتی بکھرتے ہیں جن میں کاہر موتی انمول لیکتا اور کوہ نور ہوتا ہے۔
 آپ اگر کبھی کسی سے بمصلحت مزاح بھی فرماتے ہیں تو اس کے اندر بھی
 کتنے ہی علوم اور حکمتیں، مصالح اور منافع مضمر ہوتے ہیں۔
 چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص سے مجلس میں آپ نے مزاحاً کچھ باتیں فرمائیں
 ان کے جانے کے بعد آپ نے ہم خدام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ
 تم کتنے ہو گے کہ حضرت جی ایسی باتیں کر رہے ہیں، اس میں بھی ہماری
 بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ آنے والے کا ذرا
 دل کھلے اور وہ اپنی بات پوری کہہ سکے، آئندہ بھی ملنے کیلئے ہمت ہو
 اور شوق بڑھے۔ یہ صاحب حضرت والا کے مرید تھے۔

مزاح میں بھی کبھی کسی کو شرمندہ نہیں فرماتے، محض دل داری اور
 غلبہٴ بیسبت کے دور کرنے کیلئے گا ہے بضرورت کسی سے مزاح فرماتے ہیں
 آپ کے مزاح کا بھی مخاطب پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ ہزار وعظ بھی اس پر
 قربان ہیں۔ جو بات بھی فرماتے ہیں چچی تلی فرماتے ہیں۔ دورانِ گفتگو
 میں اکثر تبسم فرماتے رہتے ہیں مگر کبھی بھی آپ کھل کھلا کر نہیں ہنستے۔

لباس

آپ ہمیشہ پاجامہ کرتا، پانچ کلی گول ٹوپی زیب تن فرماتے ہیں۔

پاجامہ تقریباً نصف ساق تک رہتا ہے۔ کرتا بھی گھٹنوں سے کچھ نیچا پہنتے ہیں۔ سردی میں روٹی دار کن ٹوپ پہنتے ہیں۔ جو تا عموماً ہلکا اور سادہ ہوتا ہے۔ لباس قیمتی اور اوسط درجہ دونوں قسم کا استعمال فرماتے ہیں۔ رنگ کپڑوں کا اکثر سفید ہوتا ہے۔ سردی میں ہلکی رضائی پورے دن اوڑھے رہتے ہیں۔ لباس جمعہ کے دن بدلتے ہیں۔ اگر بیچ میں کبھی سفر بھی پیش آجائے تو صرف سفر کی وجہ سے لباس نہیں بدلتے متعدد جوڑوں کے پہننے کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے کہ کپڑوں پر نمبرات پڑے رہتے ہیں۔ انہیں کے اعتبار سے نمبر وار ہر ایک جوڑے کو پہننے میں تاکہ ہر جوڑا برابر استعمال میں آتا رہے۔

چغہ، عبا، عمامہ، وغیرہ پہننے کا کبھی التزام نہیں فرماتے صرف عیدین کے موقع پر چغہ زیب تن فرماتے ہیں جو کسی صاحب نے ہدیہً پیش کیا ہے۔

حَسَنِ خُلُقٍ

آپ کی طبیعت بہت ہی نرم ہے، کبھی کسی پر سختی نہیں فرماتے اور نہ موقع اصلاح میں کسی قابل اصلاح چیز سے چشم پوشی فرماتے ہیں جہاں کہیں بھی موقع اصلاح کا ہوتا ہے، نہایت نرمی کے ساتھ سمجھا دیتے ہیں کہ اگر مخاطب کے اندر تھوڑی سی بھی طلب اور اخلاص ہو تو وہ ضرور انشاء اللہ اس سے متاثر ہوگا۔ دوسروں کی شدید سے شدید ڈانٹ ڈپٹ

بھی طالب پر وہ اثر نہیں کرتی جو آپ کا نرمی و حکمت کے ساتھ سمجھانا
اثر کرتا ہے۔ آپ کا طرزِ کلام نہایت سادہ دل پذیر اور موثر ہوتا ہے جو
کچھ فرماتے ہیں اس میں قال کے ساتھ چونکہ حال ہوتا ہے اور
دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

لہذا مخاطب پر اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔

آپ ہر امر میں سادگی کو پسند فرماتے ہیں تکلف و بناوٹ
سے طبعاً گریز ہے، بات ہمیشہ پوری اور صاف فرماتے ہیں اور اس کی
تعلیم فرماتے ہیں کہ بات صاف اور پوری کہی جائے۔ ادھوری بات سے
مخاطب کو تشویش ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ علالت کی حالت میں
بہت سے حضرات مزاج پرسی کیلئے آتے رہتے ہیں۔ عین اس علالت
کی حالت میں بھی جتنی تفصیل سے ایک شخص کو طبیعت کا حال بتلاتے
ہیں اسی تفصیل کے ساتھ دوسرے سے بھی بیان فرماتے ہیں آپ کا چہرہ
انور ہمیشہ خندہ و شاداں رہتا ہے کہ دیکھ کر ہی آدمی کا دل بہل جائے
کیسا ہی غم گین سے غم گین آدمی ہو تھوڑی دیر آپ کی باتیں سن کر یوں
محموس کرتا ہے گویا بالکل کچھ غم تھا ہی نہیں۔

کیسے ہی سخت سے سخت اشتعال کے ساتھ کسی امر کو آپ کے
سامنے پیش کیا جائے اس طرح سے گھبرا کر عجلت میں نہیں پڑتے۔
نہایت تدبیر، عجز و فکر، متانت و سنجیدگی کے ساتھ اس کے بارے میں
رائے قائم فرماتے ہیں، کبھی گھبرا کر اعتدال سے تجاوز نہیں فرماتے آپ کو۔

بہت سے امور کو بیک وقت انجام دیتے رہنے کا ایسا ملکہ راسخ
 حاصل ہو گیا ہے۔ کہ ہر کام کو اپنی اپنی جگہ بہ تمام و کمال انجام دیتے رہتے
 ہیں۔ اور کبھی گھبراتے نہیں نہ ایسی مصروفیت میں کسی آنے والے پر اس کثرت مشاغل
 کے بار کو ظاہر ہونے دیتے ہیں۔ کتنے ہی مشاغل کا ہجوم ہو کیا مجال جو چہرہ پر
 شکن آجائے۔ بقول کے ۵

جو ہیں خاصانِ حق وہ اپنے دل کو شاد رکھتے ہیں

غم و اندوہ میں رنج و الم ہیں یا س و حراں ہیں

پوری لبثاشت کے ساتھ تمام امور کو انجام دیتے رہتے ہیں۔ بعض

مرتبہ عین اسی مشغولیت کے وقت میں بعض اہل ضرورت آجاتے ہیں تو اسی

مصروفیت کی حالت میں اس کی ضرورت بھی پوری فرماتے ہیں، کوئی تعویذ

کیلئے آتا ہے تو اسے تعویذ مرحمت فرماتے ہیں کسی کے پانی پر دم فرماتے ہیں :

کسی کیلئے دعا فرماتے ہیں پورا وقت مسلسل اسی طرح

افادہ و خدمتِ خلق میں گذرتا ہے آپ کے معمولات کے بارے میں ایک مرتبہ آپ

نے ارشاد فرمایا ۵

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

آپ کی شفقت کا یہ عالم ہے کہ ہر ایک اپنی جگہ یہ سمجھتا ہے کہ

حضرت کا تعلق مجھ سے سب سے زیادہ ہے۔ ۵

اخلاق کا یہ عالم ہر ایک یہ سمجھتا ہے

جو مجھ سے تعلق ہے اوروں سے نہیں الیا

کتنے ہی خوش نصیب ایسے ہیں جن کی تربیت و تعلیم آپ نے اپنی نگرانی و تکلّف میں فرمائی۔ مگر کبھی بھی کسی موقع پر آپ اظہار احسان نہیں فرماتے۔ آپ نہایت نرمی و ملاحظت سے تدبیر و حکمت سے سائل کو سمجھاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک سفر میں کسی خالص صاحب نے آپ سے متعدد اشکالات پیش کیئے۔ آپ جوابات عنایت فرماتے رہے اور وہ برابر اعتراضات کرتے رہے کہ اتنے میں آپ اتنا گفتگو ہی میں پیشاب کیلئے تشریف لے گئے اور اس کے بعد دو رکعت پڑھیں اور پھر خان صاحب سے دریافت فرمایا کہ فرمائیے خان صاحب اب کیا اشکالات باقی ہیں آپ کے نرمی و ملاحظت کے ساتھ سمجھانے کا خان صاحب پر ایسا اثر ہوا کہ کہنے لگے اب تو کوئی بھی اعتراض نہیں ہے اور جو کچھ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اس کی معافی چاہتا ہوں اور بہت ہی انکساری کے ساتھ معافی چاہنے لگے۔

اسی طرح ایک مرتبہ تھان بھون خالقاہ میں ایک سالک پر قبض طاری ہو گیا اور ان کو یہ خیال ہو گیا کہ میں شیطان ہو گیا۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ اس زمانے میں بغرض علاج لکھنؤ تشریف لے گئے تھے، سالک نے اپنی اس پریشان خیالی کو کہ میں شیطان ہو گیا۔ خالقاہ میں موجودین کئی حضرات مجازین کے سامنے عرض کیا مگر ان کو سکون نہیں ہوا، قبض برابر باقی رہا۔ حضرت والا دامت برکاتہم جب خالقاہ تشریف لے گئے تو آپ کے سامنے بھی انہوں نے اپنا حال بیان کیا، آپ نے ان سے بطور سوال دریافت فرمایا کہ جب سے آپ کو شیطان ہونے کا خیال ہے اس وقت سے آپ نماز پڑھتے

ہیں یا نہیں، انہوں نے عرض کیا کہ پڑھتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ شیطان نے تو جب سے سجدہ سے انکار کیا ہے اور شیطان ہوا ہے وہ تو نماز نہیں پڑھتا، انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں شیطان تو نماز نہیں پڑھتا اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر آپ شیطان کس طرح ہوئے، یہ سنتے ہی ان کا قبض جاتا رہا اور مطمئن ہو گئے۔

آپ کا غذا کا بہت ادب فرماتے ہیں اگر کہیں کا غذا کوئی ٹکڑا پڑا ہو تو اُسے اٹھالیتے ہیں۔

آپ کا مزاج بہت ہی لطیف، نازک اور حساس ہے، ذرا سی موسم کی تبدیلی سے فوراً طبیعت پر اثر ہوتا ہے اسی طرح بدبو سے بہت اذیت ہوتی ہے اسی لئے مٹی کا ٹیل کبھی استعمال نہیں فرماتے ہمیشہ موم بتی جلاتے ہیں، اگر کہیں دور بھی لائٹن جل رہی ہو تو اس کی بو کا بھی احساس فرمالیتے ہیں اور باوجود اس لطافتِ طبع کے کہ آپ کو بدبو سے بہت اذیت ہوتی ہے، بہت سے ایسے مریض جن کے بدن میں بعض امراض کی وجہ سے شدید بدبو پیدا ہو گئی کہ جس سے خود ان کے عزیز واقارب بھی بمشکل ان کے پاس ٹھہر سکتے تھے، آپ برابر ان کی تیمارداری کیلئے تشریف لے جاتے رہے اور ان کے پاس بیٹھ کر ان کی تسلی و تسفی فرماتے رہے۔

تعلق مُرشد

مجدد المملۃ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی ذاتِ بابرکات سے آپ کو ایسی والہانہ عقیدت اور محبت تھی کہ اکثر مجلسوں میں بار بار حضرت حکیم الامت کے ارشادات و تحریرات کا ذکر فرماتے رہتے ہیں، اکثر جب بھی کسی مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں تو اس مسئلہ پر بطور استدلال و استشہاد تائید و توضیح حضرت حکیم الامت کے ملفوظات کو بیان فرماتے ہیں۔ اسی ذیل میں سلف کے بہت سے واقعات بھی حضرت حکیم الامت کی مجلس میں سنے ہوئے سناتے رہتے ہیں۔

جب آپ کسی مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامت کے علوم آپ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے آرہے ہیں اور حضرت میاں جی نور محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی دی ہوئی بشارت من وعن بتمام وکمال پوری ہو رہی ہے، جیسا خاص تعلق و عشق آپ کو حضرت حکیم الامت کی ذاتِ بابرکات سے ہے ایسا ہی مخصوص تعلق آپ کے ساتھ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کو تھا، جس کا بیان گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے۔ جب حضرت حکیم الامت کا ذکر فرماتے ہیں تو ایک عجیب کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے

ڈوب سا جاتا ہے دل رہ رہ کے اُن کی یاد میں
کوئی کیا سمجھے کہ وجہ بے خودی ہوتی ہے کیا

جمہ کی مجلس میں حضرت حکیم الامت کے مواعظ و ملفوظات کو ایسے
درد توجہ و الشراح کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ وہ مضامین تمام اہل مجلس کے دل
میں اترتے چلے جاتے ہیں ۵

پہلے جان و دل میں بھریں مستی صہبائے شوق
پھر کسی کی لذت گفتار کی باتیں کریں
بعض مرتبہ تو حضرت مرشد عالم حکیم الامت قدس سرہ کی یاد میں آپ
ابدیدہ ہو جاتے ہیں مگر بڑے تحمل سے آپ ضبط فرمالتے ہیں ۵
تری یاد کی خلش ہو ترے ذکر کی تپش ہو
مرے اشک ہائے غم کو کوئی چاہیے بہانہ
اپنے شیخ سے جیسی محبت و عقیدت ہونی چاہیے اس کا کمال
درجہ آپ کو حاصل ہے۔ جب بھی آپ کسی مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر
فرماتے ہیں تو بار بار فرماتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنے
شیخ کی برکت سے عرض کر رہا ہوں۔

جلال آباد کے زمانہ قیام میں آپ ہمیشہ تھانہ بھون بالا لتزام حاضر
ہوتے رہے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ جمعرات کی شام کو خالقاہ شریف
لے جاتے تھے اور سہقتہ کی مجلس خاص میں شرکت کے بعد تشریف لاتے
تھے۔ خالقاہ میں مجلس عام و خاص و اخص الخاص ہر ایک میں آپ کو عافری
کا شرف حاصل تھا چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت والا نے فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہوا
کہ خاص مجلس میں صرف میں اکیلا ہی ہوتا تھا۔ غایت احترام کی وجہ سے آپ

حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز کے سامنے بہت کم صرف بقدر ضرورت
کلام فرماتے تھے اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا بھی کہ آپ بولا کریں اور
فرمایا کہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، حضرت حکیم الامت نے فرمایا ہے کہ اُن سے
کہہ دو کہ مجھ سے بے تکلف ہوں، ذرا بولا کریں، اس سے حضرت حکیم الامت
کا غایت تعلق و محبت بھی آپ کے ساتھ ظاہر ہوا اس واقعہ کو فرمانے کے
بعد حضرت والا نے فرمایا کہ اس کے باوجود بھی ہمت نہیں ہوتی تھی، بس کبھی
کبھی معمولی سا بولا کرتا تھا۔

مجاز بیت ہو جانے کے بعد بھی کبھی اپنے آپ کو شیخ سے مستغنی
نہیں سمجھا ہمیشہ حسبِ حال اطلاع فرماتے رہے اور استفادہ فرماتے رہے
چنانچہ پہلے آپ توجہ فرمایا کرتے تھے آپ کی قوتِ خیالیہ بہت قوی تھی
چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ اس زمانے میں میرے اوپر کسی چیز کا
کوئی اثر نہیں ہوتا تھا کیسا ہی کوئی بڑے سے بڑا آدمی ہوتا یا چرندہ یا
درندہ ہوتا تھا۔ اس کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اسی زمانے میں دہلی
تشریف لے گئے تھے وہاں ایک مسجد میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے، وہاں
پر ایک شخص نے آپ سے اصرار کیا کہ ہمارے نقش بندی پیرائے ہوئے
ہیں۔ ذرا وہاں چلو، حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جب انہوں
نے زیادہ اصرار کیا تو ہم نے کہا بھائی چلو ہم ان کے پاس پہنچے تو نماز کے
بعد حلقہ کر کے وہ مریدین پر باری باری توجہ دے رہے تھے میں سب سے
اخیر میں بیٹھا ہوا تھا انہوں نے تین بار میرے اوپر توجہ ڈالی تو مجھے

غیرت آئی کہ میرے چلے جانے کے بعد ان کو معلوم ہوگا کہ یہ فلاں جگہ بیعت
 ہیں میں نے جو ان پر توجہ کی تو وہ کھیل اوڑھے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے۔ کھیل
 ہٹا اور ایک طرف کو گر پڑے، اس کے بعد میں چلا آیا۔ اور حضرت والا کی
 خدمت میں واقعہ لکھا۔ خالقہا ہی میں لکھ کر عرضیہ دیا تھا۔ منبر پر جواب
 کیلئے ملنے کا پتہ لکھا تھا۔ حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ انہوں نے
 تو بچوں کا کھیل کیا ہی تھا تم نے بھی بچوں کا کھیل کیوں کیا۔ لہذا بیس نقل پڑھو
 جواب پڑھتے ہی وہیں بیس نقل پڑھے، اس کے بعد قوتِ خیالیہ میں ضعف
 آگیا اور توجہ دینا بند کر دیا۔ اس واقعہ سے بھی آپ کا کمال اتباع
 ظاہر ہے کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی صرف اتنی سی تشبیہ پر توجہ
 فرمانا ترک کر دیا اور جو حال پیش آیا تھا اس کی من و عن حضرت حکیم الامت
 کی خدمت میں اطلاع فرمائی۔ جو عقیدت بیعت سے قبل ہی غائبانہ طور
 پر پیدا ہوئی تھی کہ باوجود اور بہت سے حضرات کے دیکھنے کے کبھی
 حضرت حکیم الامت کے علاوہ کسی دوسری جانب خیال بھی نہیں گیا وہی کمال عقیدت
 محبت و انقیاد بتمام و کمال باقی رہا اور ہے، جس کا اظہار آپ کے ہر ہر
 قول و عمل سے ہوتا رہتا ہے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو بھی آپ کی ذات بابرکت کے
 ساتھ ہی کمال عقیدت محبت اتباع و انقیاد نصیب فرمائے اور آپ
 کے سایہ عاطفت کو تا دیر ہمارے اوپر باقی رکھے۔

- آمین ثم آمین -

حضرت والا کی تالیفات مفیدہ

فضل الباری تقریر بخاری
شرعیات و تصوف (مکمل)

تعلیمات اسلام

التوحید الحقیقی

حفظ المسلم

ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر الہی

فضیلت علم

ملفوظات اصلاح نفس

اصول تبلیغ

احکام التبلیغ

رسالہ شرائک

ملفوظات شرائک

تقلید و اجتہاد

مواعظ (دو جلدوں میں)

ملفوظات جلد اول - الحج - الجہاد

اظہارِ معذرت

جن خوش قسمت حضرات کو حضرت والا دامت برکاتہم سے بالمشافہ شرف ملاقات حاصل ہے اور آپ کی مجلسوں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ بالخصوص جن سعادت مند احباب کو کچھ دنوں آپ کی خدمت یا برکت میں رہنے کا کچھ موقع ملا ہے وہ یقیناً ان چند بے ربط سطروں کو نہایت ہی ناقص تذکرہ آپ کے اوصاف حمیدہ کا خیال فرماویں گے اور خود یہ سب آستانہ مسیحی بھی اس خیال میں احباب سے متحدث ہے۔ آپ کا ہر وصف اپنے انوار و برکات سے معمور ہے کہ اگر لکھا جائے تو ہر ایک وصف پر ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے، آپ کی ذات ستودہ صفات کے تعارف کیلئے ان چند سطروں کا لکھنا دریا کا تعارف ایک قطرہ سے کرنے کے مترادف ہے۔ اس پر سچا ان نے کچھ دنوں کے زمانہ قیام خانقاہ میں صرف اس مختصر سے تعارف کو اس لئے لکھا ہے تاکہ ان مجاہد مخلصین کے لئے جنہیں آپ کی ذات والا صفات سے عقیدت و ارادت ہے باعث مسرت ہو اور اس ناچیز کیلئے ذریعہ اجر آخرت ہو۔ (آمین)

جو واقعات و حالات لکھے ہیں وہ بندہ نے از خود حضرت والا دامت برکاتہم سے دریافت کر کے لکھے ہیں یا جو بندہ نے خود مشاہدہ کئے یا بلا دریافت علی سبیل التذکرہ حضرت والا نے انہیں بیان فرمایا اور بندہ

نے سنا۔ اسی طرح جو چند خطوط کی نقل کی ہے۔ وہ بھی باصرار بندہ
 نے حضرت والادامت برکاتہم سے لے کر کی ہے۔ حضرت والادامت
 برکاتہم غایت عجز و انکاری کی وجہ سے ہمیشہ اپنے حالاتِ رفیدہ کا
 اخفاء فرماتے رہتے ہیں۔ یہ چند واقعات بھی بندہ کے اصرار پر
 ازراہ شفقت و مروت صرف ہم خدام کی دل جوئی کی خاطر بیان فرمادیئے
 اور میرے قلم بند کرنے کے بعد اپنی طبیعت پر جبر فرما کر میرے دوبارہ
 تصحیح کی غرض سے سنانے پر جب میں نے تصحیح کی خاطر واقعات و
 حالات سنائے سنے۔ اس کے باوجود بھی کوئی بات حضرت والا کی
 شانِ عالی کے خلاف لکھی گئی ہو جس سے کسی بھی قسم کی منقصت
 آپ کی شان میں لازم آتی ہو، اسے سراسر اس بندہ کا قصور خیال
 فرماویں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول اور مقبول فرماویں اور
 ہم سب کو اپنے صالحین بندوں میں داخل فرمائے اور انہیں کی راہ پر مستقیم
 فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

بندہ رشید احمد میواتی

۶، رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

۷۷

الرَّحْمَنُ فَسَنَّا بَيْنَهُمَا

رحمن کی شان کسی با جس سے پوچھو!

شرعیہ تصوف

فِي تَصَوُّفٍ كَمُكْتَلٍ وَمُدَلَّلٍ كِتَابًا

تالیف لطیف :

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب دہلی ضمیمہ

خلیفۃ ارشد

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد شرف علی تھانوی

قدس سرہرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

پوسٹ بکس : ۴۳۰، ریلوے روڈ - ملتان - پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مؤلف

کتاب کے بیشتر مضامین حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الشریعت والطرقت مرشدی و مولائی حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کی مختلف کتابوں مثلاً التکشف بوا در النواذر، تعلیم اللدین، قصد السبیل، حیات المسلمین، نیز دیگر کتب آداب الشیخ والمرید، تبلیغ دین، شریعت و طریقت و غیرہ سے لئے گئے ہیں۔ یا وہ باتیں لکھی گئی ہیں جو حضرت حکیم الامت کی مجلسوں میں میں نے سنی ہیں۔

یہ سب کچھ فی الحقیقت حضرت اقدس ہی کا فیض و برکت ہے بقول حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی جن کی تعلیم و تربیت تصنیف و تالیف و عظ و تبلیغ کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی، دینی تعلیم کا بند و لبت ہوا، رسوم و بدعات کا قلع قمع ہوا، سنن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء ہوا۔ غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا

ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سینے گرمائے اور
 اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل روشن ہوئے اور وہ فن جو جوہر سے خالی
 ہو چکا تھا پھر سے حضرت شبلیؒ و جنیدؒ و بسطامیؒ و جبیلانیؒ، سہروردیؒ
 و سرہندیؒ بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی
 رَحْمَةً وَّاسِعَةً اور یہ شان تجدید تھی جو اسی صدی میں مجددِ وقت
 کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی اللہ تعالیٰ ہم سب مستفیضین کے
 جانب سے تا ابد اپنے لازوال و لامتناہی خزانوں سے ان کی روح پر
 فتوح پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا رہے اور اپنے مراتبِ قرب سے
 ہمیشہ نوازتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تصوّف

شریعت کا وہ جز جو اعمال باطنی سے متعلق ہے

حقیقت تصوّف

تصوّف و سلوک اور وہ جز جو اعمال ظاہری سے

متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الہی

ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے

چلنا ہے۔

گویا کہ تصوّف دین کی رُوح و معنی یا کیف و کمال کا نام ہے جس کا

کام باطن کو زائل اخلاق ذمیرہ شہوت، آفات لسانی غضب، حقہ، حسد،

حب دنیا، حُب جاہ، بخل، حرص، ریا، عجب، غرور سے پاک کرنا اور

فضائل یعنی اخلاق حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید و توکل

محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ و تفکر سے آراستہ کرنا

ہے۔ تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے۔ جو مقصود حیات ہے۔ ایسے

تصوّف و طریقت، دین و شریعت کے قطعاً متافی نہیں بلکہ ہر مسلمان

کیلئے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا

مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا۔

جب یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ تصوف
ضرورت تصوف

و طریقت، دین و شریعت کے منافی نہیں ہے بلکہ

شریعت ہی کے ایک جز کا نام ہے تو اسی سے تصوف کی ضرورت بھی ثابت
ہو گئی۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ حقیقتہ الطریقہ کے شروع میں
تحریر فرماتے ہیں۔

”بعد حمد و صلوات مدعا ئے ضروری یہ ہے کہ ہر مسلمان پر بعد تصحیح
عقائد و اصلاح ظاہری فروع ہے کہ اپنے اعمال باطنی کی اصلاح کرے قرآن مجید
میں بے شمار آیات و احادیث میں بے انتہار و آیات اس کی فرضیت پر
صراحتہً دل ہیں۔ گو اکثر اہل ظاہر بسبب پابندی ہوا و ہوس اس
دلالت سے غافل ہیں، کون نہیں جانتا کہ قرآن و حدیث میں زہد و قناعت
و تواضع و اخلاص و صبر و شکر و حُب الہی و رضا بالقضاء و توکل و تسلیم
و غیر ذالک کی فضیلت اور ان کی تحصیل کی تاکید اور ان کے افساد
حُب دنیا و حرص و تکبر و ریا و شہوت و غضب و حسد و نحو ہا کی مذمت
اور وعید وارد و مذکور ہے، پھر ان کے مامور بہ اور ان کے منہی عنہ
ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اور یہی معنی ہیں۔ اصلاح اعمال باطنی کے
اور یہی مقصود اصلی ہے طریقت میں، جس کا فرض ہونا بلا اشتباہ
ثابت ہے۔“

نیز طریق القندر میں فرماتے ہیں :

”تصوف کے اصول صحیح قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے یعنی عالی صوفیہ کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ تصوف سے قرآن و حدیث خالی ہیں، مگر دونوں غلط سمجھے۔ خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب واسیات سے۔ بس نماز، روزہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے، اسی کو کرنا چاہیے، یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے، تو گویا ان کے نزدیک قرآن و حدیث تصوف سے خالی ہیں۔ اور عالی صوفی یہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علم باطن ہے۔ ان کے نزدیک نفوس با اللہ قرآن و حدیث ہی کی ضرورت نہیں غرض دونوں فرقے قرآن و حدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن و حدیث کو“

تصوف اور قرآن | جس طرح قرآن میں **وَاقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ** موجود ہے اسی طرح **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا** یعنی اے ایمان والو صبر کرو اور **وَاشْكُرُوا لِلَّهِ**، اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ** اور **لِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ** البیتِ پاؤ گے تو دوسرے مقام پر **يُحِبُّونَهُ** اور **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ** بھی دیکھو گے۔

جہاں **إِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى** ہے۔ اس کے

ساکھ ہی یُرَاءُونَ النَّاسَ بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام میں تارکِ نماز
اور تارکِ زکوٰۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام میں تکبر و عجب کی برائی موجود
ہے۔

اسی طرح احادیث کو دیکھو جس طرح ابوابِ نماز و روزہ بیع و شرا
نکاح و طلاق پاؤ گے، ابوابِ ریا و کبر و غیرہ بھی دیکھو گے، اس بات سے
کون مسلمان انکار کر سکتا ہے کہ جس طرح اعمالِ ظاہرہ حکمِ خداوندی ہیں، اسی
طرح اعمالِ باطنہ بھی حکمِ الہی ہیں۔ کیا اَقْبَهُوا الصَّلٰوةَ وَ اَتُوا الزَّكٰوةَ
امر کا صیغہ ہے اور اصبر و اواشکر و امر کا صیغہ نہیں کیا۔ کُتِبَ عَلَیْکُمْ

الصَّیَامُ سے روزہ کی مشروعیت اور مامور بہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمَنُوْا حٰبِیْۤا لِلّٰہِ سے محبت کا مامور بہ ہونا ثابت
نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی
اصلاح کیلئے ہیں اور باطن کی صفائی مقصود و موجب نجات ہے اور اس
کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ
مَنْ دَسَّاهَا یعنی بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور
جس نے اس کو میلایا نا کام رہا۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُوْنَ اِلَّا
مَنْ اٰتٰی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ یعنی اس دن مال اور اولاد کام نہ آویں گے
مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت قلب لے کر آیا۔

دیکھو پہلی آیت میں تزکیہ باطن کو موجبِ فلاح اور دوسری میں

سلامتی قلب کے بغیر مال و اولاد سب کو غیر نافع فرمایا ہے۔ ایمان و عقائد
جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے۔ قلب ہی کا فعل ہے اور ظاہر ہے
کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان کی تکمیل کیلئے ہیں، پس معلوم ہوا کہ اصل
مقصود دل کی اصلاح ہے جس سے انسان مقبول بارگاہ اور صاحب مدارج
و مقام ہوتا ہے، اور اسی کا نام اصطلاح و عرف میں تصوف ہے۔

اقوال صوفیاء | اسی سلسلہ میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ہیں، "اگر تم کسی کو کرامات والا دیکھو کہ ہوا میں اڑتا ہو
تو دھوکے میں نہ آجانا، جب تک یہ نہ دیکھو کہ امر و نہی حفظِ حدود
اور پابندی شریعت میں کیسا ہے؟"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔

مخلوق پر سب راہیں بند ہیں، سوا اس کے جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلے۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وہ جس کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی حالت کا دعویٰ کرتا
ہے جو اس کو حد شرعی سے باہر کر دیتی ہے تو اس کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے فرمایا۔

کہ "متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروری ہے۔ قولاً و فعلاً و

ارادۃً اس لئے کہ محبت خدا تعالیٰ بے متابعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کے نصیب نہیں ہوتی۔"

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

جو آدمی شریعت پر قائم ہوا اور جو کچھ احکام شرع کے ہیں ان کو بجالایا اور سرموتجاوز نہ کیا تو اس کا مرتبہ آگے بڑھتا ہے۔ یعنی تمام ترقیاں اس پر موقوف ہیں کہ شریعت پر ثابت قدم رہے۔

حضرت حکیم الامت تعلیم الدین میں فرماتے ہیں۔

مد جس کو دولت وصول میسر ہوتی ہے۔ علم شریعت اور اتباع سنت

سے ہوتی ہے۔

شریعت و طریقت کی اصطلاحات
الگ الگ بعد میں بقصر مقرر کی گئیں

اسلام کی تمام تعلیمات کا سرچشمہ
کتاب و سنت ہے جس کی ابتدائی
تعلیم مجلس نبوی میں دی جاتی تھی

اور چونکہ ابتدائی دور تھا علقہ بگوشان اسلام اپنے اصلی مرکز میں موجود تھے جن کی تعداد بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی جتنی بعد میں ہو گئی اس لئے نبوی درس گاہ میں تمام علوم اسلام یعنی علم تفسیر علم حدیث علم فقہ اور علم تصوف کی تعلیم یک جا دی جاتی تھی، کوئی الگ الگ شعبہ قائم نہ

تھے۔ البتہ اسی نبوی درس گاہ میں ایک اقامتی شعبہ ایسا بھی موجود تھا جس میں مجاہدان خدا و عاشقان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزکیہ نفس و اصلاح باطن کی عملی تعلیم و تربیت کے لئے ہر وقت موجود رہتے تھے اور وہ اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔

بعد ازاں جب اسلام عالم گیر حیثیت اختیار کر گیا تو اس کی تعلیمات

کو علمائے دین نے الگ شعبوں میں منضبط کر دیا، جنہوں نے علم حدیث کی خدمت کی وہ محدث کہلائے اور جنہوں نے علم تفسیر کا کام سنبھالا وہ مفسر کہلائے۔

جو فقہ کا کام کرنے میں منہمک ہو گئے وہ فقہ بن گئے اور جنہوں نے تزکیہ نفس و اصلاح باطن کا شعبہ سنبھالا وہ مشائخ صوفیاء مشہور ہوئے اسی لئے اکابر سلف میں سے کسی نے شریعت کو طریقت سے الگ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ طریقت کو شریعت کے تابع رکھا۔

شریعت، طریقت، تحقیق و معرفت | شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے

اس میں اعمال ظاہری اور باطنی سب آگئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو شریعت کا مرادف (ہم معنی) سمجھا جاتا ہے جیسے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعریف، معرفۃ النفس مالہا وما علیہا منقول ہے یعنی نفس کے نفع اور نقصان کی چیزوں کو پہچاننا پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے اس جز کا نام جو اعمال ظاہرہ سے متعلق ہے فقہ ہو گیا اور وہ چیز جو اعمال باطنہ سے متعلق ہے اس کا نام تصوف ہو گیا، اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلا اور صفا پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کوئیہ متعلقہ اعیان و اعراض و حقائق و لوازمات) بالخصوص اعمال حسنہ و سیئہ و حقائق الہیہ صفاتیہ و فعلیہ یا بالخصوص معاملات بین اللہ و بین العبد

یعنی جو معاملات اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہیں۔ وہ منکشف ہوتے ہیں، ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں۔ اور اس صاحب انکشاف کو محقق اور عارف کہتے ہیں۔

پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ طریقت اور چیز ہے اور شریعت اور چیز ہے۔ محض غلط اور بے بنیاد ہے۔ جب حقیقت سلوک معلوم ہو گئی تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس میں نہ کشف و کرامات ضروری ہیں نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے نہ دنیا میں کار بر آری کا وعدہ ہے کہ تعویذ، گنڈوں سے کام بن جاویں یا مقدمات دُعا سے فتح ہو جائیں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک تعویذات سے بیماری جاتی رہے یا ہونیوالی بات بتلا دی جا یا کرے، نہ تقرقات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی از خود اصلاح ہو جائے۔ اس کو گناہ کا خیال بھی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں۔ مرید کو ارادہ کرنا نہ پڑے یا ذہن و حافظہ بڑھ جائے نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی میعاد کو ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہنے، عبادت میں کوئی خطرہ ہی نہ آوے یا یہ کہ خوب رونا آوے ایسی محویت ہو جائے کہ اپنی پرانی خبر نہ رہے اور نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا نہ کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے، نہ اچھے خوابوں کا نظر آنا، یا الہامات کا ہونا لازمی ہے، بس اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہے اسی کو پیش نظر رکھے۔

بیعت | بیعت میں کا حاصل معاہدہ ہے، اعمال ظاہری و باطنی کے اہتمام اور التزام احکام کا اس کو بیعت طریقت کہہ جاتے جو از سلف تا خلف بتواتر رائج ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب فرما کر علاوہ بیعت جہاد و بیعت اسلام التزام احکام و اہتمام اعمال کیلئے بیعت فرمایا ہے متوں احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ عوف بن مالکؓ کی یہ حدیث ہے۔

عن عوف ابن مالک الا شجعی قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسعة اوثمانیة اوسبعة فقال الا تبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبسطنا ایدینا وقلنا علی ما نبایعک یا رسول اللہ قال ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا واصلوا صلوات الخمس وسمعوا واطیعوا۔

(الحدیث اخرجہ مسلم والبوداود و نسائی)

یعنی حضرت عوف ابن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات ارشاد فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کرتے؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں

برٹھو اور احکام سنو اور مانو، اس کو مسلم، ابو داؤد و نسائی نے روایت کیا
 اس بیعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ
 تعالیٰ علیہم کو خطاب کیا جو کہ یہ نہ بیعت اسلامی تھی نہ بیعت جہادی، لہذا
 اس حدیث میں بیعت مروجہ فی المشائخ کا صریح ثبوت ہے، جس طرح
 فقہ میں چار سلسلہ ہیں، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اسی طرح فقہ تصوف
 میں بھی چار سلسلہ ہیں۔ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ۔ اور جس
 طرح اس طرف سلسلہ حنفی غالب ہے، اسی طرح سلسلہ چشتیہ غالب ہے
 عارے یہاں اکابرین چاروں سلسلوں میں بیعت فرماتے ہیں تاکہ ہر سلسلہ
 ادب ملحوظ رہے، مگر غلبہ چشتیت کا ہے۔

اسمائے گرامی حضرت سلاسل اربعہ

- سلسلہ چشتیہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رۛ
 سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رۛ
 سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبندی رۛ
 سلسلہ سہروردیہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رۛ

طریق بیعت

شیخ مرید کے دہنے ہاتھ کو اپنے دہنے ہاتھ میں لے کر بیعت کرتا ہے اور کثیر مجمع کو بذریعہ رومال وغیرہ بیعت

کیا جاتا ہے اور مستورات کو پردہ کے پیچھے کہ وہاں ان کا کوئی محرم بھی ہو رومال وغیرہ سے بیعت کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا ما مس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امرأۃ قط الا ان یرا ید علیہا فاذا اخذ علیہا فاعطتہ قال اذہبی فقد باعیتک رواہ الشیخان والبوداد۔

اس سے معلوم ہوا کہ بدون عورت کا ہاتھ میں ہاتھ لئے آپ معاہدہ فرماتے تھے پھر فرماتے ہیں عنے تم کو بیعت کر لیا ہے۔ اس لئے مشائخ میں عورتوں کو بغیر ہاتھ میں ہاتھ لئے زبانی طور پر یا کسی کپڑے وغیرہ سے بیعت کرنا معمول ہے۔

یہ بیان تو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہونے کا ہے اور جو شخص شیخ کی خدمت میں نہ پہنچ سکے وہ وہیں سے بذریعہ خط و کتابت یا بواسطہ شخص معتبر بیعت ہو سکتا ہے اور اس کو بیعت عثمانی کہا جاتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بموقع بیعت رضوان بعدم موجودگی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے بائیں ہاتھ پر دہنے دست مبارک کو رکھ کر فرمایا کہ میں نے عثمان کو بیعت کر لیا۔

تعلیم پر وقت بیعت | اول نماز اور روزوں کی قضا اس طرح کہ ہر نماز وقتی کے ساتھ جماعت سے قبل

بعد جماعت اس وقتی قضا کے صرف فرض ادا کرنا اور عشاء میں وتر بھی اور فرصت اور ہمت کے ساتھ ایک وقت میں یا ایک دن میں کسی کئی وقت یا کئی کئی دن کی نمازوں کو ادا کر لینا۔

نمبر ۲ کسی کا مالی حق اپنے ذمے ہو اس کو ادا کرنا یا معافی مانگنا۔

نمبر ۳ آنکھ کان یا زبان کی پوری نگرانی اور حرام اور مشتبہ مال

سے پوری احتیاط کرنا۔ وضع قطع، لباس، شکل و صورت سنت کے

مطابق رکھنا، شادی، غمی کے موقع پر جملہ رسومات و بدعات و خلاف

شرع باتوں، گانا بجانا، ڈھول، باجا، گیت، نیوتہ اور دکھاوا وغیرہ

سے پرہیز کرنا۔ ہر معاملہ میں ناجائز اور محرمات طریق سے بچنا اور اس کا

پورا خیال رکھنا کہ کسی کو اپنے ہاتھ اور زبان سے مالی قلبی اور جسمانی تکلیف

اور رنج نہ پہنچے۔ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ اختلاط سے گریز، بقدر ضرورت

ملنا، اور کلام سے بھی بدون ضرورت شدیدہ پوری احتیاط کرنا۔

نمبر ۴ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، لیٹے بیٹھے، کلمہ طیبہ کا ورد

رکھنا اس طرح پر کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھتے رہیں۔ دس یا پانچ مرتبہ

کہنے کے بعد یا سانس ٹوٹنے پر مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بلا لیا کریں۔

نمبر ۵ ہر نماز کے بعد اگر آیتہ الکرسی یاد ہو تو اس کو پڑھ

کر تسبیح فاطمہ کی ایک تسبیح پڑھا کریں۔ یعنی تینتیس مرتبہ سبحان الله

تینتیس مرتبہ الحمد لله، چونتیس مرتبہ الله اکبر پڑھ لیا کریں۔

یا بشرطِ فرصتِ ظہر، مغرب، عشاء میں آیۃ الکرسی کے بعد تیسرا کلمہ
سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کی ایک
تسبیح پڑھا کریں۔

تیسرا بعد نماز عشاء سوتے وقت محابہ و مراقبہ سموت کیا کریں۔

مُحَاسِبَةٌ

یہ ہے کہ صبح اٹھنے کے وقت سے شب کو سونے کے وقت
تک اپنے اعمال کا سوچنا عبادات و طاعات پر شکر اور طلبِ توفیق اور
اپنی کوتاہی اور نامناسب باتوں پر ندامت۔

مُرَاقِبَةُ مَوْتٍ

نزعِ کیمالت اور قبر میں سوال و جواب، میدانِ حشر، حساب و کتاب
حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور جواب دہ ہونا اور پلصراط پر سے گزرنا
ان سب چیزوں کو سوچنا اور عہد کرنا کہ آئندہ کسی معصیت کے پاس نہ
جاؤں گا۔ پھر ایک تسبیح استغفار کی پڑھنا، استغفار یہ ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ اسْتَغْفِرُ
اللَّهُ الْعَظِيمَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَالْوَبُّ إِلَيْهِ

تیسرا اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنا حتیٰ کہ اپنی آنکھوں سے بھی

کسی کو کیسا ہی بُرے سے بُرا کام کرتے ہوئے دیکھا جائے تب بھی اس کو حقیر نہ جانتا چاہیے اپنے کو اس سے اچھا نہ سمجھنا بلکہ یہ ڈر رکھنا اور خیال کرنا کہ کیا عجب ہے کہ یہ شخص پختہ توبہ کر کے نہایت درجہ متقی اور پرہیزگار ہو جائے اور میں خدا نہ کرے شیطان و نفس کے بہکانے اور اغوائے پھسل جاؤں اور یہ طاعات اور عبادات قائم نہ رہیں۔ نہ خاتمہ کا علم ہے، اس لیے کیا منہ ہے کہ اپنے کو کسی سے اچھا جانا جائے اور دوسرے کو حقیر سمجھا جائے۔

تنبیہ

یہ ساتواں جز اپنے کو کم سمجھنا سلوک میں اول قدم ہے۔ بدون اس کے راستہ نہیں کھلتا۔

۷۷ **تحقیق بیعت** بیعت جو کہ اپنے اندر بیع کے معنی لئے ہوئے ہے شیخ کے ہاتھ بک جانا ہے، جس میں اپنے کو

شیخ کے ہاتھ احکام ظاہرہ و باطنہ کے التزام کے واسطے گویا بیع کر دیا جس کی حقیقت یہ ہے کہ طالب کو اپنے شیخ پر پورا اعتقاد اور کلی اعتماد ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے جو مشورہ دے گا وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا اس پر پورا اطمینان ہو۔ اس کی تجویز و تشخیص میں دخل نہ دیوے۔ یوں یقین رکھے کہ دنیا بھر میں میری جستجو اور میری تلاش میں میرے نفع کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی نہیں اس کو اصطلاح تصوف میں وحدتِ مطلب کہا جاتا ہے۔ بدون اس

کے بیعت ہونا نافع نہیں کیوں کہ اصلاحِ نفس کیلئے شیخ سے مناسبت شرط ہے اور مناسبت کی پہچان یہی ہے کہ اس کی تعظیم اور قول و فعل اور حال پر قلب میں اعتراض نہ ہو بالفرض اگر قلب میں اعتراض آوے تو رنجیدہ ہو، گھٹن ہو۔ عوام کیلئے بیعت کی صورت البتہ نافع ہوتی ہے۔ بیعت سے ان کے قلب پر ایک عظمت اور شانِ شیخ کی طاری ہو جاتی ہے، جس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اس کے قول کو با وقعت سمجھ کر اس پر عمل کرنے کیلئے مجبور ہو جاتا ہے، خواص کیلئے کچھ مدت کے بعد بیعت نافع ہوتی ہے بیعت سے جانبین میں ایک تعلق و خلوص پیدا ہو جاتا ہے۔ شیخ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارے اور مرید سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں۔ ڈالواں ڈول حالت نہیں رہتی۔

ضرورتِ شیخ عادتِ اشدیوں ہی جاری ہے کہ کوئی کمال بدوں استاد کے حاصل نہیں ہوتا تو جب اس راہِ طریقت میں آنے کی توفیق ہو۔ استادِ طریق کو ضرورتاً تلاش کرنا چاہیے جس کے فیضِ تعلیم و برکتِ صحبت سے مقصودِ حقیقی تک پہنچے۔

گر ہوائے این سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس بیا
بے ریفقے ہر کہ شد در راہِ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

یعنی اسے دل اگر اس سفر کی خواہش ہو تو رہبر کا دامن پکڑ کر چلو، اس لئے جو بھی عشق کی راہ میں بغیر رفیق کے چلا اس کی عمر گذرگی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں :

بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ موٹی بات ہے کہ

بڑھی کے پاس بیٹھے بغیر کوئی بڑھی نہیں بن سکتا۔ حتیٰ کہ بسولہ بھی بطور خود

ہاتھ میں لے کر اٹھائے گا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اٹھایا جاسکے گا۔ بلا درزی کے

پاس بیٹھے سوئی پکڑنے کا اندازہ بھی نہیں آتا بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے اور بلا قلم کی گرفت اور کش

دیکھے ہرگز کوئی خوشنویس نہیں ہو سکتا، عرض بدوں کسی کامل کی صحبت کے کوئی کامل نہیں بن سکتا اسی کو کہا ہے

صحبتِ صالح تر اصلاح کند ••• صحبتِ طالح تر اطالح کند

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا ••• گوشیند در حضور اولیاء

یک زمانہ صحبت با اولیاء ••• بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صحبت نیکان اگر یک عت است ••• بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی، اسی طرح

بد بخت کی صحبت تم کو بد بخت بنا دے گی۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی ہم نشینی کا

طالب ہو تو اس کو اولیاء کرام کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔ اللہ والوں کی تھوڑی

دیر کی صحبت سو سالہ بے ریا طاعت سے بہتر ہے نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی

بھی نصیب ہو جائے تو وہ سو سالہ زہد و طاعت سے بہتر ہے۔ نیز صحبت

نیکان کے متعلق یہ قبطہ بہت عجیب اور مناسب ہے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے ••• رسید از دستے محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ••• کہ از بوئے دل آویز تو مستم

بگفتا من گل ناچینر بودم ••• ولیکن مدتے یا گل نشستم

جمال ہم نشیں درمن اثر کرد . . . وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم
یعنی حمام میں ایک دن محبوب کے ہاتھ سے ایک خوشبودار مٹی مجھ کو ملی، میں
نے اس سے کہا تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری دلاویز خوشبو سے میں مست
ہو گیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز اور معمولی مٹی ہی تھی مگر ایک مدت
تک پھول کے ساتھ میری صحبت رہی، میرے ہم صحبت کی خوبی نے مجھ میں اثر کیا
ورنہ میں تو وہی خاک ہوں۔ جیسی کہ پہلے تھی۔

ایک خط اور اس کا جواب

خط | اتقراس سال دورہ حدیث
میں شریک ہے، ایک عرصہ سے خط
لکھنے کا خیال کر رہا تھا، لیکن ایک عارض مانع بنا رہا وہ یہ کہ احقر کو آپ کے
مصنفات و ملفوظات دیکھنے کا بے حد شوق ہے، چنانچہ بچپن سے اب تک
برابر دیکھتا رہا، بحمد اللہ بہت مستفید ہوا، ان سے ایک خاص بات معلوم
ہوئی وہ یہ کہ مامورات شرعیہ سب کے سب اختیار یہ ہیں۔ چونکہ مامورات
اختیار یہ ہیں۔ اس لیے جہاں رکنے کا امر ہے وہ بھی اختیار ہوئے۔ اس
لئے سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رُکے، اب اپنے
متعلق بھی ہمیشہ یہی تقریر جاری کرتا رہا، اب سوال یہ ہے کہ مشائخ
طریقت سے اس قاعدہ کے معلوم ہونے کے بعد کیا سوال اور علاج کرنا چاہیے
میری سمجھ میں نہیں آتا۔

بہت عرصہ سے اس امر پر غور کر رہا ہوں، امید کہ جناب والا مطلع
فرمادیں گے۔ تاکہ احقر اسی پر عمل کرے۔ آخر اس قاعدہ کلمہ کے علم کے

بعد معالج و مشائخ کی ازالہ مرض میں کیا حاجت باقی رہتی ہے۔ امید کہ اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مطلع فرما دیں گے۔

جواب از حکیم الامت نور اللہ مرقدہ

مامورات و منہیات سب اختیاری ہیں، لیکن اس میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ کبھی تو یہ کہ حاصل کو غیر حاصل سمجھ لیا جاتا ہے کبھی اس کا عکس مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل ہو گیا مگر ساتھ ہی ساتھ وساوس و خطرات کا ہجوم بھی ہوتا رہا یہ شخص اس کو خشوع کا مضاد و خلاف سمجھ کر خشوع کو غیر حاصل سمجھایا، ابتداءً عبادت میں وساوس غیر اختیاری تھے، مگر اسی سلسلہ میں وہ وساوس اختیاریہ کی طرف منجبر ہو گئے اور یہ ابتداء کے دھوکے میں رہ کر خشوع کو باقی سمجھا حالانکہ وہ زائل ہو چکا اور کبھی غیر راسخ کو راسخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً دو چار خفیف حادثوں میں رضا بالقضا کا احساس ہوا یہ سمجھ گیا کہ ملکہ راسخ ہو گیا پھر کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا اور اس میں رضا نہیں ہوئی، یا درجہ مقصود تک نہیں ہوئی، مگر یہ اسی دھوکے میں رہا کہ اس میں رسوخ ہو چکا ہے۔ اب بھی رضا معدوم یا ضعیف نہیں ہے اور حاصل کو غیر حاصل سمجھنے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے پھر وہ پچھ پچ زائل ہو جاتا ہے اور اس کے عکس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محروم رہتا ہے اور غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں وہی خرابی عدم اہتمام تکمیل کی ہوتی ہے کبھی یہ غلطی ہوتی ہے کہ حاصل راسخ کو زائل سمجھ لیتا ہے۔ مثلاً شہوت حرام کے

مقاومت کی اور وہ زمانہ غلبہ آثار ذکر کا تھا اس لئے داعیہ شہوتِ حرام کا ایسا
مضمحل ہو گیا کہ اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔ پھر ان آثار کا جوش و خروش
کم ہونے سے طبعی التفات گو درجہ ضعیفہ میں سہی ہونے لگا، یہ شخص سمجھ گیا کہ
مجاہدہ بے کار گیا اور شہوتِ حرام کا ردِ ذیل پھر عود کر آیا پھر اصلاح سے مایوس ہو کر
پرخ بطلت و خلاعت میں مبتلا ہو گیا یہ چند مثالیں ہیں غلطیوں کی اور ان کے مفسد
کی اگر کسی شیخ سے تعلق ہو اور اس پر اعتماد ہو تو اس کو اطلاع کرنے سے وہ
اپنی بصیرت و تجارب کے سبب حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا
ہے اور یہ ان مضر توں سے محفوظ رہتا ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت و سلامت
فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے، مگر نا تجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا
اور مشوش ہونا مقصود میں مغل ہوتا ہے۔ یہ تو شیخ کا اصل منصبی فرض ہے اور
اس سے زیادہ اس کے ذمہ نہیں، لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے
وہ یہ کہ مقصود یا مقدمہ مقصود کے تحصیل میں اور اسی طرح کسی ذمیمہ یا مقدمہ ذمیمہ
کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدید پیش آتی ہے گو تکرارِ مباشرت، اور
تکرارِ مجانبیت سے وہ مشقت اخیر میں مبدل بہ یسر ہو جاتی ہے لیکن شیخ
تبرعاً کبھی ایسی تدابیر بتلا دیتا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی۔
یہ ایک اجمالی تحقیق تقریب فہم کیلئے ہے باقی ضرورتاً شیخ کا مشاہدہ
اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کر کے اپنے احوال جزئیہ کی اس کو بالالتزام
اطلاع کرتا ہے اور اس کے مشورہ کا اتباع کرتا ہے اور یہ اتباع کامل اس وقت
ہو سکتا ہے، جب اس پر اعتماد ہو اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو اس وقت

حساً معلوم ہو گا کہ بدون شیخ کے مقصود کا حاصل ہونا عادتاً مستعدزنی ہے، الا نادراً والتساور کا لمعدوم پھر اس ضرورت میں تفاوتِ فہم و استعداد کے اعتبار سے تفاوتِ فہم بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین کو کم ضرورت تھی۔

شیخ کامل کی پہچان | شیخ وہ ہے جو امراض باطنہ اخلاقِ رذیلہ و حمیدہ سے پوری واقفیت رکھے اور ان میں آپس کے

التباس اور ان کے خواص و تاثرات کو پہچاننے اور ان کے حصول و ازالہ کی تدبیر پر مہارت تامہ رکھتا ہو۔ ان اخلاق کے عروج و نزول سے واقف ہو، نیز خواطرِ نفسانی و شیطانی و ملکوتی و ربانی سے پوری واقفیت رکھتا ہو کہ ان خطرات کے درمیان تمیز کر سکے۔ اس لئے شیخ کا صاحبِ فن اور صاحبِ ذوق اور مجتہد ہونا ضروری ہے۔ اگر طریق کو محض کتب تصوف دیکھ کر یا لوگوں سے سُن کر حاصل کیا ہو اور تربیت کرنے کیلئے بیٹھ گیا تو وہ مرید کیلئے مہلک ہے اس لئے کہ وہ طالبِ سالک کے حالات و اردات و تغیرِ حالات کو نہیں سمجھتا جس کو ابنِ عربیؒ نے شیخ کی علامات میں اجمالاً و اختصاراً بیان فرمایا ہے کہ شیخ کامل کی پہچان اجمالاً یمن چیزیں ہیں۔

(۱) دین انبیاء کا سا (۲) تدبیر اطباء کی سی (۳) سیاست بادشاہوں کی سی۔

جس کی تفصیل یہ ہے (۱) بقدرِ ضرورت دین کا علم ہو خواہ تحصیلِ علم سے

یا صحبتِ علمائے محققین سے (۲) کسی شیخِ کامل صحیح السلسلہ سے مجاز ہو (۳) خود

متقی پرہیزگار ہو یعنی ارتکابِ کبائر سے اور صغائر پر اصرار سے بچتا ہو (۴) کافی

بدلت تک شیخ کی خدمت میں مستفیض ہوا ہو خواہ بمکاتبت خواہ بمجالست

(۵) اہل علم و فہم اس کو اچھا سمجھتے ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہوں (۷)
 اس کی صحبت سے آخرت کی رغبت محبت الہی کی زیادت اور محبت دنیا سے
 نفرت محسوس ہوتی ہو۔ (۷) اس کے مریدین میں سے اکثر کی حالت شریعت
 کے مطابق ہو (۸) اس میں حرص و طمع نہ ہو (۹) خود بھی ڈاکر و شاغل ہو (۱۰)
 مریدین کو آزاد نہ چھوڑے۔ بلکہ جب کوئی ان کی نامناسب بات دیکھے یا معتبر
 ذریعے سے معلوم ہو تو روک ٹوک کرے اور ہر ایک کو اس کی استعداد اور حال
 کے مطابق سیاست کرے، ہر ایک کو ایک لکڑی نہ مانگے جس میں یہ علامات پائی
 جائیں وہ شخص اس قابل ہے کہ اس کو شیخ بنائے اور اس کو اکسیر اعظم سمجھے اور
 اس کی زیارت و خدمت کو کبریتِ احمد جانے ان کمالات و علامات کے بعد
 پھر شیخ کامل میں کشف و کرامات تصرف و خوارق تارک کتب ہونے کو ہرگز
 نہ دیکھے کہ ان کا ہونا شیخ کامل کیلئے ضروری نہیں۔

مناسبتِ شیخ | یہ امر تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ فیوض باطنی
 کے لئے پیر و مرید کی باہمی مناسبت فطری شرط ہے
 کیوں کہ نفع عادتاً الفت پر موقوف ہے جو مناسبتِ فطری کی حقیقت ہے
 اور یہی مناسبت ہے جس کے نہ ہونے پر مشائخ طالب کو اپنے پاس سے بعض
 دفعہ دوسرے شیخ کے پاس جس کے ساتھ مناسبت ظن یا کشف سے معلوم ہو
 بھیج دیتے ہیں کیوں کہ اس طریق میں مصلح کے ساتھ مناسبت ہونا بڑی ضروری
 چیز ہے بدون مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہو سکتا اور مناسبتِ شیخ جو
 افاضہ و استفادہ کا مدار ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر

النسیت ہو جائے کہ شیخ کے کسی قول و فعل سے مرید کے دل میں طبعی نگیں نہ پیدا ہو گو عقلی پیدا ہو یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں اور مرید کی سب باتیں شیخ کو پسند ہوں اور یہی مناسبت بیعت کی شرط ہے۔ لہذا پہلے مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے اس کی سخت ضرورت ہے جب تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضت، مراقبات و مکاشفات سب بے کار ہیں، کوئی نفع نہ ہوگا اگر طبعی مناسبت نہ ہو تو عقلی پیدا کر لی جائے، اس پر نفع موقوف ہے، اس لئے جب تک پوری مناسبت نہ ہو بیعت نہ کرنی چاہیے۔

شیخ کامل کی صحبت کے فوائد

(۱) شیخ کے اندر جو چیز ہے وہ شدہ شدہ آپ کے اندر بھی ہے

گی (۲) اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی کافی اور مفاد پر لائق ہے (۳) اخلاق و عادات میں اس کا اتباع کرے گا۔ اذکار و عبادات میں نشاط اور ہمت کو قوت ہوگی (۴) جو حال عجیب پیش آوے گا، اس کے بارے میں اس سے تشفی ہو جائے گی (۵) جو افادات زبانی سننے میں آتے ہیں وہ تحقیقات و مسائل کا خلاصہ ہوتے ہیں، جس سے اپنی حالت بھی وضاحت کے ساتھ منکشف ہوتی ہے (۶) ان اہل صحبت میں جو بابرکت ہوتے ہیں وہاں ایک نفع صحبت کی برکت اور ان کے طرز عمل سے سبق لینا ہوتا ہے۔ (۷) عمل کا شوق بڑھتا ہے (۸) اپنی استعداد معلوم ہو جاتی ہے (۹) اہل محبت کی صحبت سے محبت پیدا ہوتی ہے (۱۰) مشائخ اعمال صالحہ کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد شفا

ہو جاتی ہے، خود کتابیں دیکھ کر علاج کرنا کافی نہیں (۱۱) اہل اللہ کی صحبت کے موثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب کان میں پڑیں گی تو کہاں تک اثر نہ ہوگا ایک وقت چوکو گے، دو وقت چوکو گے، تیسری دفعہ تو اصلاح ہو ہی جائے گی اور ایک سبب باطنی بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح اصلاح ہوگی۔ ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذن حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آگیا۔ دوسری وجہ بڑی خفی ہے اور یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔

(۱۲) ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہیں۔ ان کے پاس رہنے سے نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت جاتی ہے پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بدون پاس رہے ان حضرات کا دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ پھر چند دن کی صحبت کی بھی ضرورت ہے۔

مُرشد کے حقوق

(۱) یہ اعتقاد رکھے کہ میرا مطلب اسی شیخ سے حاصل ہوگا اور

دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیض و برکات سے محروم رہے گا
 (۲) ہر طرح سے مرشد کا مطیع ہو جائے اور جان و مال سے اس کی خدمت
 کرے، کیوں کہ بغیر پیر کی محبت کے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان
 یہی ہے کہ مرشد جو کہے فوراً بجلائے اور بغیر اس کی اجازت کے اس کے کسی
 بھی فعل کی اقتداء نہ کرے، کیوں کہ بعض اوقات وہ اپنے حال اور مقام کے
 مناسب کسی کام کو کرتا ہے کہ مرید اس کو کرے تو اس کے حق میں زہر قاتل ہے
 (۳) جو ورد اور وظیفہ مرشد تعلیم کرے اس کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے،
 خواہ اس نے وہ اپنی طبیعت سے پڑھنے شروع کئے ہوں یا کسی نے بتائے ہوں
 (۴) مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیے، یہاں تک کہ
 سوائے فرض و سنت کے کوئی نفل وغیرہ بھی بغیر اس کی اجازت کے نہ پڑھے
 (۵) اس کے روبرو کسی سے بات نہ کرے بلکہ کسی کی طرف متوجہ بھی نہ ہو (۶) جس
 جگہ مرشد بیٹھا ہو، اس طرف پیر نہ پھیلائے اگرچہ سامنے نہ ہو (۷) اس کی
 طرف تھوکے نہیں (۸) جو کچھ مرشد کہے یا کرے اس پر اعتراض نہ کرے، اگر
 کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو حضرت موسیٰ اور خضر علیہ السلام کا واقعہ یاد کرے کہ
 نہ معلوم کیا مصلحت ہوگی۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید (۹) اپنے مرشد سے
 کرامات کی خواہش نہ کرے (۱۰) اگر کوئی شبہ ہو تو فوراً عرض کر دے اور اگر
 وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنی فہم کا نقص سمجھے، اور اگر مرشد اس کا کچھ جواب نہ دے
 تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا اور کسی دوسرے موقع کا منتظر
 رہے (۱۱) خواب میں جو کچھ دیکھے، وہ مرشد سے عرض کر دے اور اگر اس کی

تعبیر ذہن میں آوے تو اس کو بھی عرض کر دے (۱۲) بلا ضرورت اور بلا اجازت
 مرشد سے علیحدہ نہ ہو (۱۳) مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور با آواز بلند
 اس سے بات بھی نہ کرے اور اتنی آہستہ بھی نہ ہو کہ سنتے میں تکلیف ہو، اور
 بقدر ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے (۱۴)
 مرشد کا کلام دوسروں سے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں اور جس بات
 کے متعلق جانے کہ لوگ نہیں سمجھیں گے اسے نہ بیان کرے (۱۵) مرشد کے
 کلام کو رد نہ کرے اگرچہ حق بظاہر مرید ہی کی طرف معلوم ہو بلکہ یہ اعتقاد کرے
 کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے (۱۶) جو کچھ طالب کا حال ہو، بھلا یا
 بُرا وہ مرشد سے عرض کر دے، اس لئے کہ مرشد طبیبِ روحانی ہے اطلاع کے
 بعد اس کی اصلاح کرے گا۔ مرشد کے کشف پر اعتماد کر کے سکوت نہ کرے بلکہ
 اپنے حالات کی اطلاع کا التزام رکھے (۱۷) اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول
 نہ ہو اگر کچھ پڑھنا ضروری ہو تو علیحدہ بیٹھ کر پڑھے (۱۸) جو کچھ فیض باطنی پہنچے
 اس کو مرشد کا طفیل سمجھے اگرچہ خواب یا مراقبہ میں دیکھے کہ کسی دوسرے سے
 فیض پہنچا ہے۔ تب بھی یہ سمجھے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت میں
 ظاہر ہوا ہے۔

جَاهِدٌ

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ إِنَّهُمْ يَبُغُونَ بِهِيَ رَاهِ
 میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے
 ضرور دکھائیں گے۔

حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَنْ فَضَالَةَ الْكَامِلِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَاهِدُ
 مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ - (رواه البيهقي) یعنی فضالہ کامل سے
 روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجاہد وہ ہے جو
 اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ روایت کیا اس کو بیہقی
 نے۔ (مشکوٰۃ شریف)

مجاہدہ کی حقیقت نفس کی مخالفت کی مشق و عادت
 ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا و طاعت کے مقابلے میں

مجاہدہ کی حقیقت

نفس کی جانی و مالی و جاہی خواہشات و مرغوبات کو مغلوب رکھا جائے۔

تشریح | منافع نفس دو قسم کے ہیں، ایک حقوق جس سے توام بدن

اور بقائے حیات ہے۔ دوسرے خطوط جو اس سے زائد ہیں سو مجاہدہ و ریاضت میں خطوط کی تقلیل یا ترک کرایا جاتا ہے حقوق کو ضائع نہیں کیا جاتا کہ یہ خلاف سنت ہے، حدیث شریف میں ہے۔ **إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا** یعنی بے شک تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔ کیوں کہ اس سے ضعف بڑھ جاتا ہے اور صحت میں خلل پڑتا ہے۔ پھر ضروری اشتغال و عبادات سے بھی عاجز ہو جاتا ہے۔

مجاہدہ کی ضرورت اعمالِ صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے، کیوں کہ اعمالِ نفس کی خواہش کے خلاف ہیں۔ نفس ان

کے بارے میں قلیل یا کثیر منازعت ضرور کرتا ہے اسی لئے مخالفتِ نفس کی عمر بھر ضرورت ہے۔

مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی دونوں ہی کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے۔ مبتدی کو زیادہ اور منتہی کو کم اس کسل ہی کو دفع کرنے کیلئے مجاہدہ کی ضرورت ہے نیز کسی وقت دونوں کا نفس اپنے اپنے مرتبہ کے اعتبار سے معاصی کا بھی تقاضا کرتا ہے، اس کے مقابلے کیلئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔

لہذا مبتدی کیلئے تو یہ غلط ہے کہ وہ اپنے نفس کو مشقت سے بچانا چاہے اور مجاہدہ ہی نہ کرے اور اس انتظار میں رہے کہ سارا کام بدون مشقت کے ہو جائے اور منتہی کی غلطی یہ ہے کہ وہ ابتدا میں مجاہدہ کر کے آئندہ کیلئے اپنے آپ کو مجاہدہ سے مستغنی سمجھ لے چونکہ بسا اوقات طبائع بشریہ پھر عود

کرتے ہیں اور اس وقت منتہی کو معاصی کا تقاضا ہوتا ہے اس طرح اس کا نفس بھی بعض دفعہ طاعات میں کسل کرنے لگتا ہے اس وقت اس کو بھی مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر بتدی اور منتہی کے مجاہدہ میں بڑا فرق ہے، جیسے ایک تو وہ سوار ہے جس کے پیچھے ایسا گھوڑا ہے جس پر ابھی ابھی سواری شروع کی گئی ہے ایسے سوار کو تو زیادہ ہوشیاری کی بھی ضرورت ہے اور زیادہ مشقت کا بھی سامنا ہے۔ کیوں کہ نیا گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے اور قابو سے باہر ہو جاتا ہے، دوسرا وہ شخص ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہے جو سواری میں شائستہ ہو چکا ہے۔ اس کو زیادہ مشقت کا تو سامنا نہیں مگر ہوشیار بیٹھنے کی اس کو بھی ضرورت ہے کیوں کہ سدھا ہوا گھوڑا بھی بمقتضائے حیوانیت شوخی کرنے لگتا ہے، مگر سوار کی ذرا سی دھمکی اس کے دفع کرنے کو کافی ہے لیکن اگر سوار بالکل غافل رہا تو کسی وقت یہ سدھے ہوئے گھوڑے کے اوپر سے بھی ضرور گرے گا۔ بس نفس کی نگہداشت کا مجاہدہ منتہی کو بھی لازم ہے۔

مجاہدہ میں اعتدال | مجاہدہ سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس کو مشقت کا عادی بنانا اور

راحت و تنعم کی عادت نکالنا ہے اور اس کیلئے اتنا مجاہدہ کافی ہے جس سے نفس پر کسی قدر مشقت پڑے بہت زیادہ نفس کو پریشان کرنا اچھا نہیں ورنہ وہ بالکل معطل و بے کار ہو جائے گا خوب سمجھ لو، محنت و مشقت ہمیشہ اور ہر حال میں مستحسن نہیں بلکہ جب اعتدال سے ہو اور اس پر نتیجہ اچھا مرتب ہو، اسی وقت مستحسن ہے پس مجاہدہ میں افراط بھی مذموم ہے لہذا اعتدال کی

رعایت لازم ہے، اسی کو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید

نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

یعنی نہ اتنا کھاؤ کہ منہ سے باہر آنے لگے اور نہ اتنا کم کھاؤ کہ جسم میں

کمزوری آجائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ

ذَلِكَ قَوَامًا۔ یعنی خدا کے بندے وہ ہیں، جب وہ خرچ کرتے

ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ خرچ اس کے درمیان

میں معتدل ہوتا ہے۔

پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہیے، مگر اس اعتدال کو

بھی اپنی رائے سے تجویز نہ کریں بلکہ کسی محقق سے درجہ اعتدال اور طریق مجاہدہ

معلوم کریں۔

مجاہدے کے اقسام | مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں، ایک مجاہدہ جسمانی
کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے۔ مثلاً نوافل

کی کثرت سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے طعام کی حرص وغیرہ کو

کم کرنا اور ایک مجاہدہ بمعنی مخالفتِ نفس ہے کہ جس وقت نفس معصیت کا

تقاضا کرے اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا اصل مقصود یہ دوسرا

مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ اسی کی تحصیل کیلئے کیا جاتا ہے

کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا تو اس کو اپنے جذبات

کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی ، لیکن اگر بدون مجاہدہ جسمانیہ کے کسی کو نفس پر قدرت ہو جائے تو اس کو مجاہدہ نفسانیہ کی ضرورت نہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں اسی واسطے صوفیاء نے مجاہدہ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک اس کے چار ارکان ہیں۔

(۱) قلتِ طعام (۲) قلتِ کلام (۳) قلتِ منام (۴) قلتِ اختلاط
مع الانام — جو شخص ان ارکان کا عادی ہو جائے گا۔ واقعی وہ اپنے
نفس پر قابو یافتہ ہو جائے گا کہ معصیت کے تقاضے کو ضبط کر سکے گا اور
مجاہدہ نفسانیہ یہ ہے کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اس کی مخالفت کی جائے
اور یہ بات اس وقت حاصل ہوگی ، جب نفس کی جائز خواہشوں کی بھی کسی حد
تک مخالفت کیا کریں۔ مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہا تو فوراً اس کی خواہش
کو پورا نہ کیا جائے بلکہ اس کی درخواست کو رد کر دیا جائے اور کبھی کبھی
سخت تقاضے کے بعد اس کی جائز خواہش پوری کر دی جائے ، تاکہ نفس پریشان
نہ ہو جائے بلکہ اس کو خوش رکھا جائے اور اس سے کام بھی لیا جائے
اس لئے کہ ع

مزدورِ خوش دل کند کارِ بیش

پھر جب مباحات ہیں نفس کی مخالفت کے عادی ہو جاؤ گے ، اس وقت
معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہو گے اور جو شخص مباحات
میں نفس کو بالکل آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے
وقت اس کو دبا نہیں سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ریاضت و مجاہدہ کے دو رکن ہیں، اول مجاہدہ اجمالی یا جسمانی دوسرا مجاہدہ تفصیلی یا نفسانی مجاہدہ اجمالی کے چار اصول ہیں۔ قلت کلام قلت طعام، قلت منام اور قلت اختلاط مع الانام۔ ان سب امور میں مرتبہ اوسط حسب تعلیم شیخ کامل ملحوظ رکھے، نہ اس قدر کثرت کرے جس سے غفلت و قسوت و کاہلی پیدا نہ ہو اس قدر قلت کرے کہ جس سے صحت و قوت زائل ہو جائے۔ دوسرے رکن مجاہدہ تفصیلی کی دو قسم ہیں۔ اول اخلاق حمیدہ ہیں دوسری اخلاق ردیہ ہیں۔ ان دونوں قسموں کی تفصیل آئندہ اخلاق کے باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

مجاہدہ اجمالی کے اقسام اربعہ کی تشریح

عَلَيْكُمْ قَلَّتْ كَلَامٌ | اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ

یعنی وہ کچھ بات نہیں بولتا ہے مگر اس کے نزدیک نگہبان تیار ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَمَتَ نَجَى (رواہ احمد و الترمذی)

یعنی جو چپ رہا، اس نے نجات پائی۔

عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَّغَهُ أَنَّ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ قَالَ لَا تَكْثُرُوا الْكَلَامَ

يَغِيْرُ ذِكْرَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَتَقْسُوْا قُلُوْبَكُمْ وَاِنَّ الْقَلْبَ الْقَاسِيَ بَعِيْدٌ مِّنْ اللّٰهِ
وَالَّذِيْنَ لَا تَعْلَمُوْنَ وَلَا تَنْظُرُوْا فِيْ ذُنُوْبِ النَّاسِ كَاَنْكُمْ اَرْبَابٌ وَّالْظُّرُوْا فِيْ
ذُنُوْبِكُمْ كَاَنْكُمْ عَبِيْدٌ فَاِنْ مَّا النَّاسُ مُبْتَلٰى وَّمَعَانِيْ فَاَرْحَمُوْا اَهْلَ الْبَلَدِ
وَ اَحْمَدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى الْعَافِيَةِ - (تيسير ص ۲۲۲)

مطلب یہ ہے کہ امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
نے فرمایا کہ ذکر اللہ کے سوا تم بہت کلام نہ کیا کرو کہ اس سے تمہارے دل سخت
ہو جائیں گے یعنی ان میں خشوع نہ رہے گا اور یہ بالکل تجربہ کی ہوئی بات ہے،
اور جس دل میں قساوت ہو وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے، لیکن تم کو اس کی خبر
نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ سے بعد ہو گیا کیوں کہ حقیقت تو اس کی آخرت میں مشاہد
ہوگی اور آثار گویاں بھی مشاہد ہیں مگر ان کا ادراک بوجہ بے التفاتی کے نہیں
ہوتا اور تم لوگوں کے گناہوں پر اس طرح نظر مت کرو کہ گویا تم مالک ہو اور اپنے
گناہوں پر نظر کیا کرو کہ گویا تم مملوک اور غلام ہو یعنی غلاموں کی خطاؤں کو دیکھنا بھان
سزا دینے کیلئے یہ مالکوں کا کام ہے اور تم مالک نہیں بلکہ غلام ہو اور غلاموں کا
کام اپنی خطاؤں کو دیکھنا ہے تاکہ اس کی تلافی و اصلاح کریں۔ غرض آدمی دو
طرح کے ہیں۔ ایک مبتلا دوسرا صاحب عافیت تو تم اہل بلا پر رحم کرو اور
عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاؤ۔ پس گناہ ایک بلا ہے۔ اس پر تحقیق یا طعن
مت کرو۔ ترحم کے ساتھ نصیحت یا دعا کرو اور گناہ سے محفوظ رہنا ایک عافیت
ہے اس پر عجب اور ناز مت کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت بلا استحقاق سمجھ کر
شکر کرو اور اس کے عموم میں اور بلیات سے عافیت بھی آگئی۔

تشریح | تقلیل کلام کی تشریح یہ ہے کہ انسان جتنے کلام کرتا ہے بظاہر اس کی تین قسمیں ہیں :

اول مفید جس میں کوئی دین یا دنیا کا فائدہ ہو۔

دوم مضر، جس میں دین یا دنیا کا کوئی نقصان ہو۔

سوم نہ مفید نہ مضر، جس میں نہ کوئی فائدہ ہو نہ نقصان۔

اس تیسری قسم کو ہی حدیث میں لا یعنی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے لیکن

جب ذرا غور سے کام لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تیسری قسم بھی درحقیقت

دوسری قسم یعنی مضر میں داخل ہے، کیوں کہ وہ وقت جو ایسے کام یا کلام میں

صرف کیا گیا اگر اس میں ایک دفعہ سبحان اللہ کہہ لیتا تو میزانِ عمل کا ادھاپلہ

بھر جاتا، کوئی اور مفید کام کرتا تو گناہوں کا کفارہ اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ یا کم

از کم دنیا کی ضرورتوں سے بے فکری کا سبب بنتا، حدیث شریف میں ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کا اسلام درست و صحیح ہونے کی ایک

علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں اور باتوں کو چھوڑ دے۔ احوال العلوم میں ہے

کہ لا یعنی کلام کا حساب ہوگا اور جس چیز کا حساب و مواخذہ ہو اس سے خلاصی

یقینی نہیں۔

یہ تقلیل کلام کا مجاہدہ تقلیل طعام و تقلیل منام دونوں مجاہدوں سے زیادہ

مشکل ہے، کیوں کہ کھانے میں کچھ تو اہتمام کرنا پڑتا ہے نیز اگر زیادہ بھی کھائے

گا، ایک دو دفعہ کھائے گا پھر کہاں تک کھائے گا، جب ہضم نہ ہوگا خود ہی

تقلیل ہو جائے گی اسی طرح کہاں تک سوئے گا، کبھی تو جاگے گا، بخلاف بولنے

کے کہ اس میں کچھ اہتمام ہی نہیں کرتا پڑتا نہ زیادہ بولنے سے بد مفہمی ہوتی ہے نہ زبان چلانے سے کچھ تعب ہوتا ہے دوسرا راز یہ ہے کہ انسان جس قدر خطوط اختیار کرتا ہے، لذت کیلئے کرتا ہے سو کلام کے سوا دوسرے جس قدر خطوط میں اس میں کثرت کرنے سے لذت کم ہو جاتی ہے پیت بھرنے کے بعد پھر کھانے میں مزا نہیں آتا نیند بھر جانے کے بعد سونے سے جی گہرا تا ہے بلکہ بولنے کی لذت ختم ہی نہیں ہوتی بلکہ جتنا بولتے جاؤ اتنی ہی لذت بڑھتی جاتی ہے، اس لئے تغلیل کلام سب سے زیادہ دشوار ہے مگر باوجود دشواری کے اس میں آزادی اس لئے نہیں دی گئی کہ زیادہ بولنے میں آفات بہت ہیں، اور ان سے گناہوں میں ابتلاء بکثرت ہو جاتا ہے اس لئے اس کی تغلیل کو مجاہدہ کا ایک رکن قرار دیا گیا ہے، لیکن تغلیل کلام کا یہ مطلب نہیں کہ ضروری باتوں کو بھی کم کر دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فضول کلام چھوڑ دے گو مباح ہی ہو باقی جو باتیں حرام ہیں جیسے چھوٹ، غیبت بہتان وغیرہ وہ تو اس سے خود ہی چھوٹ جائیں گے، کیوں کہ وہ تو مجاہدہ حقیقیہ ہے، جو شخص مجاہدہ حکیمہ کرے گا وہ مجاہدہ حقیقیہ کیسے ترک کر سکتا ہے۔ ہا ضروری کلام سوا اس کا ترک کرنا جائز نہیں، چونکہ اس سے ضرورت میں حرج ہو گا یا مخاطب کو تکلیف ہوگی۔

ضرورت کی تفسیر یہ ہے۔

لَوْلَا لَتَضَرَّرَ یعنی بات کے نہ کرنے سے

ضرورت کی تفسیر

ضرر ہو۔

پس جس بات کے ترک کرنے سے دنیا یا دین کا ضرر ہو وہ بات ضروری

ہے، مثلاً تاجر کے پاس کوئی خریدار گھنٹہ بھر تک چیزوں کی قیمتیں دریافت کرتا رہے اور تاجر کو امید ہے کہ یہ ضرور کچھ خرید لے گا تو جب تک یہ امید ہو اس وقت تک خریدار سے باتیں کرنا ضرورت میں داخل ہے کیوں کہ اس صورت میں خریدار سے باتیں نہ کرنے میں دنیا کا نقصان ہے، اس لئے شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ تجارت کی باتیں کرے اور جو باتیں ضرورت میں داخل ہیں ان سے قلب میں ذرہ برابر ظلمت نہیں ہوتی، چنانچہ حضرات عارفین کا مشاہدہ ہے کہ ضروری گفتگو دن بھر بھی ہوتی رہے تو اس سے قلب پر اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک کنجڑا اگر دن بھر لے لو امرود پکارتا پھرے تو اس سے قلب پر ذرہ برابر بھی ظلمت نہ آوے گی، چوں کہ یہ کلام بضرورت ہے اور یہ ضرورت ایک جملہ بھی اگر زبان سے نکل جائے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ شریعت نے تقلیل کلام کی وہ صورت تجویز نہیں کی کہ زبان بند کر کے بیٹھ جاؤ بلکہ اس کی یہ صورت تجویز کی کہ تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہو یا ذکر کرتے رہو جس سے مجاہدہ تقلیل کلام کا فائدہ بھی حاصل ہو جائے کہ زبان گناہوں سے بچی رہے فضول باتیں کرنے کی عادت کم ہو جائے اور اسی کے ساتھ ثواب بھی بے شمار ملتا رہے جو خاموش رہنے میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

طریق علاج | بات کرنے سے قبل تھوڑی دیر تامل کریں، اور سوچیں کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ جو کہ سمیع و بصیر

ہیں ناخوش تو نہ ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ کوئی بات منہ سے گناہ کی نہ نکلے گی

اور اگر پھر بھی طبیعت میں ایسی بات کرنے کا تقاضا ہو تو اس وقت ہمت سے کام لے۔ اگر کوئی بات ایسی منہ سے نکل جائے تو اس کا تدارک اس طرح کرے کہ فوراً توبہ کرے اور اگر کسی کو گالی دی ہو یا کسی سے تمسخر کیا ہو یا چغل خوری یا غیبت کی ہو تو توبہ کے بعد اس صاحبِ حق سے بھی معافی مانگے اور اگر کسی وجہ سے معاف کرنا دشوار ہو تو اس شخص کیلئے اور اس کے ساتھ اپنے لئے استغفار کرتے رہیں، اس طرح **اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهُ** یعنی اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرما حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو شعروں میں خاموشی کے فوائد کے مضمون کو کس کمال جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، بطبعم، بیچ مضمون بہ زلب لستین نمی آید۔۔۔ خاموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید یعنی میرے ذہن میں خاموشی سے بہتر کوئی مضمون نہیں آتا اور خاموشی اتنے فوائد رکھتی ہے کہ ان کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

سینہ ہارا خاموشی گنجینہ گوہر کند
یاد دارم از صدف این نکتہ سرب ترا

یعنی خاموشی سینوں کو حکمت کے موتیوں کا خزانہ بنادیتی ہے اور اس پوشیدہ نکتے کو میں نے سیپی سے سمجھا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب طرح سیپی پانی کے قطرے کو اپنے اندر لے کر بند ہو جاتی ہے تو وہ پانی کا قطرہ موتی بن جاتا ہے، اسی طرح انسان کا سینہ بھی لب بند کرنے سے حکمت کے موتیوں کا خزانہ بن جاتا ہے۔

بِقَلْبِ طَعَامٍ | اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

یعنی خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد

سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

يُحْزِنُهُمْ مَا يُحْزِنُ أَهْلَ السَّمَاءِ مِنَ التَّسْبِيحِ وَالتَّقْدِيسِ۔

(مشکوٰۃ)

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو غذا کی جگہ وہ چیز کافی ہو جائے گی جو اہل آسمان کو کافی ہو جاتی ہے یعنی تسبیح و تقدیس بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے خلوت میں مدتوں کھانا نہیں کھایا۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بعض اوقات صرف ذکر و تسبیح بھی غذا کا کلم دے سکتے ہیں لیکن تغلیل غذا کے جو واقعات منقول ہیں آج کل ان پر عمل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ ان حضرات کو قوت زیادہ تھی کہ غذا کم کرنے سے بھی جمعیت قلب فوت نہیں ہوتی تھی اور ان کی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان سے بعض اشغال ایسے منقول ہیں جو آج کوئی کرے تو کمر ہی ٹوٹ جائے چنانچہ صلوٰۃ معکوس ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ الٹا لٹک کر شغل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے تغلیل طعام کو تجویز کیا ہی نہیں بلکہ کھانے کے اوقات معتادہ کو بدل کر ان میں فصل زیادہ تجویز کیا ہے اور اس تبدیل عادت و زیادت فصل سے جو نفس کو تکلیف ہوتی ہے اس کو شریعت نے تغلیل طعام کے قائم مقام سمجھائے اس میں جتنی صورتیں مجاہدے کی نکل سکتی ہیں۔

روزہ ان سب میں افضل ہے۔ لہذا التقلیل طعام کو شریعت نے روزہ کی صورت میں مقرر فرمایا ہے اس کے علاوہ صورتیں اہل مجاہدہ نے جو تقلیل طعام کی اختیار کی ہیں۔ شریعت میں اس کی مقصودیت کی اصل نہیں، یعنی کم کھانا اور بھوکا رہنا یہ شرعی مجاہدہ نہیں اور بھوک کی جو فضیلت وارد ہے اس سے اختیاری بھوک مراد نہیں بلکہ غیر اختیاری مراد ہے۔ یعنی یہ اس بھوک کے فضائل نہیں جو باوجود غلہ گھر ہونے کے اختیار کی جائے، بلکہ کسی شخص پر فاقہ آپڑے تنگ دستی ہو تو اس کی تسلی کیلئے فضائل بیان کر دیئے گئے ہیں کہ مسلمان کو فاقہ سے پریشان نہ ہونا چاہیے اس سے اس کو ثواب ملتا ہے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ یہ فضائل ایسے ہی ہیں جیسا کہ احادیث میں بیماری کے فضائل ہیں اور اس پر ثواب بیان کیا گیا ہے، یقیناً اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ خود بیمار پڑ جائے اسی وجہ سے چونکہ قلت طعام نہ خود بالذات مقصود ہے اور نہ اتنی قلت طعام کی، آج کے قوی کے اعتبار سے ہمارے جتنی کہ متقدمین کو تھی اسی لئے تبلیغ دین کے قلت طعام کے بیان پر عمل کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

الْعَرَضُ قِلَّتِ طَعَامٍ فِي نَفْسِهِ مَقْصُودٌ نَهَيْتُمْ بَلْكَ ذَرْعِيَّةٌ مَقْصُودٌ هُوَ اَوْر
 مَقْصُودٌ كَسْرُ قُوَّةٍ بِهَيْمِيَّةٍ هُوَ اَوْر اِس كَسْرٌ سَبِي مَقْصُودٌ نَفْسٌ كُو گناہوں سے
 روکنا ہے، پس اگر یہ گناہوں سے نفس کا رکتا بلاتقلیل طعام ہی میسر آجائے
 تو تقلیل طعام دکھانے کو کم کرنا، ضروری نہیں نیز عبادت میں سرور و نشاط
 صحت اور قوت ہی سے ہوتا ہے اور تجربہ ہے کہ آج کل تقلیل غذا سے
 اکثر صحت برباد ہو جاتی ہے لہذا سالک کو چاہیے کہ نہ اتنی تقلیل کرنے کہ

صحت برباد ہو جائے اور تہ اتنی کثرت ہو کہ حد سے زیادہ کھالے بلکہ اوسط درجے کا لحاظ رکھنا چاہیے اور ہر شخص کا اوسط اس کی خوراک کی مقدار کے اعتبار سے جُدا جُدا ہوتا ہے، اصل طریقہ یہ ہے کہ جس وقت بھوک لگے اس وقت کھانا کھائے اور اتنا کھا کر رک جائے کہ چند لقمے کھانے کو اور جی چاہ رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یٰۤاَقْلِبْ مَنْاٰمِ

قِمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗ اَوْ لِقْمٰنٌ مِّنْهُ قَلِيْلًا۔

یعنی رات کو کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کر دو۔

مذکورہ بالا آیت میں قیام لیل کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ ریاضت کے خوگر ہوں جس سے استعدادِ نفس اکمل و اقویٰ ہو چونکہ رات کا اٹھنا اور جاگنا نفس کے کچلنے میں خوب موثر ہے اور دعا ہو یا قرأت ہو، نماز ہو یا ذکر ہو، ظاہراً و باطناً ہر بات خوب ٹھیک سے ادا ہوتی ہے۔ ظاہراً تو اس طرح کفرت کا وقت ہوتا ہے۔ الفاظِ خوب اطمینان سے ادا ہوتے ہیں اور باطناً اس طرح کہ خوب جی لگتا ہے اور موافقتِ دل و زبان کا یہی مطلب ہے۔

اسی لیے رمضان المبارک میں نماز تراویح کا ادا کرنا شرعی حکم ہے جو کہ تغلیلِ منام کو مستلزم ہے۔ جس طرح صوم کو تغلیلِ طعام میں دخل ہے اسی طرح تراویح کو تغلیلِ منام میں دخل ہے اور جس طرح روزہ میں تبدیلِ عادت سے مجاہدہ کی شان آجاتی ہے اسی طرح یہاں بھی شریعت نے محض تبدیلِ عادت سے مجاہدہ کا کام لیا ہے۔ کیوں کہ عام عادت یہی ہے کہ اکثر لوگ عشاء کے بعد

فوراً سو جاتے ہیں تو نیند کے وقت میں تراویح کا امر کر کے عادت کو بدل دیا
 گئے جس سے نفس پر گرانی ہوتی ہے اور یہی مجاہدہ ہے۔ غرض شریعت نے
 تقلیل منام میں محض بیداری پر اکتفا نہیں کیا کہ خالی بیٹھے جاگتے رہوں بلکہ اعمال
 کی تلقین فرمائی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں
 وَبِالْأَسْعَارِ هُمْ يَسْتَفِرُّونَ۔ یعنی وہ پچھلے مہرہ رات میں
 استغفار کیا کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ
 خَوْفًا وَطَمَعًا (الایتہ)

مطلب یہ ہے کہ رات کو نماز پڑھتے ہیں، مگر طرزِ کلام سے عموماً ظاہر
 ہے لہذا مطلق دعا و ذکر بھی مراد ہو سکتا ہے پھر اس میں دینی فوائد کے علاوہ
 دنیوی فوائد بھی ہیں۔ چنانچہ نیند کم ہونے سے رطوبتِ فضلیہ کم ہوتی ہے، جو
 صحت کیلئے معین ہے۔ نیز اس سے چہرے پر نور پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ
 ایک محدث کا قول ہے۔

مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ فِي اللَّيْلِ حَسَنَ وَجْهَهُ فِي النَّهَارِ

یعنی جو رات کو نماز زیادہ پڑھے گا، دن میں اس کا چہرہ خوبصورت

ہو جائے گا۔

اور صدمے زیادہ سونے سے برودت بڑھ جاتی ہے جس سے قوت

فکر یہ کم ہو جاتی ہے اور قوتِ فکریہ کی کمی سے دنیا اور دین دونوں کے کام

خراب ہوتے ہیں۔ جس سے امور انتظامیہ میں خلل پڑتا ہے ایسے شخص کو پابندی اوقات کبھی نہیں نصیب ہوتی۔

اعتدال در قلت منام | اس مجاہدہ میں بھی اعتدال مطلوب ہے۔

چنانچہ آجکل چھ سات گھنٹہ ضرور سونا چاہیے

اور اگر نیند بہت غالب ہو تو اس کو دفع نہ کیا جائے و طیفہ کو چھوڑ کر سو رہنا چاہیے پھر دوسرے وقت پورا کر لیا جائے اور اگر زیادہ غلبہ نہ ہو تو ہمت کر کے جاگنا چاہیے، غلبہ کی صورت میں اگر نیند کو دفع کیا جائے تو اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دماغ میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ صفا میں اشتعال بڑھ جاتا ہے سو دماغ میں ترقی ہو جاتی ہے۔ خیالات فاسدہ آنے لگتے ہیں اور بعض اوقات وہ ان کو الہام سمجھ کر اپنے کو بزرگ جاننے لگتا ہے۔ آخر یہ ہوتا ہے کہ جنون ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
 إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَاسْتَعِجِمِ الْقُرْآنَ عَلَى
 لِسَانِهِ فَلَمْ يَدْرِ مَا يَقُولُ فَلْيُتَجَبَّحْ

یعنی جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے پھر غلبہ نوم سے قرآن اس کی زبان سے صاف نہ نکلے اور کچھ خبر نہ ہو کہ کیا زبان سے نکل رہا ہے تو اس کو لیٹ جانا چاہیے جو بعض لوگ تقیل منام وغیرہ اسباب مجاہدہ میں بہت غلو کرتے ہیں کہ نقصان کے لاحق ہونے کی طرف بھی التفات نہیں کرتے اس حدیث میں اس کی اصلاح ہے اور راز اس میں دو ہیں۔ ایک یہ کہ غلو

سے بعض اوقات ضرر جسمانی لاحق ہو جاتا ہے جیسا کہ اوپر گذرا اور پھر ضروری عبادت بھی نہیں ہو سکتی، دوسرا یہ کہ جب غلبہ نوم سے الفاظ صحیح نہیں نکلیں گے تو جو ثواب ان الفاظ کے متعلق ہے وہ حاصل نہ ہوگا، پھر تیرے جاگنے سے کیا فائدہ ہے؟

۱۲۔ قَلَّتْ اِخْتِلَاطُ مَعَ الْاَنَامِ

یعنی لوگوں سے غیر ضروری اختلاط میل جول نہ بڑھانا یا درکھنا چاہیے کہ ماسوی اللہ سے تین قسم کے تعلقات ہیں۔ ایک تعلق محمود جس کا شریعت نے امر فرمایا ہے وہ تو عین تعلق بحق ہے اس کا قطع کرنا ناجائز ہے دوسرا تعلق مذموم جس کی شریعت میں ممانعت ہے۔ اس کا قطع کرنا واجب ہے تیسرا تعلق مباح، جو نہ طاعت ہے نہ معصیت، اس میں قطع کی ضرورت نہیں البتہ تقلیل کرنا ضروری ہے۔ بس جہاں قطع تعلق کی تعلیم ہے وہاں مراد تعلق محمود نہیں بلکہ مذموم و مباح ہے مگر مذموم بطور ترک کے اور مباح بطور تقلیل کے اور جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہ ہو، تعلق مع الخلق بلا ضرورت ہر امر مفرت ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جیسی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہو جائے۔ ورنہ تو نہ تو حق خالق ادا ہوتا ہے اور نہ حق خلق یہ ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا تجربہ ہے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا۔ حضرت ابراہیم بلخی رح

حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ کے واقعات معلوم ہیں۔ خلفائے راشدین پر اپنے
کو قیاس نہ کیا جائے

کارِ پا کاں را قیاس از خود بگیر

قول فیصل اس خلوت کے باب میں یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی
ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسروں سے متعلق ہو اور نہ دوسروں
کی کوئی ایسی دینی یا دنیوی حاجت اس شخص سے متعلق ہو۔ اس کے
لئے خلوت جائز ہے، بلکہ افضل ہے۔ خصوصاً ایام فتن و شرور میں جب
کہ اختلاط کے خلیجات و تشویشات و ایذاؤں پر صبر کرنے کی توقع و ہمت
نہ ہو۔ احادیث میں جو ترغیب خلوت کی آئی ہے وہ ایسی ہی حالت میں ہے
جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

وَرَجُلٌ مُّعْتَزِلٌ فِي شَعْبِ جَبَلٍ لَهُ عُنَيْمَةٌ يُودِي حَقَّهَا
وَيَعْبُدُ اللَّهَ.

دوسری حدیث میں ہے۔

يُوشِكُ أَنْ تَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِينَ يَتَّبِعُ بِهَا
شِعْفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَضْرِبُ دِينَهُ مِنَ
الْفِلَنِ رَاخِرَجَهُ ابْنُ عَرَبٍ

یعنی ایسا وقت نزدیک آنے والا ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں
ہوں گی جن کو لئے لئے پہاڑیوں کی چوٹیوں اور بارش کے جمع ہونے کی جگہوں
یعنی زبالوں میں جب کہ وہ خشک ہو جائیں۔ اپنے دین کو لینے ہوئے

ففتوں سے بھاگا بھاگا پھرے گا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے) اور جس شخص کو دوسروں سے یا تو کوئی حاجت ضروری ہو۔ خواہ دنیوی ہو جیسے تحصیلِ نفقہ عیال جب کہ تو کل پر قادر نہ ہو خواہ دینی ہو مثلاً تحصیلِ علوم ضروریہ اس کے لئے خلوت جائز نہیں اسی طرح اگر اس کے ساتھ خلالت کی حاجت دنیوی یا دینی متعلق ہوں تو بھی خلوت جائز نہیں اور بعض احادیث سے جو نہی خلوت کی مفہوم ہوتی ہے وہ ایسی ہی دونوں حالتوں پر محمول ہے، جیسا کہ حضرت عثمان ابن مظون کو بتل سے منع فرمایا گیا کہ اس وقت ان کو بھی تحصیلِ علوم دین کی حاجت تھی۔ ادھر مسلمانوں کو بھی ان کی طرف دینی حاجت تھی بالخصوص اعلیٰ کلمۃ اللہ و ترقی اسلام میں ان کی بہت بڑی ضرورت تھی۔

یہ تفصیل اس خلوت میں ہے جس کو بطریقِ عادت دائمی تجویز و اختیار کرے ایک خلوت چند روزہ ہے جس کی ضرورت بسا اوقات مبتدی سالک کیلئے واقع ہوتی ہے۔

خلوت کے فائدے

گناہوں سے بھی اجتناب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ ایسی عزالت ہو جس میں نگاہ کی بھی حفاظت کرے کان کی بھی حفاظت کرے دل کی بھی حفاظت کرے قصداً کسی غیر کا خیال دل میں نہ لاوے اگر آجائے تو ذکر میں مشغول

ہو کر اس کو دفع کر دے، ایسی عزلت میں وقتی گناہوں سے بہت حفاظت ہوگی اور ظاہر ہے دفع مضرّت جلبِ منفعت پر مقدم ہے تو عزلت اختلاط پر مقدم کیوں نہ ہوگی جب کہ اختلاط میں گو منافع بہت ہیں مگر ساتھ ہی یہ مضرّت بھی ہے کہ اس میں اکثر گناہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے اختلاط کے ساتھ قلتِ کلام بہت دشوار ہے۔ یہ کام صدیقین اور کاملین کا ہے۔ ورنہ اکثر اختلاط میں فضول باتیں بہت کرنی پڑتی ہیں۔ جن لوگوں کا وقت خلوت کے لئے مخصوص نہیں ہوتا۔ رفتہ رفتہ ان کا قلب انوار سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔

اختلاط کے فوائد

اور جن حالات میں بعض افراد کے لئے خلوت یعنی اختلاط مفید ہے۔ ان کیلئے اس کے یہ فوائد ہیں۔

اول، تعلیم و تعلم اس پر موقوف ہے۔ عزلت سے تعلیم و تعلم کا باب بند ہو جاتا ہے۔ دوم، اختلاط میں خدمتِ خلق کا موقع ملتا ہے۔ سوم، جماعت کی فضیلت اختلاط ہی سے حاصل ہو سکتی ہے جو شخص عزلت گزریں ہو گا وہ جماعت کا ثواب اور خدمتِ خلق کی فضیلت سے محروم رہے گا، چہارم، اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے۔ پنجم، دین کا فیض ہوتا ہے، بدون اختلاط کے بزرگوں سے فیض حاصل کرنا دشوار ہے۔

طریق کار ہر کام کو اپنے اوقات مقررہ پر کریں دنیا کا کام اپنے وقت میں اور وظائف اپنے وقت میں۔ حتیٰ کہ گاہ گاہ لطیف

اور مختصر مزاج بھی اپنے اور دوسرے مسلمانوں کی تفریح و تطیب قلب کے لئے اپنے موقع میں کر لینا چاہیے۔ اس طرح سب کام چلتے رہیں گے ورنہ بالکل گوشہ نشین ہونے سے بعض اوقات طبیعت میں شوق اور اُمنگ کا مادہ ضعیف ہو جاتا ہے اور بدون اس کے کام چلنا دشوار ہے۔ خدمتِ خلق اللہ سالک کے لئے بہت ہی نافع ہے، مگر ضرورتِ خدمت سے زیادہ اختلاط نہ کریں کہ وہ مضرتِ باطنی سے ہے سالک کے لئے عزتِ ضروری ہے، تعلقات بڑھانا نہ چاہیے نہ دوستی نہ دشمنی کہ ذکر اللہ میں خلل انداز ہوگا۔ جب تک خلوت میں دل خدا تعالیٰ کے ساتھ لگا رہے، خلوت میں رہنے اور جب خلوت میں انتشار اور ہجومِ خطرات ہونے لگے تو مجمع میں بیٹھے، مگر نیک جمع میں بیٹھے۔ اس سے خطرات دفع ہوں گے اور اس وقت یہ خلوت بھی خلوت کے حکم میں ہے۔ یہ چار قسمیں، قلتِ کلام، قلتِ طعام، قلتِ منام، اور قلتِ اختلاط مع الانام مجاہدہ اجمالی کی ہیں۔ اب آگے اخلاق کے بیان میں مجاہدہ تفصیلی کی قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

اخلاق کا بیان

جاننا چاہیے کہ خلق اور خلقِ جدا جدا دو لفظ ہیں۔ خلق سے مراد صورتِ ظاہری ہے اور خلق سے مراد صورتِ باطنی، کیوں کہ انسان جس

طرح جسم سے ترکیب دیا گیا ہے اور ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان وغیرہ اعضاء اس کو مرحمت ہوئے ہیں جن کا قوت بصارت یعنی چہرے کی آنکھیں ادراک کر سکتی ہیں، اسی طرح انسان روح اور نفس سے ترکیب دیا گیا ہے اور اس کا ادراک بصیرت یعنی دل کی آنکھ کرتی ہیں۔ یہ ترکیب ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی، اور ان دونوں ترکیبوں میں حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جدا جدا صورت اور قسم قسم کی شکلوں پر پیدا فرمایا ہے کہ کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے اور کوئی سیرت اور صورت بُری ہے بھونڈی ہے۔ ظاہری ہیئت اور شکل کو صورت کہتے ہیں اور باطنی شکل اور ہیئت کو سیرت کہتے ہیں۔ سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے کیوں کہ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے چنانچہ وَفَخَلَقْنَا مِنْ رُوحِي لَيْسَىٰ أَدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے پتلے میں میں نے اپنی روح کو پھونک دیا۔ اس آیت کریمہ میں روح کو اپنا کہہ کر ذکر فرمایا اور قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي یعنی اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیتے کہ رُوح میرے پروردگار کا امر ہے۔ اس میں اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ روح امر ربی ہے اور جسم کی طرح سفلی اور خاکی نہیں ہے، کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالَّتِي خَلَقْنَا بَشَرًا مِّنْ طِينٍ اس مقام پر روح سے مراد وہ

شے ہے جو حق تعالیٰ کے اہام اور القاء سے اپنی اپنی استعداد کے موافق اشیاء کی معرفت اور ادراک حاصل کرتی ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ زیادہ قابل لحاظ امر ربانی یعنی سیرت انسانی

ہے کہ جب تک اس باطنی ترکیب کی شکل اور ہیئت میں حسن موجود نہ ہوگا اس وقت تک انسان کو خوب سیرت نہیں کہا جاسکتا اور چونکہ اس صورت کے اعضاء ہاتھ پاؤں کی طرح سیرت کو بھی اللہ تعالیٰ نے باطنی اعضاء مرحمت فرمائے ہیں جن کا نام قوتِ علم و قوتِ غضب و قوتِ شہوت و قوتِ عدل ہے۔ لہذا جب تک یہ چاروں اعضاء سڈول اور متناسب اور حد اعتدال پر نہ ہوں گے اس وقت تک سیرت کو حسین نہیں کہا جائے گا۔ ان باطنی اعضاء میں جو بھی کمی بیشی ہوگی اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی کی ظاہری شکل و صورت جسمیہ میں افراط و تفریط ہو کہ پاؤں مثلاً گزر بھر ہوں اور ہاتھ تین گز کے یا ایک ہاتھ مثلاً آدھا گز کا ہو اور دوسرا گز بھر کا اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی خوب صورت نہیں کہا جائے گا پس اسی طرح اگر کسی کی قوتِ غضبہ مثلاً حد اعتدال سے کم ہے اور قوتِ شہوانیہ اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے تو اس کو خوب سیرت نہیں کہہ سکتے اب ہم چاروں اعضاء مذکورہ کا اعتدال اور تناسب اور حسن بیان کرتے ہیں۔

اول قوتِ علم اس کا اعتدال یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعے سے اقوال کے اندر بیج جھوٹ میں امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق اور باطل میں فرق کر سکے اور اعمال میں حسن و قبح یعنی اچھا اور بُرا پہچان سکے۔ پس جس وقت یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی تو اس وقت حکمت کا وہ ثمرہ پیدا ہوگا جس کو حق تعالیٰ بایں الفاظ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ آتَىٰ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ لَيْسَ جِسْمًا كَوَاحِشٍ

عطا ہوئی اس کو شیر کثیر عطا ہوئی، اور حقیقت میں تمام فضیلتوں کی اصل اور حیرت ہی ہے۔

دوم و سوم قوت غضب اور قوت شہوت ان کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ دونوں قوتیں حکمت و شریعت کے اشارے پر چلنے لگیں اور مہذب اور مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کے فرماں بردار بن جائیں کہ جس طرف بھی شریعت ان کو چلائے بلا عذر و بلا تامل اس جانب چلنے لگیں اور جس طرف سے روکے فوراً رک جائیں۔ چہارم قوت عدل اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوت غضب اور شہوت دونوں کی باگ اپنے ہاتھ میں لے اور ان کو دین اور عقل کے اشارے کے ماتحت بنائے رکھے، گویا عقل تو حاکم ہے اور یہ قوت عدل اس کی پیشکار ہے کہ جدھر حاکم کا اشارہ پڑتا ہے فوراً اسی جانب جھک جاتے ہیں اور اس کے موافق احکام جاری کر دیتے ہیں اور قوت غضب اور شہوت انہیں گویا شکاری مرد کے مہذب کتے ہیں یا فرماں بردار گھوڑے کی طرح ہیں کہ ان میں حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ اور اجراء ہوتا ہے پس جس وقت یہ حالت قابل اطمینان اور لائق تعریف ہو جائے گی اس وقت انسان صاحب حسن خلق اور خوب سیرت کہلائے گا۔

قوت غضب اس قوت کے اعتدال کا نام شجاعت ہے اور یہی عند اللہ پسندیدہ ہے کیوں کہ اگر اس میں زیادتی ہوگی تو اس کا نام تہورا اور بے باکی ہوگا اور اگر کمی ہوگی تو بزدلی و جبنیت کہلائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حالتیں ناپسندیدہ ہیں، حالت اعتدال یعنی شجاعت

سے لطف و کرم دلیری و جرات و بردباری استقلال ترقی و ملاطفت اور غصہ کے ضبط کا مادہ نیز ہر کام میں دور اندیشی اور وقار پیدا ہوتا ہے اور اگر زیادتی ہوتی ہے تو ناعاقبت اندیشی ڈینگ مارنا، شیخی بگھارنا، غصہ سے بھڑک اٹھنا، تکبر اور خود پسندی ہی پیدا ہوتی ہے اور اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو بزدلی اور قلت، بے عزتی، کم ہمتی، خست، کمینہ پن اور وہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو چھوڑ پھینکھلائی ہیں۔

قوتِ شہوت | قوتِ شہوت کی حالتِ اعتدال کا نام پارسائی ہے پس اگر شہوت اپنے حدِ اعتدال سے بڑھ جائے گی تو

حرص و ہوا کہلائے گی۔ حالتِ معتدل یعنی پارسائی اللہ پاک کو پسند ہے اور اس کے جو فضائل پیدا ہوتے ہیں وہ سخاوت، حیا، صبر، قناعت اور اتقار کہلاتے ہیں، طمع کم ہو جاتی ہے خوف اور خشیت اور دوسروں کی مدد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص و لالچ، خوشامد چاہلوسی امراء کے ساتھ تذلل اور فقراء کو بنظرِ حقارت دیکھنا بے حیائی، فضول خرچی، ریا، تنگ دلی نامردانگی اور حسد وغیرہ خصائل بد پیدا ہوتے ہیں۔

قوتِ عقل | قوتِ عقل میں اگر اعتدال ہوتا ہے تو انسان مدبر اور منتظم اور ذکی اور سمجھ دار ہوتا ہے۔ اس کی رائے صائب

درست، ہوتی ہے اور ہر مضمون میں اس کی طبیعت چلتی ہے اور جرات دکھلاتی ہے اور اگر حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکہ بازی، فریب دہی اور مکاری کہلاتی ہے اور اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہو

گا تو کند ذہنی اور حماقت اور بے وقوفی کہلانے گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلدی دوسرے کے دھوکے میں آجائے گا، غرض جس وقت یہ ساری قوتیں حدِ اعتدال پر ہوں گی تو اس وقت انسان کو خوب سیرت کہا جائے گا کیونکہ اعتدال سے گھٹنا اور بڑھنا دونوں حالتیں حسن سے خارج ہیں۔

خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا نِزْهُنَ تَعَالَى فرماتے ہیں کہ ہمارے بندے وہ ہیں کہ نہ وہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے بین بین حالت پر رہتے ہیں۔

جس طرح حسن ظاہری میں کمی بیشی ہوتی ہے کوئی زیادہ خوبصورت ہے اور کوئی کم اسی طرح حسن باطنی میں بھی لوگ متفاوت ہوتے ہیں پس سب سے زیادہ حسین سیرت تو سرورِ عالم رسول مقبول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کی شان میں یہ آیت کریمہ اِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ نازل ہوئی ہے آپ کے بعد جس مسلمان کو آپ کے اخلاق کے ساتھ جتنی مناسبت ہوگی اسی قدر اس کو حسین سیرت کہیں گے، اور ظاہر ہے کہ سیرت باطنی میں جس قدر بھی جس کو حسن حاصل ہوگا اسی قدر اس کو سعادتِ اخروی حاصل ہوگی

اخلاق سب فطری ہیں

اخلاق سب فطری جبلی ہیں اور درجہ فطرت میں کوئی خلق نہ مذموم ہے نہ محمود بلکہ مواقع استعمال سے ان میں مدح و ذم آجاتی ہے،

مَنْ أَعْطَىٰ اللَّهُ وَمَنَعَ اللَّهُ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ - یعنی جس نے اللہ
 ہی کی رضا کے لئے دیا ، اور اللہ ہی کی رضا کے لئے روکا تو اس کا ایمان
 مکمل ہوا، اس میں اعطیٰ اور منع دونوں کے ساتھ اللہ کی قید ہے جس سے
 معلوم ہوا کہ سخاوت مطلقاً محمود نہیں نہ بخل مطلقاً مذموم ہے بلکہ اگر خدا کے لئے
 ہو تو دونوں محمود ہیں، ورنہ دونوں مذموم ہیں۔ اخلاق ذمیرہ جن سے نفس کا تزکیہ
 کرنا ضروری ہے۔ یوں تو بہت ہیں مگر اصول یہی ہیں جن کا آئندہ ذکر آئے
 گا، انشاء اللہ تعالیٰ اور ان میں باہم ایسا تعلق ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا
 اور دوسرے کے ساتھ تیسرا لگا ہوا ہے، اس لئے جب تک سب ہی سے
 نجات نہ ملے گی اس وقت تک نفس قابو میں نہ آوے گا۔ اور ایک کی اصلاح
 کرنا اور دوسرے سے بے پرواہ رہنا اس سے کچھ نفع نہ ہوگا، کیوں کہ جو شخص
 دس بیماریوں میں گرفتار ہو وہ تندرست اسی وقت کہلایا جاسکتا ہے جب کہ
 اس کی دسوں بیماریاں جاتی رہیں جس طرح کوئی خوبصورت آدمی حسین اسی وقت کہلا
 سکتا ہے جب کہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، غرض سارے اعضاء مناسب اور
 خوبصورت ہوں اسی طرح انسان کو حسن خلق اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ اس
 کی تمام باطنی حالتیں قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ
 وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہی ہے جس کا خلق کامل ہو اور مومنین میں افضل
 وہی ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہو پس اسی اصل کا نام دین ہے اور اسی
 کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے
 تھے۔

اخلاق کی قسمیں

اخلاقِ باطنہ دو قسم پر ہیں ایک متعلق بالقلب دوسرے متعلق بالنفس۔
 اخلاقِ باطنہ متعلق بالقلب کا نام اخلاقِ حمیدہ و ملکاتِ فاضلہ ہے ان کو مقامات
 سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں: توحید، اخلاص، توبہ، محبتِ الہی، قوتِ زہد،
 توکل، قناعت، حلم، صبر، شکر، صدق، تقویٰ، تسلیم، رضا، قنار، فنا، الفناء
 دوسرے متعلق بنفس جن کا نام اخلاقِ رذیلہ ہے اور وہ یہ ہیں: طمع، طولِ اہل،
 غصہ، دروغ، غیبت، حسد، بخل، ریا، عجب، کبر، حقد، حُبِ مال، حُبِ جاہ
 حُبِ دنیا، ان سے نفس کو پاک کرنے کا نام تزکیہ نفس ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ
 قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۔ یعنی وہ سزا کو پہنچا جس نے اس جان کو پاک کیا۔ یہیں
 اخلاقِ حمیدہ و اخلاقِ رذیلہ کو ان شعروں میں جمع کیا گیا ہے۔

خواہی کہ شوی بمنزلِ قربِ مقیم

(۱) اگر تو یہ چاہتا ہے کہ مقامِ قربِ خداوندی میں مقیم ہو

نہ چیزِ بنفسِ خویشِ سرِ بالعلم

تو نو چیزیں اپنے نفس کو تعلیم کر

صبر و شکر و قناعت و علم و یقین

صبر اور شکر اور قناعت اور علم اور یقین۔

تقویٰ و توکل و رضا و تسلیم

تفویض اور توکل، رخصا اور تسلیم

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ

(۲)

اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل مثل آئینہ کے صاف شفاف ہو جائے۔

وہ چیز بروں کن از درون سینہ

تو دس چیزوں کو اپنے سینے سے نکال دے۔

حرص و اہل و غضب و دروغ و غیبت

حرص اور طولِ اہل اور غضبِ محبوب اور غیبت

حسد و بخل و ریا و کبر و کینہ

حسد اور بخل اور ریا اور تکبر اور کینہ

اخلاقِ حمیدہ

توحید

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ : یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا

اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا۔

نیز ارشاد ہے :

۵ یہاں توحید سے مراد توحیدِ افعال ہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۗ لِعِنتِي أَدْرَمْتُمْ ۚ بَلَىٰ لَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
 کو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَأَعْلَمُ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَىٰ أَنْ يَنْفَعُوكَ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللَّهُ لَكَ ۗ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَىٰ أَنْ يَضُرُّوكَ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكَ ۗ (رواہ احمد والترمذی)

یعنی جان تو کہ اگر سب متفق ہو جائیں اس پر کہ تم کو کچھ نفع پہنچا دیں، ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ مگر اس چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے، اور اگر سب متفق ہو جائیں کہ تم کو ضرر پہنچائیں ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر اس چیز کا جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے۔

یہ یقین کر لینا کہ بدون ارادہ خداوندی کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

بائیت توحید

مخلوق کے عجز اور خالق کی قدرت کو یاد کرنا اور سوچنا۔

طریق تحصیل



اخلاص

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ

یعنی اور ان کو حکم نہیں ہوا مگر اس بات کا کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی خالص کرنے والے ہوں اس کے واسطے دین اور ہر طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہوں۔

اور رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ
إِلَى نِيَّاتِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ :

یعنی حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کی طرف نظر نہیں فرماتے

ہیں، لیکن تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں۔

اپنی طاعت میں صرف اللہ کے تقرب اور رضا

کا قصد رکھنا اور مخلوق کی خوشنودی، اور

بہریت اخلاص

رضامندی یا اپنی کسی نفسانی و مالی و جاہی خواہش کے قصد کو نہ ملنے دینا۔

ریا کو دفع کرنا عین اخلاص کا حاصل کرنا ہے

طریق تحصیل

اخلاص کے فائدے

چاہے کیسا ہی نیک کام ہو اور چاہے ذرا سا ہو مگر خلوص کے ساتھ ہو تو اس میں برکت ہوتی ہے چاہے اس کا کوئی بھی معاون نہ ہو، جس قدر اخلاص زیادہ ہو گا اسی قدر ثواب بڑھتا جائے گا، اور اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ میرا صحابی اگر نصف مد، یعنی آدھا میرا جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو وہ دوسروں کے اُحد پہاڑ کے برابر ہونا خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کے اندر خلوص اور محبت اس قدر تھا کہ ادروں کے اندر اتنا نہیں اسی واسطے ان کے صدقات و حسنات بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اخلاص کا اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ محض خدا کیلئے کام کرے۔ مخلوق کا اس میں تعلق ہی نہ ہو۔ اس سے کم یہ ہے کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کام کرے مگر کوئی دنیوی غرض مطلوب نہ ہو، صرف اس کا خوش کرنا مقصود ہو تو یہ بھی دنیوی غرض ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کچھ نیت نہ ہو، نہ دنیا مطلوب ہو نہ دین۔ یوں ہی خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کیا، یہ بھی اخلاص یعنی عدم ریا ہے۔

توبہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا
 یعنی اے ایمان والو، اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ (رداء مسلم)
 یعنی اے لوگو اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

توبہ کی حقیقت | خطا کو یاد کر کے دل کا دکھ جانا اور اس کے لئے لازم
 ہے اس گناہ کا ترک کر دینا اور آئندہ کو بچتہ ارادہ کرنا
 کہ اب نہ کریں گے اور خویشی کے وقت نفس کو روکنا توبہ کہلاتا ہے۔
تشریح | توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بعد سے قرب کی جانب لوٹ
 آنے کے ہیں۔ مگر اس کے لئے بھی ایک ابتداء ہے اور
 ایک انتہا ہے۔ ابتداء تو یہ ہے کہ قلب پر نور معرفت کی شعاعیں پھیل
 جائیں اور دل کو مضمون کی آگاہی حاصل ہو جائے کہ گناہ ستم قاتل ہے اور
 تباہ کردینے والی شے ہے اور پھر خوف اور ندامت پیدا ہو کر گناہ کی تلافی
 کرنے کی سعی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہو جائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا
 اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے
 کا مصمم قصد کرے اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گذشتہ تقصیر کو تباہی

کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہو جائے گا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہو گیا جس کا نام توبہ کی انتہا ہے۔

ضرورتِ توبہ | توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہو گیا ہوگا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے، کیوں کہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب بنا کر فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا

یعنی اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو، چونکہ توبہ کی حقیقت یہی ہے کہ گناہوں کو آخروی زندگی کے لیے بیم قاتل اور ہلک سمجھ اور ان کے چھوڑنے کا عزم کرے اور اتنا مضمون ایمان کا جز ہے، اس لیے ہر مومن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ۔ مطلب اس آیت کریمہ کا یہ ہے کہ جو شخص موافق قاعدہ شریعت کے اپنی اس زیادتی یعنی گناہ کرنے کے بعد توبہ کرے اور آئندہ کے لیے اعمال کی درستی رکھے، یعنی تمام برائیوں کو چھوڑ دے شریعت کے مطابق کام کرے اور اپنی توبہ پر قائم رہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم کے ساتھ توجہ فرمائیں گے کہ توبہ سے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے اور توبہ پر استقامت عطا فرما کر مزید اعانت فرما دیں گے حدیث شریف میں ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ لے کر میرے پاس آئیں اور مجھ سے مغفرت چاہیں تو میں

سب کو بخش دو لگا اور گناہوں کی کثرت کی پر واہ نہ کروں گا۔ نیز دوسری حدیث میں ہے۔ **التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ** یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا وہ شخص جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **إِنِّي لَا أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً** یعنی بے شک میں ہر روز ستر دفعہ استغفار کرتا ہوں عصمت انبیاء یعنی انبیاء علیہم السلام کا گناہوں سے پاک ہونا ایک مسلم مسئلہ ہے پھر بھی آپ استغفار فرما رہے ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام اور اکابرین کی حالت ہے تو پھر ہم کس شمار میں ہیں۔ اس کی پر واہ نہ کریں کہ توبہ ٹوٹ جائے گی۔ جب توبہ ٹوٹ جائے دوبارہ پھر توبہ کرے مگر شرط یہ ہے کہ توبہ دل سے ہو یعنی توبہ کے وقت یہ عزم پختہ ہو کہ اب یہ گناہ نہ کریں گے۔ اس طرح توبہ کر کے اگر سو مرتبہ بھی توبہ ٹوٹے تو کچھ پر واہ نہیں۔ ہر دفعہ پھر توبہ کرتے رہیں۔ خدا تعالیٰ کے مقبول اور اہل طاعت میں سے شمار ہوں گے۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ •• گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
 این درگہ مادرگہ نومیدی نیست •• صد باز اگر توبہ شکستی باز آ
 یعنی ہماری درگاہ کی طرف ضرور واپس آؤ، جو کچھ بھی تم ہو واپس آؤ
 اگر کافر بت پرست ہو تو بھی واپس آؤ، یہ ہماری درگاہ نا امید کی درگاہ نہیں
 ہے سینکڑوں بار اگر توبہ توڑ چکے ہو تو بھی واپس آؤ اور توبہ کرو۔ ہم قبول کریں گے

حق تعالیٰ کی وسعت رحمت ہے کہ ہر حالت میں اجازت دیدی کہ ہم سے باتیں کر لو، ہمارا نام لے لو، ہر حالت میں سماعت ہوگی۔

گذشتہ گناہوں پر ندامت اور معذرت ظاہر کرے جو حقوق العباد
طریق توبہ واجب الادا ہیں فی الحال ان کے ادا کا عزم کریں اور پھر

ان کے ادا کا اہتمام کریں یا اہل حقوق سے صاف کرائیں ۲۔ اگر گناہ صادر
 ہو جائے تو فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھے، پھر توبہ کرے
 زبان سے بھی توبہ کرے اور رونے کی شکل بنا کر خدا تعالیٰ سے خوب معافی
 مانگے ۳۔ توبہ کے لئے تو گناہوں کو یاد کرے، اس کے بعد جی بھر کے
 توبہ کرے۔ مگر ان کو جان جان کر یاد نہ کرے کہ اس سے بندہ اور خدا تعالیٰ
 کے درمیان ایک حجاب سا معلوم ہونے لگتا ہے، جو محبت اور ترقی
 سے مانع ہے، جس کا اثر یہ ہو گا کہ وہاں سے بھی عطایں کمی ہوگی کیوں کہ
 جزا اور ثمرات کا ترتیب عمل پر ہوتا ہے۔ سچی توبہ کے بعد اگر از خود پرانے
 گناہ یاد آجائیں تو پھر تجدید توبہ کر کے کام میں لگ جاوے اس سے زیادہ
 کاوش کرنا غلو ہے ۴۔ نیز استغفار اور توبہ کے وقت معاصی کے تذکرے
 اور استحضار میں ایک قسم کا توسط ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں کہ سب
 گناہوں کی پوری فہرست پڑھنے بیٹھ جائے۔ صرف اجمالی طور پر سب
 گناہوں سے توبہ کرے، ہر گناہ کا نام لینا ضروری نہیں۔ حدیث میں ہے
 وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي — اور

اس گناہ سے بھی توبہ کرتا ہوں جس کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور
 فرمایا وَالتُّوبَةُ إِلَيْهِ مِنَ الذَّنْبِ الَّذِي أَعْلَمُ وَمِنَ الذَّنْبِ الَّذِي
 لَا أَعْلَمُ اور اس کی طرف اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جس کو میں جانتا

ہوں اور اس گناہ سے بھی جس کو میں نہیں جانتا اس سے بھی یہ بات نکلتی ہے کہ اس میں سب گناہ آگئے اگرچہ یاد نہ آئیں، کیوں کہ اس سوچ میں وقت ضائع کرنا مطالعہ محبوب سے غافل ہونا ہے اللہ جو از خود یاد آ جائیں ان سے بالخصوص توبہ کریں، خواہ مخواہ گریہ کرید کرید کر تلاش کرنا یہ خود ایک مشعلہ مانع حضور ہے بس سب گناہوں سے توبہ کر کے اپنے کام میں لگیں، کیوں کہ مقصود بالذات خدا تعالیٰ کی یاد ہے، نہ گناہوں کی یاد مقصود بالذات ہے نہ طاعات کی یاد مقصود ہے۔ گناہوں کی یاد سے توبہ مقصود ہے جب وہ حاصل ہے تو پھر قصداً گناہ کو یاد کر کے اس کی یاد کو مقصود بالذات نہ بنائیں اور اگر یاد آجائے تو پھر توبہ واستغفار کر لیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ مصیبت خود بخود یاد آجائے تو اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ لیں کہ اس وقت اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنے کا وہی ثواب ہوگا جو عین مصیبت کے وقت پڑھنے کا ثواب تھا شیخ اکبر کا قول ہے کہ مصیبت کی یاد کو مقصود بالذات نہ بنائیں، کیونکہ اس سے یہ خیال ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں اور یہ خیال خطرناک ہے۔

طریق تحصیل توبہ | قرآن و حدیث میں جو وعید گناہوں پر آئی ہے ان کو یاد کرے اور سوچے اس سے گناہ پر دل میں

سوزش پیدا ہوگی، یہی توبہ ہے

محبت

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ اور اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہیں۔ نیز ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ : یعنی اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت میں بہت مضبوط ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ رِمْقُ عَلِيٍّ

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو بُرا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو بُرا سمجھتا ہے۔

حقیقتِ محبت | طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو محبت کہتے ہیں ، یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔

تشریح | محبت کی دو قسمیں ہیں ، محبتِ طبعی اور محبتِ عقلی۔ محبتِ طبعی اختیاری نہیں ہے ، اس کا حدوث اور بقا بالکل غیر اختیاری ہے اور امرِ غیر اختیاری پر بعض اوقات دوام نہیں ہوتا لہذا محبتِ طبعی مامورِ بہ نہیں ہے ، بخلاف محبتِ عقلی کے کہ اس کا حدوث و بقا اختیاری ہے تو اس پر دوام بھی ہوتا ہے ، اس لیے محبتِ عقلی مامورِ بہ ہے اور یہی افضل ہے اور راجح ہے ، چونکہ محبتِ طبعی کا منشا جوشِ طبیعت ہے اور جوشِ منہ ہے

رہا کرتا۔

اسبابِ محبت | محبت کے تین سبب ہوا کرتے ہیں یا تو یہ کہ کوئی ہم پر احسان کرتا ہو اور اس کے احسان کی وجہ سے ہمیں اس سے محبت

ہو یا یہ کہ وہ نہایت حسین و جمیل ہو اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف میلانِ خاطر ہو یا یہ کہ اس میں کوئی کمال پایا جاتا ہو اور وہ کمال باعثِ محبت ہو سو انعام و نوال و حسن و جمال و فضل و کمال علی وجہ الکمال خدا تعالیٰ

ہی میں پائے جاتے ہیں، توجب تک یہ کمالات باقی رہیں اس وقت تک محبت بھی رہے گی اور محبوب حقیقی کے کمالات ختم نہیں ہو سکتے تو ان کے محبت بھی ختم نہ ہوگی اور چونکہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی میں بھی بالذات کمالات نہیں اس لئے کاملین کو خدا تعالیٰ کے سوائے کسی سے محبت عقلی نہیں ہو سکتی، ہاں

حُبِ طبعی یعنی عشقِ غیر خدا سے بھی ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ جس محبت کا امر ہے وہ حُبِ عقلی ہے نہ کہ طبعی، اس کیلئے نصوص میں حُبِ طبعی یعنی عشق کا عنوان کہیں مذکور نہیں، بلکہ جا بجا حُب کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوا کہ حُبِ

طبعی مطلوب نہیں بلکہ حُبِ عقلی مطلوب ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حُبِ عقلی والوں یعنی کاملین میں حُبِ طبعی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے غلبہ حُبِ عقلی کو ہوتا ہے باقی جن پر حُبِ عقلی کا غلبہ ہوتا ہے بعض اوقات ان میں محبت طبعی بھی ان لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے جن پر محبت طبعی کا غلبہ ہے مگر وہاں محبت طبعی پر حُبِ عقلی غالب ہوتی ہے اسلئے جوش و بارہت ہے لیکن گاہے گاہے کاملین پر بھی حُبِ طبعی کا غلبہ ہوتا ہے۔

بہر حال کاملین تو حُبِ عقلی اور حُبِ طبعی دونوں کے جامع ہوتے ہیں،

مگر ان میں غلبہ عقلی کو ہوتا ہے اور ناقصین میں حُبِ طبعی کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ کمال گو مطلوب نہیں مگر محمود و ضرور ہے اور جو دونوں سے کور ہے وہ خطرہ میں ہے، پس محبت کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر محبت کے نرمی طاعات و عبادات کافی نہیں، کیوں کہ ان کا سبب و سہ کچھ نہیں۔

طریقِ تحصیلِ محبتِ الہی | اللہ تعالیٰ کے کمالات و اوصاف و انعامات کو یاد کرے اور سوچے احکام شرعیہ کی بجا آوری اور کثرتِ ذکر اللہ سے غیر اللہ کی محبت دل سے نکالے۔

شوق

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :
 مَنْ كَانَ يَرْجُوَ لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ
 یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا اُمیدوار ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدت
 یعنی موت تو آنے والی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
 أَسْأَلُكَ النَّظَرَ إِلَى وَجْهِكَ وَالشُّوقَ إِلَى لِقَائِكَ ذَرَاهِ نَانٍ،
 یعنی تجھ سے تیرے وجہ مبارک کی زیارت اور تیری ملاقات کا
 شوق مانگتا ہوں۔

حقیقتِ شوق | جس محبوب چیز کا من و چہ علم ہو اور من و چہ علم نہ ہو

اس کو بہمال جاننے اور دیکھنے کی خواہش طبعی ہونا شوق کہلاتا ہے۔

تشریح ابتدا میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی ہے اور بعد میں اُنس کا رنگ غالب ہوتا ہے، اس وقت وہ کیفیتیں نہیں رہتی

جو شوق کے وقت ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً بات بات پر رونا اور استغراق کا غلبہ ہونا وغیرہ مگر لوگ انہیں آثار کو مقصود سمجھتے ہیں اور اُنس کی حالت میں جب یہ آثار کم ہو جاتے ہیں تو پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ یہ مقصود نہیں کہ ہر وقت شوق غالب رہے اور تقاضہ طبعی مرغوباتِ نفسانیہ کا کبھی نہ ہونہ یہ مقصود ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شوق کی ایک حد بیان فرمائی ہے۔

أَسْأَلُكَ شَوْقًا إِلَىٰ لِقَائِكَ مِنْ غَيْرِ ضَرٍّ أَوْ مُضْرَةٍ وَلَا فِتْنَةٍ
مُضِلَّةٍ۔

یعنی اے اللہ تعالیٰ میں آپ سے آپ کی ملاقات کا شوق بغیر کسی تنگی میں پڑنے کے جو نقصان دینے والی ہو اور بغیر کسی گمراہ کن آزمائش میں مبتلا ہونے کے طلب کرتا ہوں چونکہ شوق اور عشق کا غلبہ کبھی ہلاکت اور مصرت کی نوبت پہنچاتا ہے۔ جس سے اعمال میں خلل پڑتا ہے اور اصل مقصود اور ذریعہ قرب اعمال اور امتثالِ اوامر ہی ہیں، اور کبھی غلبہ شوق میں ادب کی حد سے گذر جاتا ہے اور بے ادبی کی باتیں کرنے لگتا ہے جیسا کہ اکثر عشاقِ غلبہ حال میں کرتے ہیں اور یہ بے ادبی موجبِ ضررِ دین ہے گو غلبہ کی حالت میں معاف ہے مگر کمال نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادب اور طاعات

اور محبت کے جامع ہیں، اس لیے یہ مذکورہ بالا دعاء فرمائی ہے۔

طریق تحصیل شوق | محبت الہی پیدا کر لینا کیوں کہ محبت کے لیے شوق لازم ہے۔

تحقیق اُنس | جو چیز میں وجہ (ایک طرح) ظاہر اور معلوم ہو اور سن وجہ (ایک طرح سے) مخفی و مجہول ہو، اگر وجوہ

معلومہ پر نظر واقع ہو کر اس پر سرور و سرور ہو اس کو اُنس کہتے ہیں۔

طریق تحصیل اُنس | چونکہ یہ بھی آثار محبت سے ہے اس لیے اس کی تحصیل کے لیے کوئی جداگانہ طریق نہیں ہے۔ محبت کے ساتھ

ہی حاصل ہو جاتا ہے۔

خوف

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَإِخْشَاؤُنِيْ يَعْنِيْ أَوْرِمْ مَجْهًا مِنْ دُرُوْ-

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

مَنْ خَافَ أَدْلَجَ وَمَنْ أَدْلَجَ يَلْغُ الْمَنْزِلَ إِلَّا أَنْ سَلَعَةَ اللَّهُ غَالِيَةً

إِلَّا أَنْ سَلَعَةَ اللَّهُ الْجَنَّةُ يَعْنِيْ جُوْرْتَا هِيَ رَاتِ هِيَ سَلَعَتْ هِيَ

اور جو رات سے چلتا ہے وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ سُنُّ لَوْ اللَّهُ تَعَالَى كَا

سودا گراں ہے سُنُّ لَوْ اللَّهُ تَعَالَى كَا سُوْدَا جَنَّتْ هِيَ۔

حقیقتِ خوف ناگوار طبع چیز کے خیال اور اس کے واقع ہونے کے اندیشے سے قلب کا دردناک ہونا۔

تشریح خوف کی حقیقت احتمالِ عذاب ہے کہ انسان کو اپنے متعلق احتمال ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو اور یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور یہی نامور ہے اور اسی کا بندہ مکلف کیا گیا ہے۔ یہ تو شرطِ ایمان ہے اور اس کا نام خوفِ عقلی ہے کہ تقاضائے معصیت کے وقت و عید اور عذابِ خداوندی کو یاد کر کے سوچ سوچ کے گناہوں سے بچا جائے۔ یہ درجہ فرض ہے اس کے فقدان سے گناہ ہوگا اور یہی حق تعالیٰ کا خوف جملہ نیک کاموں میں رغبت کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ خوف کرنے والوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت، رحمت، علم اور رضا کی محمود خصلتیں جمع فرمائی ہیں جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرنے لگتی ہے۔ حق تعالیٰ از شاد فرماتے ہیں۔

کسی بندے کو دو خوف نصیب نہ ہوں گے، یعنی جو بندہ دنیا میں خدا تعالیٰ کا خوف رکھے گا وہ آخرت میں بے خوف ہوگا اور جو دنیا میں نہ ڈر رہا اس کو آخرت میں امن و اطمینان نصیب نہ ہوگا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر آنکھ روتی ہوگی۔ بجز اس آنکھ کے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کے دیکھنے سے روکی گئی اور وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں پہرہ دیا اور وہ آنکھ جس میں خوفِ الہی کی وجہ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آیا نیز مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث

ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے فرمائے گا کہ آگ میں سے اس شخص کو نکال دو جو کسی مقام پر مجھ سے ڈرا ہے۔

الغرض خشیتِ مومن کے لئے لازم ہے اور اس کی دو وجہ ہیں ایک تو مال میں احتمال کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہو جائے دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی فی الحال ہو گئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہو سکتا تھا اور التفات میں کوتاہی ہوئی کہ یہ بھی اختیاری ہے دیکھو ڈاکو سزا کے خوف سے ڈاکہ نہیں ڈالتا۔ بچہ پٹنے کے خوف سے شرارت سے رکتا ہے جرمانے کے خوف سے لوگ جرائم سے باز رہتے ہیں آدمی سبکی کے خوف سے محفل میں تہذیب سے بیٹھتا ہے۔ خوف ہی تو اٹھ جاتا ہے جو ملک میں امن نہیں رہتا گویا کہ خوف جملہ برائیوں کی جڑ کاٹنے والا ہے اور خوف ہی جملہ طاعات کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کو یاد کیا کرے اور سوچا کرے۔

طریقِ تحصیلِ خوف

رَجَا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ لَعِنَ اللَّهُ الَّذِينَ هُمْ عَنْهَا آمِنُوا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهِ أَحَدٌ
(متفق علیہ) یعنی اگر کافر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حال جانے تو اس کی جنت
سے ناامید نہ ہو۔

محبوب چیزوں یعنی فضل و مغفرت اور نعمت و جنت
رِجَا کی حقیقت کے انتظار میں قلب کو راحت پیدا ہونا اور ان چیزوں
کے حاصل کرنے کی تدبیر اور کوشش کرنا رِجَا ہے۔

تشریح | لہذا جو شخص رحمت اور جنت کا منتظر رہے اور اس کے
حاصل کرنے کے اسباب یعنی عمل صالح توبہ وغیرہ کو
اختیار نہ کرے اس کو مقامِ رِجَا حاصل نہیں وہ دھوکے میں ہے جیسا کہ
کوئی شخص تخم پاشی نہ کرے اور غلہ پیدا ہونے کا منتظر رہے کہ یہ محض ہوس
خام ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت اور عنایت کو یاد کرنے
طریقِ تحصیلِ رِجَا اور سوچا کرے۔

۹۰
رِجَا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَكَيْلًا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ۔ یعنی تاکہ فوت

شدہ چیز پر افسوس نہ کرو اور جو تم کو دیا ہے اس پر خوشی سے اترانہ جاؤ۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

أَوَّلُ صَلَاحٍ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْيَقِينُ وَالذُّهُدُ وَأَوَّلُ فَسَادِهَا
الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ (رواہ البیهقی فی شعب الایمان) یعنی اول بہتری اس
امت کی یقین اور زہد ہے اور اول بگاڑ اس امت کا بخل اور طولِ امل ہے۔
زہد کی حقیقت | کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف
مائل ہونا۔ مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کر کے آخرت کی
رغبت کرنا زہد ہے۔

زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے
قلب میں ڈالا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات
واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کا ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہے اور
آخرت ہی بہتر اور پائیدار ہے جس وقت یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو اس حقہ دنیا کی
آخرت کے مقابلے میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کہ بیش قیمت جواہر کے
مقابلے میں پھٹے پرانے چتھڑے کی ہوا کرتی ہے اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر
ضرورت و کفایت دنیا پر قناعت حاصل ہو جائے پس زاہد اتنی مقدار پر کفایت
کیا کرتا ہے جتنا کہ مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے
نیز زہد ترکِ لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیلِ لذات زہد کے لئے کافی ہے
یعنی لذات میں اہتمام نہ ہو، نفیس نفیس کھانوں اور کپڑوں کے فکر میں رہنا
زہد کے منافی ہے ورنہ بلا تکلف و بلا اہتمام خاص کے لذات میسر ہو جائیں

تو حق تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ شکر کرنا چاہیے۔ نفس کو خوب آرام سے رکھے اور اس سے کام بھی لے کہ

مزدور خوش دل کند کارِ پیش

حقیقت یہ ہے کہ جن کی نظر اللہ پر ہے ان کی نظر میں سونا چاندی تو کیا دنیا و مافیہا بھی کچھ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے، اور اپنے جگر گوشوں اور خاص لوگوں کے لئے دنیا کو پسند نہیں فرمایا لہذا مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے متاع دنیا ہے۔ سب سے اُمید قطع کر دی جائے جو شخص الیا کرے گا راحت میں رہے گا۔ کیوں کہ زہد سے قلب اور بدن دونوں کو راحت حاصل ہوتی ہے۔

دنیا کے عیوب اور مضرتوں اور فنا ہونے کو اور
 آخرت کے منافع اور بقا کو یاد کرے اور سوچے۔

توکل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ✓
 اللہ ہی پر توکل کریں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَإِذَا سَأَلْتُمْ فَاسْأَلُوا اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعْنَيْتُمْ فَاسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ✓

یعنی اور جب کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ
تعالیٰ ہی سے مدد چاہو۔

حقیقتِ توکل | صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل
ہے۔

تشریح | توکل کی حقیقت وہی ہے جو توکیل یعنی وکیل بنانے کی ہے۔
وکیل بنانے کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کام کو خود نہیں سمجھ سکتے
اس کو دوسروں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ کہ اُس کے بتلانے کے موافق
کرتا رہے لہذا میں توکل ہی ہے کہ خدا کے سپرد کام کر کے تدبیر کریں اور جو
وہ بتلائیں کرتے جائیں یعنی شریعت کے اصول کو پیش نظر رکھ کر ہر کام میں
اسباب کے ماتحت کوشش کریں۔

توکل کے تین رکن ہیں : اول، معرفت۔ دوم، حالت۔ سوم
اعمال۔ اب ان تینوں کو الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

رکنِ اول معرفت ہے۔ یعنی توحید حق جس کا اقرار کلمہ توحید سے
ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں
اسی کا ہلک ہے اور اسی کی حمد و ثنا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس میں
اس مضمون کا اقرار ہے کہ حق تعالیٰ قدرت اور وجود اور حکمت میں وہ کمال
رکھتا ہے جس کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے پس جس نے صدق اور اخلاص کے ساتھ
اس کا اقرار کر لیا اس کے قلب میں اصل ایمان راسخ ہو گیا اور اب توکل کی
حالت ضرور پیدا ہوگی بشرطیکہ صدقِ دل سے اقرار کیا ہو۔ اور صدقِ دل کے

یہ معنی ہیں کہ اقرار کے معنی قلب پر ایسے غالب آ جائیں کہ دوسرے مضمون کی اس میں گنجائش نہ رہے۔

دوسرا رکن حالِ توکل ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ اپنا کام خدا کے حوالے کر دے اور قلب کو مطمئن رکھے کہ غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہ کرے یعنی ایسا ہو جائے جیسا کہ کسی ہوشیار اور شفیق و غم خوار وکیل عدالت کو اپنے مقدمے میں وکیل بنا کر مطمئن اور بے فکر ہو جایا کرتے ہیں کہ پھر کسی دوسرے کی جانب دل ڈالو اور ڈول نہیں ہوتا کیوں کہ سمجھتے ہو کہ تمہارا وکیل ہر طرح عقل مند اور تمہارا خیر خواہ ہے۔ پس تمہارے حریف کو کبھی تم پر غلبہ نہ پانے دے گا اور مخالف سے اس کے سامنے بات ہی نہ کی جاوے گی۔ اسی طرح جب جانتے ہو کہ رزق اور موت و حیات اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سارے کام خدا ہی کے قبضہ میں ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں نہ اس کی جو دوستیا اور حکمت و رحمت کی انتہا ہے۔ پھر وجہ کیا کہ اپنے قلب کو مطمئن نہ بنائیں۔

تیسرا رکن اعمال ہیں، جاہلوں کا خیال ہے کہ توکل تو محنت و مزدوری اور کسب کو چھوڑ دینے کا نام ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بے کار بن کر بیٹھ جائے اگر بیمار ہو تو علاج نہ کرے بے سوچے سمجھے اپنے آپ کو خطرات اور ہلاکت میں ڈال دیا کرے کہ کہیں آگ میں گھس جائے اور کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دیدے تب متوکل کہلایا جائے حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے کیوں کہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے اور شریعت ہی توکل کی خوبیاں بیان کر رہی ہے

پھر بھلا جس بات کو شریعت خود حرام بتلائے اسی کی رغبت اور حرص
دلالتے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔

اس کی عنایتوں اور وعدوں اور اپنی گذشتہ
کامیابیوں کا یاد کرنا اور سوچنا۔

طریق تحصیل توکل

ترک کرنا شہوات کا۔

حقیقت قناعت

طریق تحصیل قناعت مراقبہ فنائے عالم۔

نفس کا ناگوار بات پر بھڑکنے سے رکننا۔

حقیقت حلم

غضب کا زائل کرنا، اور غصہ کے علاج کو بار بار سوچنا
جو کہ اخلاقِ رزویہ کے بیان میں آ رہا ہے۔

طریق تحصیل حلم

صبر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا يَعْنِي اءِ اِيْمَانِ وَالْوَصِيْرُ كِرْوَاوِر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ أَنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَ لَيْسَ ذَا إِلِكِ لِأَحَدٍ إِلَّا
لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءٌ شَكَرَ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءٌ صَبَرَ
فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ۔ (رواہ مسلم)

یعنی مومن پر تعجب ہے کہ اس کی ہر بات بہتر ہے اور یہ کسی کو متیر نہیں
مگر مومن ہی کو اگر اس کو خوشی پہنچے، شکر کیا اور اگر اس کو سختی پہنچے صبر کیا
پس اس کے لئے بہتر ہے۔

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک دین پر ابھارتی ہے
حقیقت صبر
 دوسری ہوائے نفسانی پر سو محرک دینی کو محرک ہوا پر
 غالب کر دینا صبر ہے، اور اس کی حقیقت ہے **حَبْسُ النَّفْسِ عَلَى مَا تَكْرَهُ**

یعنی ناگوار بات پر نفس کو جمانا اور مستقل رکھنا آپے سے باہر نہ ہونا۔

صبر کی تین قسمیں ہیں: اول صبر علی العمل، یعنی عمل کی پابندی
تشریح
 پر صبر۔ دوم صبر فی العمل یعنی کسی عمل کے کرتے وقت صبر۔ سوم
 صبر عن العمل یعنی کسی عمل کے نہ کرنے پر صبر،

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا یعنی اس پر جم جانا
 اور قائم رہنا۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرنا، اور بلا ناغہ ان کو ادا
 کرتے رہنا۔

اور صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات
 کرنے سے روکنا، طاعات بجالانے کے وقت ان کے ارکان کو مع آداب
 کے اطمینان سے ادا کرنا اور ہمتن متوجہ ہو کر کام کو بجالانا، مثلاً نماز پڑھنے
 کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ تم اتنی دیر تک
 بیوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف
 توجہ کرنا فضول ہے۔ اتنی دیر تک تجھ کو نماز یا ذکر ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔

تیسری قسم ہے صبر عن العمل یعنی نفس کو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی باتوں سے روکنا۔

نیز حالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ نعمت اور مصیبت۔
 نعمت سے مراد ہوتی ہے اور مسرت کی وجہ سے منعم کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے۔ بخلاف مصیبت کے کہ اس میں ناگواری ہوتی ہے اور صبر کا موقع مصیبت ہے اور مصیبت کہتے ہیں اس حالت کو جو نفس کو ناگوار ہو اس کی دو قسمیں ہیں : ایک صورت مصیبت دوسری حقیقت مصیبت جس سے انقباض اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے اور حقیقت مصیبت ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو، تسلیم و رضا زیادہ ہو۔ وہ حقیقت میں مصیبت نہیں، گو صورت مصیبت کی ہے۔ عارفین کو مصیبت کا احساس تو ہوتا ہے بلکہ بوجہ ادراک لطیف ہونے کے دوسروں سے زیادہ احساس ہوتا ہے۔ مگر ان کا رنج و غم حد سے نہیں بڑھتا کیوں کہ اس میں ان کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

مصائب سے بہت سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ حق تعالیٰ اپنے بندے کو خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرمانا چاہتے ہیں جس کو وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت یا مرض میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ جس سے وہ اس درجہ عالیہ کو پالیتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں اہل مصائب کو دیکھ کر اہل نعمت کہیں گے کہ کاش ہماری کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔ تاکہ آج ہم

کو بھی یہ درجات ملتے جو اہل مصائب کو عطا کئے گئے ہیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا انتقام خود لے لیتا ہے تو حق تعالیٰ معاملہ اسی کے سپرد کر دیتے ہیں اور جو صبر کرتا ہے اس کی طرف سے حق تعالیٰ انتقام لے لیتے ہیں۔ کبھی دنیا میں مزا چکھا دیتے ہیں اور کبھی آخرت پر پوری مزا کو ملتوی رکھتے ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

مطلب یہ ہے کہ مصیبت اور غم کے وقت زبان کو اِنَّا لِلّٰهِ کے ورد میں مشغول کیا جائے اور دل کو اس کے معنی کے تصور میں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور مالک کو ہر قسم کے تصرف کا اپنے مملوک میں اختیار ہے غلام کو چاہیے کہ مالک کے تصرف پر راضی رہے اس لئے اس موقع پر تصرف حق پر راضی رہنا چاہیے۔ مصیبت کے وقت اول تو اپنے گناہوں کو یاد کریں تاکہ اپنی خطاؤں کا استحضار ہو کر مصیبت سے پریشان نہ ہو، کیوں کہ اپنی خطاؤں پر جو سزا ہوتی ہے اس سے دوسرے کی شکایت نہیں ہوتی بلکہ انسان خود نادوم ہوتا ہے کہ میں اسی قابل تھا، پھر اجر کو یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے یاد کر کے غم کو ہلکا کریں اور مصیبت میں ثابت قدم رہیں خدا تعالیٰ کی شکایت نہ کریں، کوئی بات ایمان اور اسلام کے خلاف زبان و دل پر نہ آئے اور یہ مت سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں کیوں کہ یہ خیال خطرناک ہے۔ اس سے تعلق ضعیف ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے۔

مصائب کو سزا سمجھیں یا آزمائش سمجھیں اور اس کے ثواب کو یاد کریں
 شریعت نے مصیبت کے وقت صبر و تحمل کی تعلیم دی ہے۔ اسی پر کار بند رہیں
 اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے اس
 میں نفع ضرور ہوگا۔ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی، اگرچہ دنیوی نفع ابھی
 سمجھ میں نہ آوے۔

طریق تحصیل صبر | قوت ہوی یعنی خواہشات و جذبات نفسانی کو
 ضعیف و کم زور کرنا۔

شکر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔
 وَاشْكُرُوا لِي - اور میرا شکر کرو۔
 اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 اِنْ اَصَابَتْهُ سَاءَةٌ شَكَرَ - (رواہ مسلم)
 یعنی اگر اس کو خوشی پہنچی شکر کیا۔

شکر کی حقیقت | نعمت کو منعم حقیقی کی طرف سے سمجھنا جس کا اثر
 منعم سے خوش ہونا اور تعمیل حکم میں سرگرمی کرنا ہے

تشریح | نعمت کو منعم حقیقی کی طرف سے سمجھنے سے دو باتیں ضرور پیدا
 ہوتی ہیں۔ ایک منعم سے خوش ہونا اور دوسرے اس

کی خدمت گزاری اور امتثالِ اِوامر میں سرگرمی کرنا یعنی جو حالتِ طبیعت کے موافق ہو خواہ اختیاری ہو خواہ غیر اختیاری ہو اس حالت کو دل سے خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھنا اور اس پر خوش ہونا اور اپنی لیاقت سے اس کو زیادہ سمجھنا اور زبان سے خدا تعالیٰ کی تعریف کرنا اور اس نعمت کا جو ارج یعنی اعضا سے گناہوں میں استعمال نہ کرنا بلکہ اس نعمت کو اس کی رضا مندی میں استعمال کرنا شکر ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا کیا چیز کس کس کام کیلئے پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے پڑھنے اور آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوقات کا اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو اور خالق برتر کی عظمت و کبریائی سے آگاہی ہو نیز ستر کے دیکھنے اور غیر عورت پر نظر ڈالنے سے اور دیگر ممنوعات سے روکے رکھے۔ اسی طرح کان ایک نعمت ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ذکر الہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال کرے، جو آخرت میں نفع دیں اور بچو اور لغو اور فضول کلام سننے سے روکے زبان کو یادِ خدا، حمد و ثنا اور اظہارِ شکر میں مشغول رکھے اور تنگ دستی یا تکلیف میں شکوہ شکایت سے باز رکھے کہ اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت کا کلمہ زبان سے نہ نکلنے پائے، کیوں کہ شہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل اور بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکالنی جو کچھ بھی نہیں کر سکتا بالکل

فضول اور مصیبت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ نکل گیا تو طاعت میں شمار ہوگا صرف زبانی الحمد للہ کہنا جب کہ دل میں منعم اور نعمت کی قدر نہ ہو محض درجہ عنوان میں ہے یہ چھلکا ہے جس میں گری نہیں، یعنی محض الفاظ شکر ہیں، معنی شکر نہیں اور جب معنی شکر نہیں تو اس کی مثال بادام کے نرے چھلکے جیسی ہے جس میں گری نہ ہو کہ محض چھلکے کو بادام نہ کہیں گے۔ اسی طرح ہر عمل کا ایک مغز اور روح ہے اور ایک پوست اور صورت ہے۔ پس شکر کی روح یہ ہے کہ منعم اور نعمت کی دل سے قدر ہو۔ ابتدائی درجہ شکر تو مرتبہ عقلی ہے کہ حق تعالیٰ کو منعم حقیقی جانے اور عقلاً اس کی قدر پہچانے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس کا اثر طبع اور جوارح اور حرکات و سکنات میں نمایاں ہو یعنی تمام اعتقادات عبادات معاملات اخلاق و معاشرت وغیرہ شریعت کے مطابق ہوں۔

طریق تحصیل شکر | حق تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنا اور یاد کرنا اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جاننا اس سے رفتہ رفتہ حق تعالیٰ کی محبت ہوگی اور شکر کا درجہ کامل نصیب ہو جائے گا۔

صدق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَ

جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ هُمُ
الصَّادِقُونَ۔

یعنی مومن تو وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لائے، پھر کچھ تر دو نہیں کیا اور اپنی جان و مال سے اللہ تعالیٰ کی
کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ پورے سچے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَهُوَ
يَلْعَنُ بَعْضَ رَقِيقِهِ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَقَالَ لِعَائِنِ وَمِثْلَيْهِ
إِلَى قَوْلِ أَبِي بَكْرٍ لَا أَعُوذُ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
پر گذر ہوا وہ اپنے کسی غلام پر لعنت کر رہے تھے آپ ان کی طرف
متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ صدیق اور پھر لعنت کرنے والے پھر حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا۔

جس مقام کو حاصل کرے کمال کو پہنچا دے کہ
اس میں کسر نہ رہے۔

حَقِيقَتِ صِدْقٍ

تشریح صدق کے معنی پختگی کے ہیں اور اسی لیے ولی کامل کو
صدیق کہا جاتا ہے، کیوں کہ وہ تمام احوال و افعال و
اقوال میں مرتبہ رسوخ حاصل کر چکا ہے شریعت میں صدق عام ہے افعال
کو بھی، اقوال کو بھی، احوال کو بھی، اقوال کا صدق تو یہ ہے کہ بات سچی

وسچی ہو یعنی واقعہ کے مطابق ہو جو شخص اس صفت سے موصوف ہو اس کو صادق
 الاقوال کہتے ہیں اور افعال کا صدق یہ ہے کہ ہر فعل مطابق امر ہو، حکم شرعی کے
 خلاف نہ ہو، پس جس شخص کے افعال ہمیشہ شریعت کے موافق ہوں اس کو
 صادق الافعال کہا جاتا ہے اور احوال کا صدق یہ ہے کہ احوال سنت کے مطابق ہوں
 پس جو احوال خلاف سنت ہیں وہ احوال کا ذبہ ہیں اور جس شخص کے احوال و کیفیات
 سنت کے مطابق ہوتے ہیں اس کو صادق الافعال کہتے ہیں نیز صدق احوال میں یہ بھی
 ہے کہ وہ احوال ایسے ہوں جن کا اثر صاحب حال پر باقی رہے یہ نہ ہو کہ
 آج ایک حالت پیدا ہوئی، پھر زائل ہو گئی اور اس کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہا
 یہ مطلب نہیں کہ احوال کا غلبہ ہمیشہ رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ
 رہنا چاہیے کہ جو حالت طاری ہو وہ مقام ہو جائے خلاصہ یہ ہے کہ جس طاعت
 کا ارادہ ہو اس میں کمال کا درجہ اختیار کیا جائے۔ مثلاً نماز کو اس طرح پڑھنا
 کہ جس کو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اس کو مع آداب ظاہرہ و باطنہ
 کے ادا کرنا اسی طرح تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا
 ہے اس کا اختیار کرنا صدق ہے۔

طریق تحصیل صدق

صدق ماہ الکمال کے جانے پر موقوف

ہے لہذا ہمیشہ نگران رہے اگر کچھ کمی ہو جائے اس کا تدارک کرے
 اسی طرح چند روز میں کمال حاصل ہو جائے گا۔

تفویض

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَ اَفْوِضْ اَمْرِي اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِعَمَلِ الْعِبَادِ

یعنی اور میں اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ
سب بندوں کا نگران ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَحْدِثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ وَاِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا
تَحْدِثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ۔

مطلب یہ ہے کہ جب صبح کرو تو شام کے متعلق اپنے دل میں خیال

نہ لاؤ اور جب شام کرو تو صبح کے متعلق اپنے دل میں خیال نہ لاؤ۔

اپنے کو خدا کے سپرد کر دینا کہ جو وہ چاہیں تصرف

کریں اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرنا یعنی خدا

کے سوائے کسی پر نظر نہ رکھے، تدبیر کرے اور نتیجے کو خدا کے سپرد کر دے

تفویض کے معنی ترک تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ

ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھیں تدبیر کرے

اور تدبیر کے نتیجہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرے اور جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق

و دخل نہیں ان میں تو ابتداء ہی سے تفویض و تسلیم اختیار کرے، اپنی طرف

سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ کرے۔ تجویز ہی تمام پریشانیوں کا سبب ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہئے پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے غیر اختیاری ہوتا ہے تو غیر اختیاری امور کے لئے نظام تجویز کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ اسی لئے اہل اللہ نے تجویز قطع کر کے یہ مذہب اختیار کر لیا ہے۔

زندہ کنی عطا تو ور نکشی فدائے تو

دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضا تو

یعنی زندہ کریں تو آپ کی عطا ہے اور اگر موت دیں تو بھی آپ پر فدا چونکہ جب دل ہی آپ پر آگیا ہے تو اب جو بھی آپ کی مرضی ہو تسلیم ہے۔

الغرض اپنی تجویز کو دخل نہ دے اسی طرح تربیت کے سلسلہ میں بھی اپنی تربیت کو خدا کے سپرد کرے کہ جس طرح چاہے وہ تربیت کرے حالات و کیفیات عطا کریں یا سب کو سلب کریں اپنی تجویز کو خدا تعالیٰ کی تجویز میں فنا کر دیں یعنی کامل عبدیت اختیار کریں۔

طریق تحصیل تقویٰ
جب کوئی خلاف طبع ناگوار واقعہ پیش آوے
تو فوراً یہ سوچے کہ یہ حق تعالیٰ کا تصرف ہے

جس میں حکمت ضرور ہے اور مصلحت ہے۔ ابتداء میں تکلف سے یہ بات حاصل ہوگی، پھر سوچتے رہنے سے تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے اور پھر یہ

حالت اہل اللہ کے لئے طبعی بن جاتی ہے۔

رَضَا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا
اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رَضَاهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاحْمَدٌ۔
یعنی آدمی کی سعادت سے ہے راضی رہنا اس پر جو اس کے لئے اللہ نے
مقرر کر دیا ہو۔

رَضَا کی حقیقت

قضا پر اعتراض نہ کرنا نہ زبان سے نہ دل سے۔

تشریح

رَضَا بر قضا کا بعض مرتبہ ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی
محسوس نہیں ہوتی، پس اگر الم کا احساس ہی نہ ہو تو

رَضَا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رَضَا عَقْلِي ہے۔ اول
رَضَا طبعی حال ہے جس کا بندہ مکلف نہیں اور ثانی رَضَا عَقْلِي مقام ہے

جس کا بندہ مکلف ہے۔ قضا پر راضی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف

کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہوتی ہے مگر چونکہ عقل نے اس کے بہتر

انجام یعنی بننے والے ثواب پر مطلع کر دیا ہے اس لیے طبیعت اس تکلیف کو بلا تکلف گوارا کرتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کیلئے تلخ دوا بتائے یا اپریشن کرانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا اور اپریشن کرنا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اس کے ساتھ ہی عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے لہذا وہ ان تکلیف دہ باتوں کے بتانے والے طبیب سے راضی بلکہ اس کا احسان مند و ممنون رہتا ہے اسی طرح جو شخص سچے دل سے اس کا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجر مرحمت ہو گا اور ہر مصیبت و صدمہ پر اس قدر ثواب عطا ہو گا جس کے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو اس یقین سے وہ ضرور مسرور و شادمان ہو گا جس وقت مولائے حقیقی کی جانب سے جو عطا ہوتا ہے اس وقت کے وہی مناسب ہوتا ہے، اس کے خلاف کی تمنا نہ چاہیے جب اللہ تعالیٰ لفظ ہمارے نقصانات ہی کو بہتر سمجھ رہے ہیں تو ہم کو اس میں صدمہ کی کون سی بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جیسا بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا گو ہر شخص دوسروں کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھے اور سوچے تو اس کو معلوم ہو گا کہ میرے لئے مناسب حالت وہی ہے جس میں خدا تعالیٰ نے مجھ کو رکھا ہے۔ البتہ دعا کرنا خلاف رضا نہیں۔ اہل اللہ محض حکم کی وجہ سے اظہارِ عیدیت کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ

ہم نے جو مانگا ہے ضرور وہی مل جائے، بلکہ ہر حال میں خدا کی رضا پر راضی رہتے ہیں خواہ قبول ہو یا نہ ہو۔ قبول نہ ہونے سے شاکہ اور تنگ دل نہیں ہوتے ہیں یہی رضا کی علامت ہے۔

طریقِ تحصیلِ رضا یہ آثارِ محبت سے ہے اس لیے اس کے واسطے خدا کا نہ طریق نہیں ہے۔ محبت کے ساتھ ہی رضا بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

حقیقتِ فنا افعالِ ذمہ و ملکاتِ رذیلہ و رذیلہ کا زائل ہو جانا یعنی معاصی کا ترک اور قلب سے حُبِّ غیرِ اللہ حرصِ طولِ اہل کبر و عجبِ ریا و غیرہ کا نکل جانا اور ملکہِ یادداشت کا راسخ ہو جانا کہ غیر اللہ کے ساتھ تعلقِ عملی نہ رہے۔

طریقِ تحصیلِ فنا مجاہدہ و کثرتِ ذکرِ لسانی و قلبی ہے۔

حقیقتِ فنا اس فنا کا بھی علم بعض اوقات نہیں ہوتا یہ فنا الفنا ہے، اس کو بقا بھی کہتے ہیں یعنی وہ بے خودی جو فنا کہلاتی تھی جاتی رہی۔ فنا سے صفاتِ بشریہ کو قربِ نوافل و فنارِ ذات کو قربِ فرائض بھی کہتے ہیں یعنی جیسا التفات اور استحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا۔ غیر سے ذہول ہو گیا پھر اس میں کسی کو صحو بھی ہو جاتا ہے، کسی پر سکر غالب ہو جاتا ہے کوئی مجذوبِ محض ہو جاتا ہے۔ نیز فنا کے اضداد یعنی افعالِ حسنہ کا طبعی بن جانا اور اخلاقِ حمیدہ میں ملکہِ راسخ

ہو جانا اور اسی کو بقا بھی کہتے ہیں۔

طریق تحصیل فنا و الفنا

ذکر و فکر میں مداومت رکھنا۔ (رتبہ بہ)

یہاں تک اخلاقِ حمیدہ کا بیان تھا اب آگے

اخلاقِ رذیلہ کو بیان کیا جاتا ہے۔

اخلاقِ رذیلہ

حرص

ارشادِ باری ہے

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ

زُخْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

یعنی اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف مت بڑھاؤ جس سے ہم نے نفع

دیا ان کافروں کے مختلف گروہوں کو آرائشِ زندگی دیا کی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَهْرُمُ ابْنَ آدَمَ وَيَشْيِبُ مِنْهُ اِثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ

وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ (متفق علیہ)

یعنی آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور اس کی دو چیزیں بڑھتی رہتی ہیں

مال پر حرص کرنا اور عمر پر حرص کرنا۔

حقیقتِ حرص | مال وغیرہ کے ساتھ قلب کا مشغول ہونا۔

تشریح | حرص تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ یہ ایسا مرض ہے کہ اس کو
 اُمُّ الْأَمْرَاضِ کہنا چاہیے کیوں کہ اسی کی وجہ سے جھگڑے

فساد ہوتے ہیں، اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں، اگر لوگوں میں
 حرص مال نہ ہو تو کوئی کسی کا حق نہ دباؤ۔ بدکاری کا منشاء بھی لذت کی
 حرص ہے۔ اخلاقِ ذلیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے، کیوں کہ عارفین کا قول
 ہے کہ تمام اخلاقِ ذلیلہ کی اصل کبر ہے اور کبر ہوس جاہ ہی کا نام ہے پس کبر کا منشاء بھی حرص
 ہوا انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ اگر اس کے پاس مال کے دو جنگل بھی ہوں جن
 میں سونا، یا چاندی پانی کی طرح بہتے ہوں پھر بھی وہ تیسرے کا طالب ہوگا
 جتنا ہوس کو پورا کرو گے اتنا ہی بڑھے گی جیسا کہ خارش والا جتنا کھلاتا ہے
 خارش بڑھتی رہتی ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اُمُّ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمْنَىٰ یعنی بھلا انسان کی
 ہر آرزو پوری ہو سکتی ہے یعنی کبھی پوری نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ
 کبھی حرص کو راحت نہیں مل سکتی اس کی ہوس کے پیٹ کو مٹی کے
 سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی، کیوں کہ ایک آرزو ختم نہیں ہوتی کہ دوسری
 شروع ہو جاتی ہے اور جب تقدیر پر راضی ہی نہ ہو تو ہر کام میں یوں
 دل چاہتا ہے کہ یہ بھی ہو جاوے اور وہ بھی ہو جاوے اور سب امیدوں
 کا پورا ہونا دشوار ہے۔ اس لئے نتیجہ اس کا پریشانی ہی پریشانی ہے
 گو ظاہر میں اولاد اور مال سب کچھ ہو مگر حرص کا دل ہمیشہ پریشان
 رہتا ہے۔

طریقِ علاج | خرچ کو گھٹائے تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو، اور آئندہ
 کی فکر نہ کرے کہ کیا ہوگا اور یہ سوچے کہ حریص و طامع
 ہمیشہ ذلیل رہتا ہے۔

حقیقتِ طمع

خلافِ شریعت امور کو پسند کرنا خواہشِ نفسانی اور حقیقتِ شہوت
 ہے اس کا اعلیٰ درجہ کفر و شرک ہے وہ تو اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے اور
 جو ادنیٰ درجہ ہے وہ کمالِ اتباع سے ڈگمگا دیتا ہے۔ ہر طمع و خواہشِ نفسانی
 میں یہ خاصیت ہے کہ راہِ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے۔
 ارشاد باری ہے۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

یعنی اور نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرنا اگر ایسا کرو گے تو وہ
 خدا کے رستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔

اور ارشادِ نبوی ہے۔

وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هُوَهَا وَتَمَنَّىٰ عَلَى اللَّهِ

یعنی عاجز وہ ہے جو اپنی خواہشات کی اتباع کرے اور پھر خدا
 سے نیک اجر کی امید رکھے۔

علاج طمع | مجاہدہ کرنا ہے، یعنی مخالفتِ نفس کی عادت ڈالنے
 تاکہ نفس کی جانی و مالی خواہشات و مرغوبات کو رضائے
 حق تعالیٰ کے مقابلے میں مغلوب رکھا جاسکے اور مجاہدہ نام ہے نفس کے
 تقاضوں کو روکنا بتکلف ہو یا بلا تکلف۔

غُصَّةٌ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ
 يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔

یعنی اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں کی تقصیرات سے درگزر
 کرنے والے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔
 اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَغْضَبْ (راوہ البخاری) یعنی غصہ مت کر۔

حقیقتِ غصہ | خونِ قلب کا بدلہ لینے کے لئے جوش مارنا غصہ ہے

تشریح | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا پہلوان اور طاقتور
 وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑے بلکہ قوی اور پہلوان وہ
 ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ ایک روایت میں ہے

قومی وہ ہے جو غصہ کا مالک ہو یعنی غصے پر غالب ہو، یہ نہ ہو کہ غصہ کے منشاء کے مطابق فوراً عمل کرے بلکہ اس کو شریعت کی تعلیم کے مطابق استعمال کرنے اس لئے کہ غصہ میں جوش پیدا ہونا طبعی امر ہے۔ اس میں ملامت نہیں مگر انسان کو خدا تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اس لئے اس کو روکنا چاہیے۔ اس اختیار کو صرف نہ کرنا انسانیت کے خلاف ہے۔ غصہ کو بھی حق تعالیٰ نے بہت سی مصلحتوں سے انسان کی سرشت میں داخل کیا ہے۔ اس سے بہت سے کام نکلے ہیں۔ لیکن اختیار کو بھی ساتھ ساتھ رکھ دیا ہے کہ جس جگہ غصہ کا کام ہو وہاں کام لے اور جو جگہ غصہ کے کام کی نہیں وہاں کام نہ لے۔

غصہ فی نفسہ غیر اختیاری ہے، لیکن اس کے اقتضاء پر عمل کرنا اختیاری ہے، اس لئے اس کا ترک بھی اختیاری ہے اور اختیاری کا علاج بجز استعمال اختیار کے کچھ نہیں گو اس میں کچھ تکلف و مشقت بھی ہو اسی استعمال کی تکرار اور مداومت سے وہ اقتضاء ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کے ترک میں زیادہ تکلف نہیں ہوتا البتہ اس اختیار کے استعمال میں کبھی قدرے تکلف ہوتا ہے

اسی لئے حدیث شریف میں ہے۔ لَا يَقْضِيَنَّ قَاضِي بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانَ۔ مطلب یہ ہے کہ حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کبھی نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ ملتوی کر دے اور تاریخ بڑھا دے، یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو اس میں معلم استاد اور گھر کا مالک بھی شامل ہے۔ لہذا غصہ کی حالت میں بچوں یا دیگر ماتحتوں اور کمزوروں کو کسی جرم پر بھی سزا دینے میں جلدی نہ کریں

بلکہ غصہ فرو کرنے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی جائے اور یاد رکھیں کہ جس حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا یہاں تک کہ اگر کافر ذمّی پر کوئی حاکم ظلم کرے تو حدیث میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے مطالبہ کریں گے۔ لہذا سزا دینے کے وقت احتیاط لازمی ہے اور اگر طبعی طور پر غصہ زیادہ ہو اور ذرا سی بات پر حد سے زیادہ غصہ آجاتا ہو کہ اس وقت عقل نہ رہتی ہو تو جس پر غصہ کیا جاوے بعد غصہ فرو ہو جانے کے مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑیں پاؤں پکڑیں بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھ لیں، ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آجائے گی۔ قول یا فعل میں ہرگز تعجیل نہ کریں، بہت کلف اس تقاضے کی مخالفت کریں۔ جب کوتاہی ہو جائے استغفار کریں اور اگر کسی شخص کے حق میں زیادتی و حدود شرعیہ سے تجاوز ہو گیا ہو تو اس سے معاف کرنا زبان سے اَعُوذُ بِاللّٰهِ پڑھیں اگر کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اور اگر بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں اور ٹھنڈے پانی سے وضو کر ڈالیں یا ٹھنڈا پانی پی لیں فوراً کسی کام میں لگ جائیں بالخصوص مطالعہ کتب میں مصروف ہو جائیں۔ اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو اس شخص سے علیحدہ ہو جائیں یا اس کو علیحدہ کریں، جیسا موقع ہو۔

یہ یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ پر زیادہ قدرت
طریق علاج ہے اور میں اس کی نافرمانی بھی کرتا ہوں، اگر
 وہ بھی مجھ سے یہی معاملہ کریں تو کیا ہو اور یہ سوچیں کہ بدون ارادہ

خداوندی کے کچھ واقع نہیں ہوتا سو میں کیا چیز ہوں کہ مشیتِ الہی سے مزاحمت کروں۔

دَرُوعُ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ، یعنی اور جھوٹی بات سے کنارہ کش

رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ (متفق علیہ)

یعنی ہمیشہ سچ بولو، جھوٹ مت بولو۔

تحقیقتِ دروغ خلاف واقعہ بات کہنا کذب ہے آدمی کے جھوٹے ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات سے بیان کر دے، بلا تحقیق بات کو نقل کر دے۔

تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ بولنے سے بچو کہ جھوٹ اور فجور ساتھ ساتھ ہیں اور یہ دونوں جہنم

میں ہیں اور فرمایا جھوٹی شہادت تین مرتبہ شرک کے برابر ہے۔ نیز دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے

اور دوسرا کھڑا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوسے کا ایک زبور ہے اور وہ اس بیٹھے ہوئے شخص کے گلے کو چیر رہا ہے یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے پھر وہ کلمہ درست ہو جاتا ہے، پھر وہ اس کے ساتھ ایسا ہی

کرتائے۔ میں نے اپنے ساتھی حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا تو
کہا وہ شخص جھوٹا ہے، اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے رہیں گے
یعنی قبر میں یہ عذاب ہوتا رہے گا۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی عورت نے اپنے
چھوٹے سے بچے کو بلایا اور کہا کہ آؤ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ اگر بلانے سے بچہ
آگیا تو کیا چیز دے گی؟ عورت نے کہا چھوہارہ دے دوں گی۔ آپ
نے فرمایا کہ اگر کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا صرف بہلانے کے لئے ایسا
لفظ نکتاً تو یہ بھی زبان کا جھوٹ شمار ہوتا۔

کلام میں احتیاط ہو بدون سوچے کوئی کلام نہ کرے
طریق علاج | استحضار قبل از وقت ہمت در عین وقت تدارک
بعد الوقت نیز اگر کوئی بات کبھی منہ سے خلاف شریعت نکل جاوے
تو فوراً خوب توبہ کرے۔

حسد

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدًا ۖ
یعنی تم کہو میں حاسد کے شر سے جب
وہ حسد کرے پناہ مانگتا ہوں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَحَاسَدُوا (رواہ البخاری)

یعنی آپس میں حسد نہ کرو۔

حقیقتِ حسد کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گذرنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہو جائے یہ حسد ہے۔

تشریح حسد کے تین درجے ہیں۔ ایک کیفیتِ انسانی ہے، جس میں انسان معذور ہے، ایک اس کے مقتضاً پر عمل ہے اس میں انسان مازور یعنی گنہگار ہے۔ ایک اس کے مقتضاً کی مخالفت ہے اس میں انسان ماجور ہے یعنی ثواب پانے والا ہے۔ حسد کا باعث عموماً تکبر و غرور ہوتا ہے یا عداوت و خباثتِ نفس کہ بلا وجہ خدا تعالیٰ کی نعمت میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے۔ البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا، اور یہ چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی ہی نعمت حاصل ہو جائے تو یہ غبطہ اور رشک کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے۔ حسد قلبی مرض ہے اس میں دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی۔ دین کا نقصان تو یہ ہے کہ اس کے کئے ہوئے نیک اعمال ساقط ہو جاتے ہیں۔ نیکیاں چلی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشان بن جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں، حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو
 جلا دیتی ہے اور دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا
 رہتا ہے اور اسی غم میں گھلتا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو دولت و افلاس
 نصیب ہو۔ اس طرح عذابِ آخرت بھی اپنے سر رکھا اور اپنی فناءت
 و آرام کی زندگی کو رخصت کر کے ہر وقت کی خلش اور دینوی کوفت خریدی
 اسی کو کسی نے کہا ہے : —

حاسد کو ایک دم نہیں راحت جہان میں
 رنجِ حسد ہے جان سے جب تک کہ جان میں

گو بتکلف سہی اس شخص کی خوب تعریف کیا کرو اور
 اس کے ساتھ خوب احسان و سلوک و تواضع سے

طریق علاج

پیش آؤ۔

بُخْلِ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يُبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ یعنی اور جو بخل کرتا ہے
 وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِنَ اللَّهِ بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِنَ

النَّاسِ قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ (رواہ الترمذی)

یعنی کنہوس اللہ تعالیٰ سے دُور ہے۔ جنت سے دُور ہے۔

لوگوں سے دور ہے، دوزخ سے قریب ہے۔

حقیقتِ بخل جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مروتاً ضروری ہو اس میں تنگ دلی کرنا بخل ہے۔

تشریح بخل کے دو درجے ہیں۔ ایک خلاف مقتضائے شریعت ہے اور یہ معصیت ہے اور دوسرا مقتضائے مروت

کے خلاف ہے اور معصیت نہیں ہے، لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔

فصیلت تو یہ ہے کہ یہ بخل بھی نہ ہو، نیز جو ضرورتیں انفاقیہ طور پر پیش آجائیں ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس مال کے ذریعے سے آدمی اپنی

آبرو کو بچائے وہ بھی صدقہ ہے۔ مثلاً کسی مال دار کو اندیشہ ہو کہ یہ

شاعر یا ڈوم یا مسجڑا یا بہرہ و پیہ تیری، جو کرے گا اور اگر اس کو کچھ میں

دے دوں گا تو اس کا منہ بند ہو جائے گا اور باوجود اس علم کے اگر اس

کو کچھ نہ دے تو وہ شخص بخیل سمجھا جائے گا۔ کیوں کہ اس نے اپنی آبرو

مخفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی اور بدگو کو بدگوئی کا موقع دیا۔ بخل بہت

بڑا مرض ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے

آپ کو بخل سے بچاؤ کہ اس نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا۔ پس مسلمان

کو شایان نہیں کہ بخل کرے اور جہنم میں جاوے اور چونکہ بخل درحقیقت

مال کی محبت ہے اور مال کی محبت دنیا کی طرف متوجہ کر دیتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا علاقہ ضعیف اور کمزور ہو جاتا ہے اور بنجیل مرتے وقت حسرت بھری نظروں سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً و قہراً آخرت کا سفر کرتا ہے، اس لئے کہ اس کو خالق جل جلالہ کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات پسند نہ کرے وہ جہنمی ہے۔

مال کی محبت کو دل سے نکالنا بذریعہ کثرتِ یادِ موت
طریقِ علاج کے۔

رِیَا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يُرَاءُونَ النَّاسَ (الایہ)

یعنی وہ لوگوں کو دکھلاتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَنَّ يَسِيرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ (رواہ ابن ماجہ)

یعنی بے شک تھوڑی ریا بھی شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لوگوں کے نزدیک اپنی

قدر ہونے کا قصد کرنا۔

تحقیقِ رِیَا

تشریح | ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعے سے وقعت اور منزلت کا خواہاں

ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیوں کہ عبادت سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا مندی ہے اور اب چونکہ اس مقصد میں دوسرا شریک ہو گیا کہ رضائے خلق اور حصول منزلت مقصود ہے لہذا اس کا نام شرک اصغر ہے۔ نیز آیت کریمہ

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا
وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا

اس میں مفسرین نے وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ کی تفسیر ریا نہ کرنے سے فرمائی ہے۔

سیدنا چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ تفسیر منطہری میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔ اَمَى لَا يُرَانِي بِعَمَلِهِ وَلَا يَطْلُبُ عَلَيَّ عَمَلِهِ اجْرًا مِّنْ اَحَدٍ غَيْرِهِ تَعَالَى جِزَاءً وَلَا ثَنَاءً یعنی اپنے عمل کو دکھلاوے کے لئے نہ کرے اور نہ اپنے عمل پر خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے کسی قسم کے بدلے یا تعریف کا طلب گار ہو۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو جزا دینا اور انعامات فرمائے گا تو ریاکاروں کو حکم دے گا کہ انہیں کے پاس جاؤ جن کے دکھلانے کو تم نمازیں پڑھتے تھے اور عبادتیں کیا کرتے تھے، اپنی عبادتوں کا ثواب اور طاعت کا صلہ بھی انہیں سے لو اور دیکھو

کیا دیتے ہیں؟

دوسری طویل حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کی عدالت میں نمازی، عالم اور سخی کی پیشی ہوگی اور تینوں اپنے جہاد فی سبیل اللہ تعلیم و تعلم اور مشغلہ علم دین اور اپنی خیرات و صدقات کا اظہار کریں گے۔

حکم ہوگا کہ یہ سب اعمال تم نے چونکہ محض دکھلاوے، اور نام آوری کے لئے اسی غرض سے کئے تھے تاکہ لوگ تمہیں کہیں کہ فلاں شخص نمازی ہے۔ فلاں شخص بڑا عالم ہے، فلاں شخص بڑا سخی ہے، سو یہ باتیں حاصل ہوئیں کہ دنیا میں تم کو شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں نے تم کو نمازی اور عالم اور سخی کہہ کر پکارا پھر جس مقصود کے لئے اعمال کئے تھے جب وہ حاصل ہو چکا تو اب کیا استحقاق رہا اور یہاں کیا چاہتے ہو۔ لہذا جاؤ جہنم میں۔ نیز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریا ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ قبول نہ فرمائے گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بگوشِ ہوش سنو اور بے پکڑو۔

لہذا کسی عمل میں نہ اظہار کا قصد کریں نہ اخفاء کا اپنے کام سے کام رکھیں اپنے اختیار سے ہر کام میں رضائے حق کا قصد اور اپنے اختیار سے رضائے خلق کا قصد نہ کریں بلا قصد کے اگر رضائے خلق کا وسوسہ یا خیال آوے تو اس کی مطلق پرواہ نہ کریں اور عمل سے پہلے مراقبہ و محاسبہ کرتے رہیں کہ اس میں میرا کیا قصد ہے آیا رضائے حق ہے یا رضائے خلق ہے اور نیت کو خالص کر کے عمل کیا کریں۔

طریق علاج | حُبِ جاہ کو دل سے نکالیں، کیوں کہ ریا اسی کا ایک شعبہ

ہے اور عبادت پر شیدہ کیا کریں، یعنی جو عبادت کہ جماعت سے نہیں
ہے اور جس عبادت کا اظہار ضروری ہے اس کے اندر ازالہ ریا کے لئے
ازالہ حُبِ جاہ کافی ہے۔

اور طریقِ مداخلے کا یہ ہے کہ جس عبادت میں ریا ہو اس کو کثرت
سے کریں، پھر نہ کوئی التفات کرے گا نہ اس کو یہ خیال رہے گا وہ چند
روز میں ریا سے عادت پھر عادت سے عبادت اور اخلاص بن جائے گی

عُجْب

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

إِذَا عَجَبْتُمْ كَثُرْتُمْ (الآیہ) یعنی جب کہ تم کو تمہارا زیادہ ہونا

بھلا معلوم ہوا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَأَمَّا الْهَلِكَاتُ فَهَوَىٰ مُتَّبِعٌ وَشَحٌّ مُطَاعٌ وَإِعْجَابُ الْمُرءِ

بِنَفْسِهِ وَهِيَ أَشَدُّ هُنَّ (رواہ البیهقی)

یعنی رہے ہلکات سو وہ خواہش ہے جس کی پیروی کی جائے

اور نجل ہے جس کے موافق عمل کیا جائے اور آدمی کا اپنے آپ کو اچھا

سمجھنا اور یہ سب سے بڑھ کر ہے۔

حقیقتِ عُجْب | اپنے کمال کو اپنی طرف نسبت کرنا اور اس کا خوف

تہ ہونا کہ شاید سلب ہو جائے۔ یہ عجیب ہے۔

تشریح | عجیب کی حقیقت یہ ہے کہ نفس کا ایک خفی کید ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ممتاز ہو کر رہے اور اس میں اس کو مزہ آتا ہے سو یہ عجیب ہے اور عجیب ایسی بُری چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے اس وقت اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہوئے اور اس کے چھین جانے کا خوف بھی دل میں رکھے اور اتنا ہی سمجھے کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلاں علم یا عمل کے سبب مجھ کو مرحمت فرمادی ہے اور وہ مالک و مختار ہے جس وقت چاہے اس کو مجھ سے لے لے تو یہ خود پسندی اور عُجَب نہیں ہے۔ کیوں کہ خود پسند شخص نعمت کا منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

عُجَب میں صرف ایک قید کم ہے یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے باقی سب اجزا وہی ہیں جو تکبر کے ہیں حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور اترتا ہوا چلتا ہے وہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضب ناک ہوگا۔ (مسند احمد)

طریق علاج | اس کمال کو عطا ئے خداوندی سمجھے اور اس کی قدرت کو یاد کر کے ڈرے کہ شاید سلب ہو جاوے دوسرا

علاج یہ ہے کہ کامل کا اعلیٰ درجہ پیش نظر رکھ کر غور سے اپنی لغزش اور کوتاہی ظاہری و باطنی دیکھے تاکہ اپنی بزرگی اور کمال کا گمان پیدا نہ ہو

تکبر

ارشادِ خداوندی ہے۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ یعنی تحقیق اپنی بڑائی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ

خُرْوَلٍ مِّنْ كِبْرٍ (رواہ مسلم) یعنی جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اپنے آپ کو صفاتِ کمال میں دوسرے سے بڑھ کر

تحقیقت کبر

سمجھنا۔

تشریح تکبر کے اقسام بہت ہیں اور اکثر ان میں بہت باریک اور مخفی ہیں کہ کسی کی نظر سوائے شیخ کامل کے وہاں تک

نہیں پہنچتی اور اس میں علمائے ظاہر کو بھی کسی محقق کی تقلید کرنی پڑتی ہے تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمالِ دینی یا دنیوی میں اپنے آپ کو باختر

خود دوسرے سے اس طرح افضل سمجھنا کہ اپنے مقابلے میں دوسرے کو
تقریباً سمجھے تو اس میں دو چیز ہوں گے اول اپنے آپ کو بڑا سمجھنا دوم دوسرے
کو تقریباً سمجھنا یہ تکبر کی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک تکبر
کی صورت ہے کہ اس میں سب اجزاء ہیں۔ بجز ایک جزو اختیار کے یعنی
بلا اختیار ان اجزاء کا خیال آگیا۔ یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اگر اس کے
بعد اس خیال کو با اختیار خود اچھا سمجھایا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے با اختیار خود
اس کو باقی رکھا تو یہ حقیقت کبر کی ہو جائے گی اور معصیت ہوگی اور یہ جو قید
لگائی ہے کہ دوسرے کو تقریباً سمجھے یہ اس لئے ہے کہ اگر وہ واقعی کوئی بڑائی
چھوٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں ہے
جیسا کہ ایک بیس برس کی عمر والا دوسرے کے بچے کو سمجھے کہ یہ عمر میں مجھ سے
چھوٹا ہے مگر اس کو تقریباً نہیں سمجھتا تو یہ کبر نہیں۔ الغرض جو شخص با اختیار
خود اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا سمجھتا ہے اس کا نفس پھول جاتا ہے
اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً دوسروں کو نظر حقارت سے
دیکھنا یا اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اس پر غصہ ہونا کوئی
اگر تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا کوئی اگر نصیحت کرے، تو ناک بھوں چڑھانا
حق بات کے معلوم ہونے کے بعد بھی اس کو نہ ماننا اور عوام الناس کو ایسی
نظر سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں۔

تکبر سے اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے یہ بہت بڑا مرض ہے۔
اور تمام امراض کی جڑ ہے۔ تکبر ہی سے کفر پیدا ہوتا ہے۔ تکبر ہی سے

شیطان گمراہ ہوا۔ اس لئے حدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تکبر کرنے والے کا بہت برا ٹھکانہ ہے۔ کبریائی میری چادر ہے پس جو شخص اس میں شریک ہوتا چاہے گا میں اس کو قتل کر دوں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں نہ جائے گا اور فرمایا کبر سے بچو، کبر ہی وہ گناہ ہے جس نے سب سے پہلے شیطان کو تباہ کیا اور فرمایا دوزخ میں اس قسم کے آتشین صندوق ہیں جن میں متکبروں کو بند کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرے تاکہ اپنے کمالات پہنچ
علاج کبر نظر آویں، اور جس شخص سے اپنے کو بہتر سمجھتا ہے
 اس کے ساتھ تواضع اور تعظیم سے پیش آوے تاکہ اس کا عادی ہو جاوے۔

تقدو کی نہ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ
 یعنی اختیار کرو۔ معاف کروینے کو اور حکم کرو اچھی بات کا اور

منہ موڑ لو جاہلوں سے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 وَلَا تَبَاغَضُوا یعنی آپس میں بغض نہ رکھو۔

حقیقت کینہ | جب غصہ میں بدلہ لینے کی قوت نہیں ہوتی تو
 اس کے ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف

سے دل پر ایک قسم کی گراہی کا ہو جانا۔

تشریح | کینہ صرف ایک عیب نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا
 بیج ہے۔ جب غصہ نہیں نکلتا تو اس کا خمار دل میں

بھرا رہتا ہے اور بات بڑھتی اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں یہ
 بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ کینہ یہ ہے کہ اپنے اختیار اور قصد
 سے کسی کی برائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے اور اس کو ایذا پہنچانے
 کی تدبیر بھی کرے۔ اگر کسی سے رنج کی کوئی بات پیش آوے اور
 طبیعت اس سے ملنے کو نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباضِ طبعی
 ہے جو گناہ نہیں۔

کینہ کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا کہ کینہ پرور بخشا نہیں جاتا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے
 پیر اور جہرات کو جب بندوں کے نامہ اعمال اللہ کے سامنے پیش ہوتے
 ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر استغفار کرنے والے کی مغفرت کر دیتا ہے، لیکن
 اہل کینہ کی مغفرت نہیں ہوتی۔

نیز فرمایا کہ ان دو آدمیوں کی بخشش نہیں ہوتی جن کے درمیان

عداوت و کینہ ہو۔ یہاں پر عداوت سے مراد وہ عداوت ہے جس کا مبنیٰ ناحق امور ہوں۔ اسی لئے اگر کسی مسلمان کو کسی سے دین کے متعلق خدا تعالیٰ کے واسطے دشمنی ہو تو یہ عداوت مستحسن، اور قابلِ اجر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں **الْحُبُّ لِلَّهِ وَالْبُغْضُ لِلَّهِ** کا امر ہے۔ جس شخص سے کینہ ہو اس شخص کا قصور معاف کر دینا اور اس سے میل جول شروع کر دینا گو تبکلف

طریقِ علاج

ہی ہو۔

حُبِّ جَاهِ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا
فِي الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

یعنی وہ جو دارالآخرت ہے ہم اس کو انہیں لوگوں کے لئے کریں گے، جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ اودھم مچانا اور انجام کار متقیوں ہی کے لئے ہے۔

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

مَا ذُبَّانِ جَابِعَانَ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بَأْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ
الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِينِهِ - (رواہ الترمذی)

یعنی دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلہ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اس گلہ کو اتنا تباہ نہیں کرتے جتنا آدمی کی حرص مال پر اور جاہ پر اس کے دین کو تباہ کر دیتی ہے۔

لوگوں کے دلوں کے مستخر ہونے کی خواہش
تحقیقتِ حُبِّ جاہ کرنا تاکہ اس کی تعظیم اور اطاعت کریں

تشریح حُبِّ جاہ ایسا مرض ہے کہ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے جب کوئی واقعہ پیش آوے اور گرانی ہو تب پتہ چلتا ہے کہ میرے اندر حُبِّ جاہ کا مرض ہے۔

یہ محض وہمی اور چھین جانے والا کمال ہے اور چھین جانے والا بھی ایسا کہ جو دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے۔ کیوں کہ جاہ دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا نام ہے جس کا مدار دوسرے کے خیال پر ہے وہ جب چاہے اپنا خیال بدل دے پس ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے مگر اس کے باوجود طالبِ جاہ خوش ہے کہ آہا لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ جاہ مذہبوم وہ ہے جو طلب اور خواہش سے حاصل ہو اور یہ وہ بلائے جو دین و دنیا دونوں کو مُہز ہے۔ دینی ضرر تو یہ ہے کہ جب آدمی دیکھتا ہے کہ دنیا مجھ پر فدا ہے تو اس میں عجب و کبر پیدا ہو جاتا ہے۔ آخر کار اس عجب و کبر کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اس میں آکر ہلاک ہو گئے۔ یہ تو دین کا ضرر ہوا۔

اور دنیا کا ضرر یہ ہے کہ مشہور آدمی کے حاسد بہت پیدا ہوتے

میں، پس صاحبِ جاہ کا دین بھی خطرہ میں رہتا ہے اور دنیوی خطروں کا بھی اندیشہ لگا رہتا ہے۔

ہاں جب حق تعالیٰ کی طرف سے بدون طلب کے جاہ حاصل ہو وہ نعمت ہے، کیوں کہ مال کی طرح انسان جاہ کا بھی بقدر ضرورت محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور بے خوف ہو کر باطمینان قلب عبادت میں مشغول رہ سکے، لہذا اتنی طلبِ جاہ میں مضائقہ نہیں یوں سوچے کہ یہ تعظیم و اطاعت کرنے والے رہیں

طریقِ علاج | گے اور نہ میں رہوں گا پھر ایسی موہوم اور فانی چیز پر خوش ہونا نادانی ہے۔

حُبِ دُنْيَا

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ الْغُرُورِ

یعنی اور نہیں ہے زندگانی دنیا مگر دھوکے کی ٹٹی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ (رواہ مسلم)

یعنی دنیا مومن کا قیدخانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

حقیقتِ دنیا | جس چیز میں فی الحال حظِ نفس ہو اور آخرت میں اس کا

کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو وہ دنیا ہے۔

تشریح ہر چند ہمارے اندر مختلف امراض پائے جاتے ہیں لیکن حسبِ فرمانِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصل تمام امراض کی صرف ایک ہی چیز حُبِ دنیا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ یعنی دنیا کی محبت تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور جڑ یعنی اصل مرض ہی بقیہ امراض کا سبب ہو کر قتی ہے اور اصل کے علاج کرنے سے جملہ امراض خود ہی دفع ہو جائیں گے جس میں حُبِ دنیا ہوگی اس کو آخرت کا اہتمام ہی نہ ہوگا اور جب آخرت کا اہتمام ہی نہ ہوگا تو وہ شخص نہ تو اعمالِ حسنہ کو انجام دے گا اور نہ برائیوں سے بچے گا اور اس کے برعکس جب آخرت کی فکر ہوتی ہے تو جرائم صادر نہیں ہوتے، کیوں کہ حُبِ دنیا میں فکرِ دین کم ہوتی ہے۔ جس درجہ کی حُبِ دنیا ہوگی اسی درجہ فکرِ دین کم ہوگی، اگر کامل درجہ کی حُبِ دنیا ہوگی تو کامل درجہ کی دین سے بے فکری ہوگی۔ جیسی کہ کفار میں ہے اور مسلمانوں میں جس درجہ کی حُبِ دنیا ہوگی اسی درجہ کی دین سے بے فکری ہوگی۔ مگر یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیے کہ حقیقت میں دنیا مال و دولت زن و فرزند کا نام نہیں بلکہ دنیا کسی ذمی اختیار کے ایسے مذموم فعل یا حالت کا نام ہے جو اللہ سے غافل کر دے خواہ کچھ بھی ہو، اسی کو کہا ہے

چسیت دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و تقرة و فرزند و زن

یعنی دنیا کیا ہے خدا تعالیٰ سے غافل ہو جانا نہ کہ مال و اسباب
اور چاندی اور اولاد اور بیوی۔

خلاصہ یہ ہے کہ طلبِ دنیا یعنی دنیا کہنا تو بری نہیں — لیکن
حُبِّ دنیا بری ہے۔ مال مثل پانی کے ہے اور قلب مثل کشتی کے
ہے اسی کو کہا ہے

آبِ دَرِ کَشْتِیِ ہَلَاکِ کَشْتِیِ اسْتِ

آبِ اَنْدَرِ زِیْرِ کَشْتِیِ پَشْتِیِ اسْتِ

یعنی پانی کشتی کا معین بھی ہے اور اس کو ڈبونے والا بھی ہے اس طرح
کہ کشتی سے باہر اور پیچھے رہے تو معین اور مددگار ہوتا ہے اور اگر کہیں پانی کشتی
کے اندر آجائے تو کشتی کو ڈبو دیتا ہے۔ اسی طرح مال ہے کہ اگر قلب
سے باہر صرف ہاتھ میں ہے تو معین ہے اور اگر قلب کے اندر اس کی
محبت ہے تو مہلک ہے جیسا کہ کہا ہے

مَالِ رَا کُو بَہْرُوں بَاشْدِ حَمُولِ

نَعْمَ مَالٌ صَالِحٌ کَفْتَشْ رَسُوْلِ

حدیث شریف میں ہے نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ یعنی نیک
آدمی کے لئے مال حلال بہت ہی اچھا ہے چونکہ مومن صالح اس مال میں
سے اقارب کو دے گا۔ ضروریاتِ دین میں چندہ دے گا، لوگوں کی مدد
کرے گا اور اگر دل میں مال کی محبت ہے تو اوروں کے حقوق دیا
دے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب فارس کا خزانہ آیا تو

آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ **ذُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ** اور فرمایا اے اللہ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اندر اس کی رغبت تو پیدا کی گئی ہے تو اس کا تو ازالہ نہیں چاہتے۔ مگر یہ دعا ہے کہ مال تیری محبت میں معین ہو جائے اور وہ دنیا نے مذموم جو آخرت سے غافل کرے اس کی مثال سانپ کی سی ہے جس کا ظاہر تو اچھا ہے اور نقش و نگار سے آراستہ ہے مگر اندر زہر بھرا ہوا ہے اسی کو کہتے ہیں

زہرا میں مارِ منقش قاتل است

باشد ازوئے دور ہر کو عاقل است

یعنی زہر اس نقش و نگار سے مزین سانپ قاتل ہے لہذا جو

بھی عاقل ہے وہ اس سے دور رہے گا۔

اگر بچے کے سامنے سانپ چھوڑ دیں تو وہ اس کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور اس کو پکڑ لیتا ہے، چونکہ اس کو یہ خبر نہیں کہ اس کے اندر زہر بھرا ہوا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ ہماری حالت بھی اس بچے کی سی ہے کہ ہم دنیا کی ظاہری آب و تاب نقش و نگار اور رنگ و روپ پر فریفتہ ہیں اور اندر کی خبر نہیں اور یہ بھی تجربہ ہے کہ سانپ جس قدر خوبصورت ہوتا ہے اسی قدر زہر ہلا ہوتا ہے۔ اسی لیے حقیقت شناس اس کی طرف رغبت نہیں کرتے دنیا کی حقیقت معلوم نہ ہونے سے لوگ اس پر فریفتہ ہو رہے ہیں اگر اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو سخت نفرت ہو جائے۔ چنانچہ حدیث

شرف میں ہے۔

لَوْ كَانَتْ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَّا سَقَى
كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً مَاءً -

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر پھر کے پر کے برابر بھی
ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتے چونکہ اللہ تعالیٰ
کے نزدیک اس کی قدر کچھ بھی نہیں ہے اس لیے مبعوض سے اپنے
دشمنوں کو دیتے ہیں اور حقیقت شناس آدمی ہمیشہ ایسی چیز سے گھبراتا
ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک مبعوض ہو۔

نیز جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو ایک مثال میں
بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَمَا لِي وَلِلدُّنْيَا إِنَّمَا مِثْلِي مِثْلَ رَاكِبٍ اسْتَضَلَّ بِشَجَرَةٍ

یعنی مجھ کو دنیا سے کیا علاقہ ہے میری مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی

سوار راستے میں جا رہا ہو۔ اور کسی

درخت کے سائے میں ستانے کیلئے ٹھہر جائے اور ستا کر اپنی راہ لے

موت کو کثرت سے یاد کرتے رہنا اور مدتوں کے لئے

طریق علاج

منصوبے اور سامان نہ کرنا اور نہ سوچنا۔

یہی وہ مقامات ہیں جو منتہائے سلوک میں ان سے نقد حال

مُوتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا۔ یعنی مرنے سے پہلے اپنے اندر مرنے والوں کے

اوصاف پیدا کروں کے معنی حاصل ہو جاتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے

کہ واصل بحق ہونے اور

وصول الی اللہ کے تین طریقے ہیں

۱۔ اَطْوَل

۲۔ اَوْسَط

۳۔ اَقْل و اقْرَب

اول اطول :

یہ ہے کہ کثرتِ صوم و صلوٰۃ قرأتِ قرآن پاک و حج و جہاد وغیرہ کرنا یہ طریق انبیاء کا ہے۔

دوم اوسط :

ان امور کے علاوہ مجاہدہ اور ریاضتِ اخلاق ذمہ کے ازالہ اور اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل میں مشغول ہونا اور اکثر اسی طریق سے واصل ہوتے ہیں، یہ طریق ابرار کا ہے۔

سوم اقل و اقرب :

طریقِ عشق کہ ریاضتوں اور صحبتِ نخلق سے گھبراتے ہیں۔ صرف ذکر، فکر، شکر اور درود شوق و اشتیاق ان کا کام ہوتا ہے اس سے

واصل بحق ہوتے ہیں۔ اسی طریق سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب اور تجلیہ روح میں مشغول ہوتے ہیں اور کشف و کرامات کو بعض ایک جو کے بھی نہیں خریدتے اور مَوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا پر مستقیم ہوتے ہیں۔ یہ طریق شطاریہ کا ہے

مَوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے ساتھ انطباق اور مرنے سے پہلے مرنے کی نوعیت یہ ہے کہ موت کے وقت مردے کے یہ احوال ہوتے ہیں توبہ۔ زہد۔ توکل۔ قناعت۔ عزت۔ توجہ الی اللہ۔ صبر۔ رضا۔ ذکر مراقبہ جو کہ شطاریہ کاشیوں ہے۔

توبہ یعنی ہر فعل بد سے نکل جانا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے زہد دنیا و مافیہا کا ترک کرنا، جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔ توکل اسباب ظاہرہ غیر عادیہ کا ترک کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے قناعت شہوات کا ترک کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے عزت خلق سے قطع کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے توجہ الی اللہ ماسوی اللہ سے اعراض کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے صبر ترک حظوظ کرنا جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے رضا رضائے نفس کو ترک کرنا اور رضائے حق پر راضی رہنا اور خدا کے حکم کو تسلیم کرنا۔ جیسا کہ بوقت موت ہوتا ہے، ذکر، ذکر غیر حق کو ترک کرنا اور یاد حق میں مشغول ہونا جیسا کہ بوقت موت ہوتا ہے۔ مراقبہ اپنے وقت کے بوٹنے کے خیال کا ترک کرنا جیسا کہ بوقت موت ہوتا ہے۔

یہ ہے مَوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ہونا کہ جو موت کے وقت حالت

ہوتی ہے۔ وہ حالتِ حیات میں نقدِ حال ہو کہ جسم دنیا میں ہو اور روح متوجہ
 با آخرت ہو اور واصلِ بحق ہو، مال و دولت ہفتِ اقلیم کی سلطنت ہاتھوں
 میں ہو پر دل سب سے فارغ ہو جس کی پہچان یہ ہے کہ ممنوعات و مکروہات
 شرعیہ سے قولاً و فعلاً و حالاً جو ارح و زبان کو بند کرے قلب کو ماسویٰ اللہ سے
 فارغ اور اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کرے یہی وہ مجالس سے پرہیز ہو۔ جو
 چیز طالب کو یادِ الہی سے باز رکھے وہی یہی وہ اور لا یعنی ہے۔ باطل لوگوں
 کی صحبت سے اجتناب کرے جو طالبِ خدا کا نہیں وہی باطل ہے۔ اے
 عزیز! یہ ہے۔ مَوْتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا مصداق جو کہ حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ آپ نے امت سے اس طرح رہنے کو چاہا ہے
 اخلاق کے رسوخ کی علامت یہ ہے کہ جس
 علاماتِ رسوخِ اخلاق | وقت جس خلق کا موقع پیش آوے اس وقت
 بلا التفات، بلا اختیار تدبیر فوراً یا ادنیٰ تدبیر سے اس خلق کا با محمل استعمال ہو

باب الخواطر

بندہ کے دل پر جو خطاب گزرتا ہے اُسے خاطر کہتے ہیں۔ وہ
 کبھی خیر ہوتا ہے کبھی شر ہوتا ہے کبھی خیر کا دل میں واقع ہونا کبھی من جانب
 اللہ ہوتا ہے، کبھی من جانب ملک جس کا نام ملہم ہے اور کبھی من جانب
 الشیطان اور شر شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، کبھی نفس کی طرف

سے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خیر ہوتا ہے وہ اکراماً ہوتا ہے۔ یا الزام
حجت کے لئے ہوتا ہے اور جو شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ امتحاناً
ہوتا ہے اور محنت میں ڈالنے کیلئے ہوتا ہے۔ ملہم کی طرف سے ہمیشہ خیر
ہی وارد ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ملک ملہم مرشدِ ناصح ہے۔ اس لئے اس
کو ساتھ کیا گیا ہے۔

شیطان کی طرف سے جو خیر ہوتا ہے وہ مکر و استدراج ہوتا ہے
صورتاً خیر ہوتا ہے۔ حقیقتاً شر مثلاً کسی اعلیٰ خیر سے روک کر چھوٹی خیر میں
مبتلا کرنا اور جو شر ہوتا ہے وہ اغواء اور استذلال (یعنی ذلیل کرنے کیلئے)
ہوتا ہے۔

نفس کی طرف سے جو شر ہوتا ہے تعسفاً یعنی بے راہ چلانے
کے لئے ہوتا ہے اور تمنعاً یعنی راہِ حق سے روکنے کے لئے ہوتا ہے
اور بہت کم خیر ہوتا ہے۔ مثل شیطان کے۔

علاماتِ فرق درمیان شرمن جانب اللہ و نفس و شیطان

جو شر اس طرح وارد ہو کہ نہایت مضبوط ہو اور ایک حالت میں جما
رکے نفس نہایت شدت سے اس کے کرنے پر بے قرار ہوتا ہو۔ تدابیر
دفع کی کرتا ہو، مگر کسی طرح دفع نہیں ہوتا وہ شرمن جانب اللہ ہے۔ اس
کا علاج بغیر اس کے کچھ نہیں کہ حق تعالیٰ کی درگاہ میں اعانت اور توفیق

طلب کرے اور تضرع اور گریہ و زاری رکھے اور اس قدر شدت نہ ہو مگر ایک حالت پر رہے وہ نفس کی جانب سے ہے اور اگر کسی گناہ کے بعد خطرہ شرفوت کے ساتھ پیدا ہو تو وہ من جانب اللہ عاصی کی اہانت اور اس گناہ کی ظلمت کی سزائیں ہے اور اگر گناہ کے بعد خطرہ شرفوت کے ساتھ نہ ہو، اول ہی اول ہو تب وہ شیطان کی جانب سے ہے، بشرطیکہ ذکر کرنے کی وجہ سے دفع ہو جائے یا کمزور ہو جائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ الشَّيْطَانَ جَاءَ لِمِمْ عَلَى قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَشَّ وَاِذَا غَفَلَ وَنَسِيَ كَمَا شَيْطَانِ اٰدَمَ كِي اَوْلَادِ كَيْ قَلْبِ پَرِيْ كِي جَمَا كَرِيْ بِيْطَا كِي، جب اللہ کا ذکر کرتا ہے، تو ہٹ جاتا ہے اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو وسوسے ڈالتا ہے۔

اور اگر وہ شرفوت کی وجہ سے دفع نہ ہو نہ کمزور ہو تو وہ نفس کی طرف سے ہے۔ جس طرح کہ شیطان کو خطرہ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ۝۔ یعنی آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے، نفس کی جانب سے تھا جس کا وسیعہ نہ اس کا ذکر کر سکا اور نہ حق تعالیٰ کی تلقین و تذکیر سے ہوا اس کا سبب عبودیت اور عجز کا نہ ہونا تھا۔

نیز مشاہدہ سے محرومی تھی وہ طاعت و عبادت محض جسمانی تعب تھا، قلبی مشاہدہ نہ تھا کیوں کہ بعد مشاہدہ حجت کا پیش کرنا نہیں ہوتا

بلکہ تعمیل میں تسلیم و رضا ہوتی ہے یہ کیف و لمّ مشاہدے سے قبل ہی ہوا کرتے ہیں۔ علاماتِ فرق درمیان خیر من جانب اللہ تعالیٰ و ملک ملہم، جو خیر۔ قوت اور صمیم قلب کے ساتھ وارد ہو کہ اس پر بلا عمل کے چین نہیں آتا یا وہ خیر مجاہدہ اور طاعت کے بعد ہو یا وہ خیر اصول اور اعمال باطنہ میں سے ہو تو وہ من جانب اللہ ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قریب ثواب یعنی جنت کے رستے ضرور دکھاویں گے، یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے اور اگر ایسی قوت و حالت نہ ہو یا بدون مجاہدہ ابتداءً ہو یا فروعِ اعمال ظاہرہ کے متعلق ہو تو وہ خیر من جانب ملہم ہے علاماتِ فرق درمیان خطرہ خیر من جانب اللہ تعالیٰ و من جانب الشیطان جو خطرہ خیر اس طرح وارد ہو کہ اس سے نشاطِ بلا خوف ہو اور عجلتِ بلا رکاوٹ ہو اور عملِ بلا نظرِ انجام ہو وہ من جانب الشیطان ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ عجلت من جانب الشیطان ہے مگر پانچ مواقع میں نکاحِ باکرہ ادا کرنا، تہنیتِ اہتمام، توبہ از گناہ۔ اور اگر خطرہ خیر کا وارد ہونا اس طرح نہ ہو بلکہ نشاط مع الخوف اور انجام پر نظر ہونے کے ساتھ ہو تو وہ من جانب اللہ تعالیٰ ہے اور من جانب ملک بھی کہا جاتا ہے۔

خوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس خیر کے پورے طور پر ادا ہونے اور اس کو اس کے حق کے طریق پر ادا

تنبیہ

ہونے کا خوف ہو، نیز قبول ہونے نہ ہونے کا احتمال ہو کر خوف ہو انجام پر نظر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے متعلق رشد و خیر اور ثواب آخرت میں دیکھنے اور امید رکھنے پر نظر ہو، دوسرا مطلب اور غرض نہ ہو۔

تنبیہ | بلہم ایک فرشتے کا نام ہے جو دائیں جانب ابن آدم کے قلب پر جما بیٹھا ہے اور دوسرا ایک شیطان کا نام ہے جو بائیں جانب ابن آدم کے قلب پر جما بیٹھا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

إِذَا وُلِدَ ابْنُ آدَمَ مَوْلُودَ قَرْنِ اللَّهِ مَلَكًا وَقَرْنَ
بِهِ شَيْطَانًا فَالشَّيْطَانُ جَائِمٌ عَلَى أُذُنِ قَلْبِ ابْنِ
آدَمَ الْأَيْسَرُ وَالْمَلِكُ جَائِمٌ عَلَى أُذُنِ قَلْبِهِ الْأَيْسَرُ
يَمْنٌ فَهُمَا يَدْعُوَانِهِ۔

یعنی جب بھی انسان کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ پیدا فرماتے ہیں اور ایک شیطان بھی، شیطان تو اس کے قلب کی بائیں جانب بیٹھا جاتا ہے اور فرشتہ اس کے قلب کی دہنی جانب پر اور وہ دونوں اس کو اپنی اپنی طرف بلا تے ہیں۔

تنبیہ | شیطان کے خطرے اور شر کو دفع کرنے کے لئے معمولی توجہ اور ذکر اور لاجول کا ورد کفایت کرتا ہے، کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا یعنی واقع میں شیطانی تدبیر لچر ہوتی ہے۔ اصل علاج شیطانی وساوس کا یہ ہے کہ قطعاً اس طرف التفات نہ ہو اور التفات نہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ

ان وساوس پر مغنوم و متفکر نہ ہو، بلکہ وسوسہ سے پہلے جو حال تھا اسی طرح رہے بلکہ وسوسے کا آنا اپنے مومن ہونے پر دلیل سمجھ کر مسرور ہو چنانچہ صحابہ کرامؓ نے جب وساوس کے آنے پر اپنا حال ذکر کیا کہ یا رسول اللہ اب تو ایسے وسوسے آتے ہیں کہ اس سے تو ہمارا جیل کر کوئلہ ہو جانا اچھائے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ذَٰلِكَ صِرَیحُ الْإِيْمَانِ يَه كُھْلِي هُوْنِي اِيْمَانِ كِي دِيْلِي هِي۔
چور وہیں آتا ہے جہاں کچھ ہوتا ہے البتہ ہوائے نفس کے دفع کے واسطے بہت ہی جدوجہد اور اس پر عنیظ و تہر کی ضرورت ہے اس لئے ہوائے نفس کے دفع کے تین طریق ہیں۔

اول شہوات سے روکنا اس کی خوراک اس کو نہ دی جائے اس کی خواہشات بمقاومتِ نفس پوری نہ کی جائے جیسے کہ چویا یہ نشہ زور کا جب چارہ روک دیا جاتا ہے یا کم کر دیا جاتا ہے، تو نرم پڑ جاتا ہے، اسی طرح خواہشِ نفس بھی آہستہ آہستہ مضحمل ہو کر منقطع ہو جاتی ہے دوم عبادت کا بوجھ اس پر لا دنا، جس طرح گدھا کہ جب اس کو چارہ کی کمی کے ساتھ بوجھ زیادہ لادا جاتا ہے تو پست و تابع اور منقاد ہو جاتا ہے، دوتی نہیں پھینکتا، اسی طرح نفس پر عبادتِ نافعہ کا بوجھ ڈالا جائے تو وہ رام ہو جاتا ہے۔ کشاکشی سے نکل جاتا ہے۔

سوم استعانت باللہ اور تفرغ الی اللہ عزوجل جیسا کہ فرمایا۔
اِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَّةً بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ يَعْنِي نَفْسِ تُوْہِرَا يَكُو

کا بُری ہی بات بتلاتا ہے۔ بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔
جب ان تینوں امور پر ملاحظت کی جائے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ
نفسِ شریر منقاد و مطیع ہو جائے گا اور اس کے شر سے مامون و محفوظ رہے
گا، مگر فکر رکھے غافل نہ ہو، کہیں غافل پا کر غلبہ نہ پالے۔

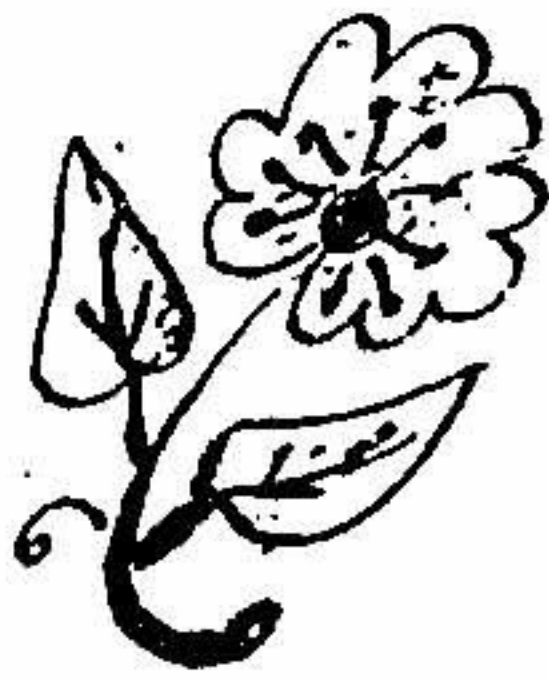
حقیقتِ نفس؛ انسان کے اندر ایک قوت ہے جس سے کسی
چیز کی خواہش ہوتی ہے اسی کا نام نفس ہے۔ خواہ وہ خواہش

خیر ہو یا شر اور یہ نفس تین طرح پر ہے۔ امارہ، لوامہ، مطمئنہ۔

نفسِ امارہ | یہ ہے کہ اکثر شر کی خواہش کرے اور نادوم بھی نہ ہو
اسی درجے کا نام ہوائے نفس ہے۔

لوامہ | شر کی طرف خواہش کرے اور نادوم بھی ہو۔

مطمئنہ | بیش از بیش خواہش خیر کی کرے۔ اس کو مطمئنہ کہتے ہیں



تشریح

خیال کی قسمیں اور ان کا حکم | حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے ان کے خیالات

سے تجاوز فرما دیا ہے جن کی وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں، جب تک کہ ان کو منہ سے نہ نکالیں۔ یا ان کو عمل میں

نہ لاویں دوسری روایت میں ہے کہ ان کے سینوں میں جو وساوس پیدا ہوں

خیال کے مراتب پانچ ہیں: ایک ہا جس۔ دوسرا خاطر۔ تیسرا حدیث النفس۔ چوتھا ہم۔ پانچواں عزم۔

پس جب کوئی بات قلب میں ابتداءً واقع ہوئی اور اس نے نفس میں کوئی حرکت نہیں کی اس کو ہا جس کہتے ہیں۔ پھر اگر اس شخص کو توفیق ہوئی اور اول ہی سے اس کو دفع کر دیا تو وہ مابعد کے مراتب کی تحقیق کا محتاج نہ ہوگا اور اگر وہ نفس میں دورہ کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اس کے نفس میں اس کی آمد و رفت ہونے لگے مگر اس کے کرنے نہ کرنے کا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا اس کو خاطر کہا جاتا ہے

اور جب نفس کرنے نہ کرنے کا برابر درجے میں منصوبہ باندھنے لگا اور

ان سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوئی اس کو حدیث نفس

کہتے ہیں سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عقاب ہے، اگر یہ شر میں

ہے اور نہ ثواب ہے، اگر خیر میں ہے پھر جب اس فعل کو کر لیا تب اس فعل پر عقاب یا ثواب ہوگا اور باتیں اور خاطر اور حدیثِ نفس پر نہ ہوگا۔ پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ تریح جمع فعل کے ساتھ ہونے لگا، لیکن وہ تریح قوی نہیں ہے، بلکہ مرجوح ہے۔ جیسا کہ وہم ہوتا ہے اس کو ہم کہتے ہیں اس پر ثواب بھی ہوتا ہے اگر وہ خیر میں ہے اور عقاب بھی ہوتا ہے اگر وہ شر میں ہے پھر جب فعل کا رجحان قوی ہو گیا یہاں تک کہ جازم مصمم بن گیا اس کو عزم کہتے ہیں۔ اس پر بھی ثواب ہوتا ہے اگر خیر میں ہے اور عقاب ہوتا ہے، اگر شر میں ہے۔

عَلَامَاتِ حُصُولِ نِسْبَتِ مَعَ اللّٰهِ

نسبت کے معنی تعلق کے ہیں اور تعلق دو جانب سے ہوتا ہے۔ یہاں پر نسبت مع اللہ کے معنی یہ ہوں گے، ایک تعلق اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ اور ایک تعلق بندے کا اللہ کے ساتھ اور حصولِ نسبت مع اللہ کو حصولِ الی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے بندے کے ساتھ تعلق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق بندے کے ساتھ رضائے کا ہو اور بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ دوامِ طاعت کثرتِ ذکر مع ملکہِ یادداشت جس کی علامت

یہ ہے کہ طاعات و عبادات کی طرف ایک اضطراری رغبت ہوتی ہے اور معصیت ظاہری و باطنی سے ایسی نفرت ہو جیسے پشیاں پاخانہ سے ہوتی ہے اور اتباع سنت کا بکمال اہتمام ہو۔

عبادات میں نماز ایسی اعظم عبادت ہے کہ اگر اس کو پورے اہتمام سے آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے تو کسی دوسری مستقل ریاضت کی ضرورت نہیں اس میں ذکر شغل مراقبہ اور اوٹل تسبیحات استغفار، درود شریف وغیرہ سب جمع ہے۔ اس میں ذکر کا ہونا۔ کلام پاک کی تلاوت ہے۔ جو جامع اذکار ہے اور شغل بحالت قیام سجدہ کی جگہ نظر کا جمانا بحالت رکوع قدم پر نگاہ رکھنا بحالت سجدہ پٹہ بینی پر نگاہ رکھنا بحالت جلسہ و قعدہ گود پر نگاہ جمانا، بحالت سلام دائیں بائیں کندھے پر نگاہ رکھنا۔

مراقبہ بحالت تحریمہ باستحضار نیت اور کل صلوات میں اللہ ناظری کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہے ہیں، خیال رکھنا یہ مقام احسان کہلایا جاتا ہے جس کے لئے تمام مجاہدے اور ریاضتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے، جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مَا الْاِحْسَانُ کہ احسان کیا چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنْ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَبْرَاکُ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے کیونکہ اگر تو نہیں دیکھ رہا ہے تو اللہ

تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہے ہیں۔

غرض نماز کو اس کے آداب و مستحبات اور شروط کے ساتھ ادا کرنے سے راہِ سلوک اور اس کا انتہائی درجہ مقامِ احسان حاصل ہو سکتا ہے اور لطائفِ ستہ کے آثار ظہور کر سکتے ہیں۔

لَطَائِفِ سِتِّهِ اور ان کے آثار | **نفس، قلب، رُوح، سِرِّ، نَفْخِ**
اَخْفٰی، یہ چھ لطیفے ہیں۔ ان کے

آثار یہ ہیں۔ نفس یعنی نفسِ مطمئنہ کی غذا معاصی سے قرار نہ پکڑنا ہے یعنی معاصی سے نفور رہنا ہے۔ قلب کی غذا ذکر ہے۔ رُوح کی غذا صوری ہے۔ سِرِّ کی غذا انکشافِ حقائق ہے۔ نَفْخِ کی غذا شہود و قنائے اَخْفٰی کی غذا قناء الفناء ہے۔ بعض نے اس میں کسی قدر اختلاف کیا ہے، نماز میں ان لطائفِ ستہ کے آثار کے ظہور کی صورت یہ ہے کہ صلوٰۃ سات درجے کی ہے۔ صلوٰۃ تن، صلوٰۃ نفس، صلوٰۃ قلب، صلوٰۃ رُوح۔ صلوٰۃ سِرِّ۔ صلوٰۃ نَفْخِ۔ صلوٰۃ اَخْفٰی۔

- صلوٰۃ تن، مانع عن المعاصی ہوتی ہے۔
- صلوٰۃ نفس، مانع عن العنایق ہوتی ہے۔
- صلوٰۃ قلب، مانع عن الغفلۃ الکثیرہ ہوتی ہے۔
- صلوٰۃ رُوح، غیر کے دیکھنے سے مانع ہوتی ہے۔
- صلوٰۃ سِرِّ، مانع توجہ عن ماسوی اللہ ہوتی ہے۔
- صلوٰۃ نَفْخِ، انسان کو مرتبہ انابت میں پہنچاتی ہے کہ اس

سے اس پر حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

صلوٰۃ الخفی، مشاہدہ ذاتِ بحیث، اور جامعیتِ مقام
معراج ہوتی ہے۔

شرطِ اجازت | شیخِ طالب کو جب برابر مجالست و مکاتبت وغیرہ
سے مسلسل اصلاح کی طرف باستقلال و استقامت
متوجہ پاتا ہے اور وہ اس راہِ سلوک کو طے کرتا ہوا سیرالی اللہ تک پہنچ
جاتا ہے تو اس وقت شیخ اس مُریدِ طالب کو خلافتِ بیعت سے نوازتا ہے

سیرِ سلوک دو قسم پر ہے

سیرالی اللہ و سیر فی اللہ

سیرالی اللہ یہ ہے کہ امراضِ نفسانیہ جو کہ اخلاقِ رذیلہ میں ان سے
نفس کا پاک ہونا جس کو تزکیہ نفس کہتے ہیں جس کا ذکر قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا
یعنی بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا۔ میں سے اور
قلب کا اخلاقِ حمیدہ و فاضلہ سے آراستہ ہونا جس کو تخلیہ و تجلیہ کہتے ہیں
ان کا حاصل ہونا جس کو سلوک میں مقامات سے تعبیر کیا جاتا ہے پس
جب ان مقامات کے حصول اور تزکیہ نفس میں رُسوخ ہو جاتا ہے اور
اس کے ازالہ اور حصول کے طُرُق و تدابیر سے واقفیت ہو جاتی ہے
اس وقت اس کو سیرالی اللہ پر پہنچنے کے بعد اس طالب کو اجازت دی

جاتی ہے۔

سیر فی اللہ | سیر الی اللہ کے بعد قلب کے اندر تزکیہ اور تقویٰ سے ایک خاص جلا اور نور پیدا ہوتا ہے اور برابر قلب انقطاع ماسوی اللہ کے ساتھ مشغول بحق رکھتا ہے تو حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال نیز حقائق کو نیہ و حقائق اعمال شرعیہ و معاملات ما بین اللہ و بین العبد منکشف ہوتے ہیں۔ اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں اور اس کی کوئی نہایت نہیں کہ حسب استعداد و مشغول حق بتفرید کسی چیز کو اپنی طرف منسوب نہ کرنے، و تجرید دنیاوی اور اخروی اغراض کو ترک کر دینے کے ساتھ ترقی ہوتی رہتی ہے۔

تذکرہ | شیخ مرید کو سیر الی اللہ کے مرتبے پر پہنچنے کے بعد ہی مجاز بیعت کر دیتا ہے اور کبھی سیر فی اللہ کے حصول کا انتظار کرتا ہے۔ یہ مرید کے حال اور شیخ کے ذوق پر منحصر ہے۔

دوسرا شیخ تجویز کرنا | اس کی چند صورتیں ہیں۔ شیخ اول کا متبع شرع نہ پانا یعنی بدعت یا اصرار کبیرہ پر دیکھنا یا شیخ اول سے باوجود متشرع، متبع سنت ہونے کے مناسبت کا نہ ہونا یا شیخ اول کا انتقال کر جانا۔ اس تیسری صورت میں بدوں بیعت کسی دوسرے شیخ سے صرف اپنی اصلاح کی تکمیل کرنا یا دوسرے شیخ سے بیعت ہونے کے ساتھ اصلاح کیلئے متوجہ ہونا۔

چنانچہ ہمارے حضرت دادا پیر حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ

مرقدہ اول سلسلہ نقشبندیہ سے مجاز بیعت تھے ان کا انتقال ہونے کے بعد چونکہ
 ابھی طبیعت کو سیری نہ ہوئی تھی۔ اس لئے سلسلہ چشتیہ میں حضرت میا نجیو نور محمد صاحب
 جھنجھانوی نور اللہ مرقدہ سے بیعت فرمائی اور حضرت میا نجیو صاحب کی طرف سے بھی
 مجاز بیعت ہوئے جن کے فیوض و برکات سے آج عرب و عجم فیض یاب ہیں۔
 دوسرا شیخ تجویز کرنے پر پہلے شیخ کی شان میں کبھی سو ادبی
 قولاً فعللاً، غائباً، حاضرًا ہرگز نہ کرے اگرچہ شیخ اول
 منتشر نہ رہا ہو کہ یہ سخت وبال ہے۔

موانع

یوں تو جتنے بھی معاصی اور تعلقات ماسوی اللہ میں سب
 اس راہ سلوک کے رہن ہیں۔ مگر چند ضروری چیزوں کو بیان کیا جاتا
 ہے جن سے سالک کو بے حد پرہیز کرنا چاہئے ورنہ تو ساری محنت
 رائیگاں اور بے کار جائے گی۔

۱۔ ایک مانع مخالفتِ سنت ہے، افسوس اس زمانے میں رسوم
 و بدعات کی بڑی کثرت ہے اور تصوف بھی انہیں رسوم و بدعات کا نام
 رہ گیا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 فِي يَوْمِئِذٍ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا
 اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا سَمُّهُ وَالْحَدِيثُ رِوَاؤُهُ بَيْتِي
 یعنی عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آوے گا کہ نہ باقی رہے

گا اس میں اسلام سے مگر نام ہی نام اور نہ باقی رہے گا قرآن سے مگر
صرف خطوط نقوش۔

۲۔ یہ کہ غلطی سے کسی بے شریع پیر سے بیعت کر لی، اب ساری عمر
اسی کو نباہتا رہے جب وہ خود واصل نہیں تو اس کو کیسے واصل
کے گا۔

۳۔ یہ کہ لڑکوں اور عورتوں کو دیکھنا یا ان کے پاس بیٹھنا اٹھنا سے
جو اہر غیبی میں لکھا ہے کہ ایک شخص طواف کرتا جاتا تھا اور کہتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ
اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں
کسی نے اس کا حال دریافت کیا کہنے لگا ایک بار کسی حسین امرد کو نظر
شہوت سے دیکھا اسی وقت غیب سے ایک طمانچہ لگا جس سے آنکھ جاتی
رہی۔

یوسف بن حسین فرماتے ہیں۔

رَأَيْتُ آفَاتِ الصُّوفِيَّةِ فِي صُحْبَةِ الْأَحْدَاثِ وَمُعَاشِرَةِ
الْأَصْدَادِ وَرَفَقِ النِّسْوَانِ۔

یعنی دیکھا میں نے آفات صوفیہ کو امردوں کے میل جول کرنے
اور نا جنسوں سے ملنے میں اور عورتوں سے نرمی برتنے میں شہوت
بالنساء سے زیادہ اشد امردوں یعنی بے ریش، لڑکوں کی شہوت ہے
آجکل امردوں کے ساتھ ابتداء عام ہو رہا ہے۔ یہ فعل حرمت میں سب
سے بڑھا ہوا ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

بڑا ڈر مجھ کو اپنی اُمت پر قوم لوط کے فعل کا ہے۔ (ابن ماجہ)
 دوسری حدیث میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سات
 قسم کے گنہگاروں پر ساتوں آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں یہ لعنت
 بھی اس کثرت سے ہوتی ہے کہ ملعون کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہو جاتی
 ہے (ان میں سے اول) اعلان کرنے والا ملعون ہے آپ نے یہ تین
 بار فرمایا۔ (الحدیث طبرانی)

نیز ایک حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف دیکھنا بھی
 پسند نہیں کرتے جو کسی مرد سے لواطت کرے (الحدیث)
 بعض لوگ ایسے ہیں جو شہوت سے پاک و صاف ہیں، مگر ان
 میں بھی اکثر نظر کے مرض میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ زنا آنکھوں سے بھی ہوتا
 ہے۔ اس میں بھی بہت کم لوگ احتیاط کرتے ہیں، حالانکہ نظر فعل
 کا مقدمہ ہے اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ حرام فعل کا مقدمہ بھی حرام ہوتا
 ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیں۔

۴۔ ایک مانع زبان اور دعویٰ کمالات اور شریعت
 یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی ہے، جیسے بعض جاہل
 پیر کرتے ہیں۔

۵۔ ایک مانع یہ ہے کہ شیخ کی تعلیم کے علاوہ از خود مجاہدہ کرنا کہ
 چند روز میں گہرا کروہ تھوڑا تعلیم کیا ہوا بھی چھوٹ جاتا ہے، چنانچہ
 بہت سے لوگوں کو ایسا اتفاق ہوا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و سلم نے فرمایا کہ اعمال میں اتنا اختیار کرو کہ اکتاؤ نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نہیں اکتا تا جب تک تم نہ اکتا جاؤ۔

۶۔ ایک مانع مجاہدات کے ثمرات میں عجلت اور تقاضہ کرنا ہے کہ اتنے دن مجاہدہ کرتے ہو گئے اب تک کچھ نتیجہ نہیں ہوا پھر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ یا تو شیخ سے بد اعتقاد ہو جاتا ہے۔ یا مجاہدہ کو ترک کر دیتا ہے طالب کو سمجھنا چاہیے کہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو دفعہً حاصل ہو جاتی ہو، دیکھو یہی شخص خود کسی وقت بچہ تھا کتنے دنوں میں جوان ہوا پہلے جاہل تھا، کتنے دنوں میں عالم ہوا غرض عجلت و تقاضہ اپنے شیخ پر فرمائش ہے جو بہت مضر ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر ایسا شخص اپنے رہبر پر قناعت نہیں رکھتا۔ ہر کس و ناکس سے چارہ جوئی کرتا ہے اور پھر ہرجائی ہونے کی وجہ سے اس کے اوپر سے شیخ کی غایت و لطف بھی جاتا رہتا ہے اور پھر مزید برآں یہ کہ جس چیز کو جلدی چاہتا ہے اس کا حصول اختیار سے خارج ہوتا ہے اس سے اور بھی پریشانی بڑھتی ہے غرض ظاہر و باطناً ہر طرح سے برائی ہی برائی ہاتھ آتی ہے۔

۷۔ ایک مانع شیخ سے محبت و عقیدت میں فتور ڈالنا یا اس سے بھی بڑھ کر شیخ کا رنجیدہ کرنا اور اس کو ایذا پہنچانا ہے کہ اس سے مناسبت باقی نہیں رہتی اور بدوں مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہو سکتا اور مناسبت شیخ کے یہ معنی ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر موانعت و عقیدت ہو جائے کہ شیخ کے کسی قول و فعل

و حال سے مُرید کے دل میں طبعی نیکیر نہ پیدا ہو گو یہ عقیدت عقلی ہی ہے
یعنی شیخ کی سب باتیں مُرید کو پسند ہوں اور یہی مناسبت بیعت کی
شرط ہے لہذا اس کا بہت اہتمام چاہیے اس کی سخت ضرورت ہے جب
تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضات، مراقبات و مکاشفات سب بیکار
ہیں، کوئی نفع نہ ہوگا۔ اگر طبعی مناسبت نہ ہو تو عقلی پیدا کر لی جائے۔
اس پر نفع موقوف ہے، اسی لئے جب تک پوری طرح مناسبت
نہ ہو بیعت نہ کرنا چاہیے۔ جب پوری طرح محبت و مناسبت ہو
جائے اُس وقت پیر سے بیعت زیادہ نافع ہے۔

فصل در مفاسد امور غیر اختیارہ

بمحلہ موانع طریق سلوک کے دو امراض خاص ہیں جو اس قدر
کثیر الوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو
بلکہ بعض اہل علم بھی ان میں مبتلا ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض
امور غیر اختیارہ کی تحصیل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں جیسے ذوق و شوق
استغراق و لذت، یک سوئی و دفع خطرات و سورش و انجذاب و عشق
طبعی وغیرہ اور ان امور کو ذکر و شغل و مجاہدات کے ثمرات سمجھ جاتے
ہیں اور ان کے حاصل نہ ہونے کو حرمان سمجھتے ہیں۔

دوسرا امر یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیارہ کے ازالہ کے اہتمام

میں لگ جاتے ہیں جیسے قبض ہجومِ خطرات اور دل نہ لگنا یا کسی آدمی یا مال
 کی طبعی محبت یا شہوت یا غضب طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا
 یا روزانہ آنا یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی خوف کا غلبہ وغیرہ اور ان
 امور کو طریق کے لئے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہیں اور ان کے زائل
 نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ سے بعد کا موجب سمجھتے ہیں یہ ہیں وہ دو امر جن
 میں عام طور پر اہل سلوک مبتلا ہیں اور امر مشترک ان دونوں امور میں
 یہ امر ہے کہ امور غیر اختیار یہ کے درپے ہوتے ہیں حاصل کرنے میں یا
 ازالہ کرنے میں اور امور غیر اختیار یہ کے درپے ہونا بہت سے مفاسد پر
 مشتمل ہے ان میں سے ایک مفسدہ یہ ہے اور یہ اعتقاد ہی مفسدہ ہے
 کہ درپردہ اس میں حق تعالیٰ کے ارشاد **لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا**
 کی مزاحمت ہے کیوں کہ جب یہ غیر اختیار یہ ہیں تو انسان کی وسعت میں نہ ہوئے
 اور جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں اسی طرح جس
 چیز کا ازالہ اختیار میں نہیں اس کی تحصیل بھی اختیار میں نہیں پس جب یہ انسان کی
 وسعت میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا ازالہ کو موقوف علیہ مقصود کا سمجھا
 جو کہ مامور بہ ہے اور ظاہر ہے کہ مامور بہ کا موقوف علیہ مامور بہ ہوتا ہے تو اس نے
 ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ سمجھا اور مامور بہ کیلئے وسعت کا شرط ہونا نص سے
 ثابت ہے اور یہ وسعت میں نہیں تو گویا یہ مقصد ہوا اس امر کا کہ مامور بہ کیلئے وسعت شرط
 نہیں تو مزاحمت ہوئی ارشاد **لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا** کی اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے۔
 دوسرا مفسدہ یہ ہے اور یہ عملی مفسدہ ہے کہ جب یہ امور

اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے اور یہ تحصیل اور ازالہ کے لئے کوشش کرے گا اور جب کامیابی نہ ہوگی تو روز بروز پریشانی ہی بڑھے گی۔ پھر اس پریشانی کے یہ آثار محتمل ہیں۔

اول پریشانی کے تواتر سے کبھی بیمار ہو جاتا ہے پھر بیماری میں بہت سے اوراد و طاعات سے محروم رہ جاتا ہے۔
دوم پریشانی و غم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہنچتی ہے۔

سوم غم و فکر کے غلبہ سے بعض اوقات اہل و عیال و دیگر اہل حقوق کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور مصیبت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

چہارم کبھی یہ پریشانی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر خودکشی کر لیتا ہے اور خسر الدنیا و الآخرۃ کا مصداق بن جاتا ہے۔

پنجم کبھی مایوس ہو کر اعمال و اطاعت کو بے کار سمجھ کر سب چھوڑ بیٹھتا ہے اور بطالت و تعطیل محض کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔
ششم کبھی شیخ سے بد اعتقاد ہو جاتا ہے کہ مقصود کا راستہ شیخ

کو معلوم نہیں۔

ہفتم کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش اور

مجاہدہ کر رہے ہیں مگر کامیابی ہی نہیں ہوتی ذرا رحمت نہیں فرماتے بالکل
 توجہ نہیں ہے خدا جانے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا
 (الایہ) اور مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شَبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ زُرَّاعًا الْحَدِيثُ
 یہ تمام وعدے کہاں گئے تو نعوذ باللہ لقصص کی صریح تکذیب کرنے
 لگتے۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْهُ

شجره المراد یعنی لغتہ امور تصوف

۲- غیر مقصود		۱- مقصود				
موانع	توابع	ذرائع	ثمر و مواعیت	عمل و موالاتیقہ		
	فاعلہ	معدہ	من الحق	من العبد	سلب	جلب
			رضاء	حضور	اخلاق زلیہ	اخلاق حمیدہ
			قرب خاص	عبدیت	مثل ریاض کبر	مثل صبر و شکر
			مجاہدہ		حب دنیا و غیرہ	اخلاص و غیرہ
					۲	۱
			قلت اللطام	قلت الانام	قلت لاختلاط مع الانام	قلت الکلام
			۸	۷	۶	۵
		مفید مع الخطر		مفید بلا خطر		
		تصور شیخ عشق مجازی، سماح	فکر	فعل	مراقبہ	
		۱۳	۹	۱۰	۱۱	
		متممہ الضر	غیر متممہ الضر			
		فہم الوجود، کشف الہی، کشف کونی، الشراق، غفران، فقیہ و بیط، کرامت، مشاہدہ، وجد، ریلے صداقت، اجابت دعاء، الامام، فنا و بقا، وحدۃ الوجود، خاست صداقت				
		۱۹	۱۶	۱۷	۱۸	۱۵
		مخالفت شیخ	مخالفت سنت	تضع	تبعیل	حسن پستی
		۲۴	۲۳	۲۲	۲۱	۲۰

تمتہ الشجرہ

Marfat.com

لطائفِ ستہ کا بیان

لطائف جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد لطیفہ ہے۔ یعنی وہ چیز جس میں کثافت نہ ہو۔ مُراد ان سے وہ چیزیں ہیں جو مادی نہ ہوں۔ مادہ سے مجرد اور خالی ہوں۔ غیر مادی قوتیں جن کو انسانی اعضاء سے تعلق ہوتا ہے۔ ان کی تعداد چھ ہے۔ لطیفہ نفس۔ لطیفہ قلب۔ لطیفہ روح۔ لطیفہ ستر۔ لطیفہ خفی۔ لطیفہ اثقی محققین اہل فن تصوف نے ان کے محل اور موقع بھی متعین فرمائے ہیں اور ان کے رنگ و الوان بھی بیان فرمائے ہیں اور افعال و آثار بھی۔ چنانچہ کہا ہے کہ لطیفہ نفس کا محل تحت السرة ہے اور اس کا رنگ زرد ہے اور لطیفہ قلب کا محل قلب صنوبری ہے جو بائیں پستان کے دو انگل پیچھے ہے اور اس کا رنگ سُرخ ہے اور لطیفہ روح کا محل دائیں پستان کے دو انگل پیچھے ہے قلب صنوبری کے محاذی ہے اسی لئے لطیفہ قلب اور لطیفہ روح دونوں کو ذکر بنانے کے لئے دو ضربی ذکر کیا جاتا ہے (اور لطیفہ روح کا رنگ سفید ہے۔ لطیفہ ستر کا محل ذقن کے پیچھے سینہ کے بیچوں بیچ ہے۔

اس کارنگ سبز ہے لطیفہ نغنی کا محل دونوں ابروؤں کے درمیان ہے اس کارنگ نیلگوں ہے۔ لطیفہ انغنی کا محل ام الدماغ ہے جو کہ دماغ میں ایک نقطہ ہے۔ جس کو جوہر دماغ کا مرکز کہا جاتا ہے۔ اس لطیفہ کارنگ سیاہ ہے جیسے مردک چشم یہاں اگر کسی صاحب علم کو یہ شبہ ہو کہ لطائف جبکہ مادی نہیں، مجرد ہیں تو ان کے لئے الوان ہونا کیسے ثابت ہوا چونکہ الوان کے لئے تجسم یعنی ذی جسم ہونا لوازم سے ہے۔ پس لطائف جو کہ غیر مادی ہیں ان کے لئے الوان کا ثبوت مشکل ہے۔

سو سمجھنا چاہیے کہ یہ الوان عین لطائف کے نہیں ہیں بلکہ ان لطائف کی تجلیات مثالیہ کے الوان ہیں۔ چونکہ تجلی مثالی ہر مجرد اور ہے۔ کیف شئی کی ہو سکتی ہے حتیٰ کہ واجب تعالیٰ کی بھی۔ چنانچہ بہت واقعات ہیں کہ لوگوں نے باری تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ حالانکہ اس عالم میں سرنی یعنی جس کو دیکھا جائے اس کے لئے تجسم، جسم والا ہونا نہایت ضروری ہے تو یہ رویت یعنی خواب میں دیکھنا تجلی مثالی ہی پر محمول ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو کسی خاص شکل میں دیکھا ہے۔

سو حقیقت یہ ہے کہ واجب تعالیٰ شانہ کی مثل تو ممتنع ہے چنانچہ ارشاد ہے یَسْئَلُكُمْ مِّنْ شَيْءٍ لِّكِنْ مِّثْلُ وَ مِثَالُ كَا اثْبَاتٌ مَّتَّعٌ نِّهَيْنٌ جِیَا کہ ارشادِ رَبَّانِی وَ نَصِّ قُرْآنِی ہِے مَثَلُ نُورِہِ كَشْكُوۃٍ فِیہَا مِصْبَاحٌ وَ لَہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی تُو مَثَلٌ كَا ہُو تَا حَقِّ تَعَالٰی كِے لَے صِرَاحَتَہٗ مَذْكُوْرَہِے اور مثال اس کا مرادف ہے۔

دونوں لفظوں کا صیغہ و شکل مختلف ہے مگر متحد المعنی ہیں۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں معلوم ہوا واجب تعالیٰ کے لئے مثل تو ثابت نہیں لیکن مثل اور مثال ثابت ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ مثل کا اطلاق مشارک فی النوع پر ہوا کرتا ہے اور واجب تعالیٰ کے لئے کوئی نوع نہیں جس میں کسی کی مشارکت ہو سکے اس لئے واجب تعالیٰ کے لئے اثباتِ مثلیت محال ہے۔ بخلاف مثال کے کہ مثال کا اطلاق مشارک فی الوصف پر ہوتا ہے اور وصف کلی مشکک ہے جس میں افراد مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں ان میں کمی بیشی کا تحقق ہوتا ہے۔ پس واجب تعالیٰ میں جو وصفِ اشدیت و اکملیت کے ساتھ ہوتا ہے وہ مخلوق میں اضعفیت اور القصیت کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً حق تعالیٰ کے لئے بھی سمع و بصر ہے اور مخلوق کے لئے بھی۔ تو مخلوق وصف سمع و بصر میں حق تعالیٰ کی مثال ہے کہ واجب تعالیٰ کا سمع و بصر قوی و اعلیٰ ہے اور مخلوق کا سمع و بصر اضعف و ادنیٰ ہے۔ لیکن مطلق وصف میں تو مشارکت ہوگئی اس سے حدیث شریفہ خَلَقَ اللهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ کے معنی سمجھ لیجئے کہ صورت کے معنی یہی مثال ہے مطلب یہ ہوا کہ خَلَقَ اللهُ آدَمَ عَلَى مِثَالِهِ۔ اس لیے سمع و بصر وجہ وغیرہ آدم مخلوق ممکن اور واجب تعالیٰ میں مشترک ہیں اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پر مارنے سے منع فرمایا ہے کہ تو حدیث میں صورت کے لفظ سے شکل مراد نہیں بلکہ ظہور و مثال ہے جیسے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ صورتِ مسئلہ اس طرح ہے یعنی اس کی وضاحت ظہور و بیان یہ ہے۔

غرض لطائف کی تجلیات مثالیہ کے الوان گویا لطائف کے الوان ہیں
 تجلی مثالی کے حقیقت یہ ہے کہ ذی مثال کے مُشابہ ایک ایسی شی ظاہر ہو
 جس سے کسی قدر زائد وضاحت کے ساتھ ذی مثال کا تصور ہو جائے مثال
 اور ذی مثال میں تمام وجوہ کے ساتھ تشابہ ضروری نہیں جیسے زید کلاسید
 کہ زید شیر کے مثل ہے۔ اس سے مقصود صرف وصف شجاعت میں
 دونوں کا شریک ہونا بتلانا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں۔ اور یہ
 بھی ظاہر ہے کہ وصف شجاعت ایک کلی مشکک ہے۔

شیر میں یہ وصف بہت زیادہ پایا جاتا ہے اور زید میں بہت کم ہے
 اسی طرح جب باری تعالیٰ کو کسی شکل میں دیکھا جائے تو مثال تو حادث ہوتی
 ہے لیکن ذی مثال واجب تعالیٰ قدیم ہے۔ لہذا تجلی مثالی بعض خاص
 اوصاف کے اعتبار سے ہے۔ قدم و حدوث کے اعتبار سے نہیں اور
 اس تجلی کے وقت صاحبِ واقعہ کو علم ضروری کے طور پر اس مثال کا مرتب
 ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ
 میدانِ قیامت میں حق تعالیٰ متجلی ہوں گے رتجلی فرمائیں گے، لیکن اہل
 محشر پہچان سے عاجز رہ جائیں گے کیوں کہ حکمتِ ابتلاء سے ان کو اس
 تجلی کا تجلی مثالی ہونا معلوم نہ ہوگا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ حق تعالیٰ
 متجلی ہوں گے تو پہچان لیں گے اور پہچانتے ہی سجدہ میں گر پڑیں گے
 یہ دونوں تجلیاں قیامت میں باتفاق امت، مثالی ہوں گی۔ کیوں کہ
 موطنِ قیامت تو عالمِ ناسوت ہی کے اجزاء سے ہے اور عالمِ ناسوت

میں ذاتِ مَرئی نہیں ہوتی۔ لہذا یہ تجلی مثالی ہوگی۔ البتہ حیت میں جو تجلی ہوگی وہ تمام فِرَقِ اسلامیہ کے نزدیک ذاتی ہوگی۔ بے کیف ہوگی۔

بہر حال الوانِ لطائف کے ضمن میں یہ بات چلی تھی تو ثابت ہو گیا کہ یہ الوانِ نفسِ لطائف کے نہیں بلکہ درحقیقت ان کی تجلیات مثالیہ کے الوان ہیں مجازاً۔ لطائف کے الوان کہے جاتے ہیں لہذا اس طرح الوان کی نسبت لطائف کی طرف ہوتی ہے

لطائف کی تعداد اور ان کے محال اور الوان
بیان ہو چکے اب ان کے افعال بیان

افعالِ لطائف

کہے جاتے ہیں۔

اول لطیفۃِ نفس سے جس کے تین درجے ہیں
نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ، نفسِ مرطمنہ۔ نفس

نفسِ امارہ، لوامہ، مرطمنہ

کا اصل فعلِ غفلت ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نفس کا اصل فعلِ شہوت ہے چونکہ غفلت اور شہوت میں تلازم ہے۔ غفلت سے شہوت پیدا ہوتی ہے اور شہوت سے غفلت تو نفس کا فعلِ مجموعہ غفلت و شہوت ہے۔ یہ غفلت و شہوت کئی مشکک ہے اس لیے اس کے افراد شدت و ضعف میں مختلف ہیں۔ نفس کی اصلاح مجاہدات و طاعات سے ہوتی ہے یعنی ریاضت و تقویٰ سے شہوت و غفلت میں کمی ہو جاتی ہے اس کمی کا نام سکون ہے جس کے تین درجے ہیں ۱۔ سکونِ کامل و تمام ۲۔ غیرِ کامل و غیر تمام ۳۔ عدم سکون مطلقاً۔ پہلے درجے میں نفس کا نام مرطمنہ ہے۔ دوسرے درجے میں اس کا نام لوامہ ہے تیسرے درجے میں اس کا نام

امارہ بالسوء ہے اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ نفس مجاہدہ اور ریاضت اور زہد و طاعت، ورع و تقویٰ میں انسان کی مقاومت کرتا ہے۔

اسی طرح مقابلہ کرتے کرتے اگر نفس مغلوب ہو گیا اور اس میں بالکل شانِ اطاعت پیدا ہو گئی تو نفس مطمئنہ کہلاتا ہے کیوں کہ یہ حالت اطمینان کی ہے۔ صدور شتر سے اطمینان ہو گیا اور اگر بالکل مغلوب نہیں ہوا۔ بلکہ کبھی غالب، کبھی مطیع کبھی مطاع ہوتا ہے تو اس حالت میں نفس لوامہ کہلاتا ہے کیوں کہ اس حالت اور اس درجہ میں نفس افعال شنیعہ کے ارتکاب سے نادم بھی ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ملامت بھی کرتا ہے اور اگر نفس اس مقابلہ و مقاومت میں ہمیشہ غالب اور مطاع ہی رہتا ہے تو اس حالت میں امارہ بالسوء کہلاتا ہے کیوں کہ ہمیشہ سوء اور قباحت و شناعت کی راہ میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ نفس کے تین درجے ہوئے۔

انبیاء | نفس مطمئنہ امور خیر میں مزاحمت و مقاومت تو نہیں کرتا مگر اس کو وساوس و خطرات پیش آجاتے ہیں جس سے انسان کی ترقی اور اس کے کمال میں از دیاد ہوتا ہے۔ جیسے شاہدؒ تعلیم یافتہ گھوڑا کبھی کبھی شوخی کرتا ہے لیکن سوار کے اشارہ ہی سے درست ہو جاتا ہے اسی طرح نفس مطمئنہ۔ وساوس و خطرات کے درجہ میں کبھی کبھی ضعیف و ضعیف مقاومت کرتا ہے لیکن سالک کے اشارہ پر درست ہو جاتا ہے تو چونکہ نفس مقاومت کو کالعدم قرار دیا ہے اور اس حالت کو سکون تام سے تعبیر کیا گیا ہے یہ لطیفہ نفس کے فعل کا حال بیان کیا گیا ہے۔

اب لطائف خمسہ باقیہ کا فعل جو سب میں مشترک ہے بیان ہوتا ہے وہ فعل مقصود حقیقی کی طرف توجہ اور اس کا تصور ہے اسی تصور کو ذکر، یاد، دھیان وغیرہ الفاظ سے تبصیر کیا جاسکتا ہے تو ان لطائف خمسہ کے فعل تصور کی اصل حقیقت اس قدر ہے کہ نفس ذات باری تعالیٰ کا تصور ذہنی اور ذکر مفرد کیا جائے اور لفظ اللہ کے کیلئے کوئی محمول یا خبر کا ثابت ہونا جیسے اللہ قادر، اللہ علیم، اللہ سمیع، اللہ بصیر، وغیرہ کہنا اصل ذکر کے تحقق کے لئے لازم نہیں۔ بس لفظ اللہ ہی کافی ہے۔ کیوں کہ بالاتفاق ایسا ذکر، ایسا تصور جائز ہے۔ دیکھئے باتفاق علماء جب ذکر قلبی بغیر محمول و خبر جائز ہے تو ذکر لسانی بھی جائز ہے اور پھر یہ کہ حقیقت ذکر لسانی تو ذکر قلبی ہی کئی حکایت ہے اور حکایت اگر محکی عمدہ کے مطابق ہو تو اس میں کیا محذور، کیا خرابی ہو سکتی ہے اس کو یوں سمجھو کہ تصور کے درجات مختلف ہیں۔

ذکر، حضور، مرکا شرفہ، شہود، معاشرہ
مثلاً۔ ایک شخص محبوب ہے جو موجود و حاضر نہ ہو

بلکہ غائب اور غیر موجود ہو۔ اس کو یاد کیا جائے ۱۔ وہ محبوب سامنے موجود ہو لیکن مسافت بعیدہ پر ہو جس سے خط و خال اچھی طرح نظر نہ آسکیں اس کا تصور کیا جائے ۲۔ وہ سامنے مسافت قریبہ پر ہو جس سے خط و خال اچھی طرح نظر آسکیں اس کا تصور کیا جائے ۳۔ وہ شخص بالکل قریب موجود ہو اس کے تصور و دیدار میں اس قدر محویت ہو جائے کہ فطر عشق و محبت کی وجہ سے اپنی بھی خبر نہ رہے ۴۔ پانچویں

وہ محویت یہاں تک ترقی کرے کہ بے خبری کی بھی خبر نہ رہے یہ تصور کے پانچ درجات ہیں۔ ان میں چوتھا اور پانچواں درجہ لغاس اور نوم عرق کے مشابہ ہے۔ چوتھا لغاس کے مانند ہے کہ لغاس (اونگھ) میں صاحب لغاس کو یہ علم ہوتا ہے کہ میں لغاس میں ہوں لیکن جسم و دماغ پر ایک نیم شعوری کیفیت چھائی رہتی ہے گو دیگر اشیاء سے لاعلمی ہوتی ہے مگر اس لاعلمی کا علم ہوتا ہے اور پانچواں درجہ بالکل نوم عرق کے مانند ہے کہ صاحب نوم عرق کو اس کا بھی علم نہیں ہوتا کہ میں نوم میں ہوں پس لائبریری کا پورا مصداق ہوتا ہے ورنہ وہ صاحب نوم، عرق نہیں ہوگا۔ کیوں کہ نوم عرق کے خواص و لوازم سے ہے کہ لاعلمی و بے خبری سے بھی لاعلمی و بے خبری ہو۔ جب تمثیل سے اتنی بات سمجھ میں آگئی تو اب تصوف کے پانچوں اصطلاحی درجوں کو سمجھئے۔ صوفیاء کے یہاں درجہ اول کا نام ذکر ہے۔ کیونکہ اس میں محض یاد ہے۔ دوسرے درجہ کا نام حضور ہے کیوں کہ اس میں مقصود اور مرئی سامنے ہوتا ہے۔ تیسرے درجہ کا نام سرکاشف ہے کیوں کہ مرئی کے غایت قرب کی وجہ سے حضور تام اور خط و خال کا کامل انکشاف ہوتا ہے چوتھے درجہ کا نام شہود و مشاہدہ ہے کیوں کہ صوفیاء کی اصطلاح میں شہود و مشاہدہ حضور اتم و اکمل کو کہتے ہیں اور اس درجہ میں حضور اتم و اکمل سے غایت شیفگی و فریفتگی اور حالت دفور، والہانہ اور العانہ ہوتی ہے اس درجہ کا نام فناء بھی ہے کیوں کہ محویت کی وجہ سے اپنی سہتی کا علم نہیں ہوتا

پانچویں درجہ کا نام معائنہ ہے معائنہ سے مراد اصطلاحاً وہ حضور و معائنہ ہے جو شہود اصطلاحی سے زائد ہو اور اس درجہ میں معائنہ شہود اصطلاحی سے زائد ہوتا ہے کیوں کہ لاعلمی سے بھی لاعلمی ہوتی ہے اس وجہ سے اس کا نام فناء الفناء بھی ہے کیوں کہ غایت محویت کی وجہ سے اپنی لاعلمی کا بھی علم نہیں ہوتا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے

تودر وگم شو وصال این است و بس : گم شدن گم کن کمال این است و بس
 سا ہو فنا ذات میں کہ تونہ رہے : تیری ہستی کا رنگ و بونہ رہے
 تو تصور مقصود حقیقی کے یہ پانچ درجات ہیں۔ ذکر۔ حضور۔ مکاشفہ، شہود
 و مشاہدہ و فنا معائنہ و فناء الفناء۔

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ لطیفہ قلب کا فعل ذکر ہے۔ لطیفہ روح کا فعل حضور لطیفہ سر کا فعل مکاشفہ۔ لطیفہ نخی کا فعل شہود و مشاہدہ و فناء لطیفہ انخی کا فعل معائنہ اور فناء الفناء۔ ان افعال لطائف و درجات تصور کے حاصل ہونے کیلئے حضرات مشائخ کی تعلیم مختلف طرق سے ہوتی ہے بعض حضرات، طالبین و سالکین کو ذکر کی مخصوص طرز کے ساتھ اس قدر مشق کرنے کو فرماتے ہیں کہ یہ لطائف خمس علیحدہ علیحدہ ذکر ہو جائیں۔ یہ سب افعال ان سے صادر ہونے لگیں اور بعض حضرات، صرف قلب سے ذکر کی مشق کرنے کو فرماتے ہیں۔ جس سے ان سب افعال کا صدور ہونے لگے۔ اس کی بالکل ضرورت نہیں سمجھتے کہ یہ بتایا جائے کہ یہ فعل کس لطیفہ کا ہے۔ کیوں کہ یہ حضرات لطائف کی طرف تفصیلی توجہ کو

حجاب سمجھتے ہیں۔ حدیث شریف میں بھی قلب کا ذکر وارد ہے فرمایا۔
 اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْفَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ
 فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اِلَّا وَهِيَ الْقَلْبُ تو ایسے امور میں صرف قلب ہی کا
 ذکر وارد ہوا ہے۔

اور وہ حضرات جو لطائف کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں ان کے نزدیک
 بھی ان لطائف خمسہ میں باہم اتصال ہے اس لئے صرف ذکر قلب سے بھی
 بقیہ لطائف میں آثار اور افعال مذکورہ سرایت کرتے جاتے ہیں کیونکہ
 یہ لطائف آپس میں متعکس طور پر ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے سے انعکاسی
 طور پر آثار و افعال کو قبول کرتے ہیں جیسے ایک آئینہ پر آفتاب کی شعاعیں
 واقع ہوں اس کے مقابلہ میں دوسرا آئینہ ایسی طرح رکھا جائے کہ آفتاب کا
 عکس اس آئینہ میں اس آئینہ سے منعکس ہو۔ اسی طرح تیسرا پھر چوتھا آئینہ
 رکھا جائے تو جیسے ایک آئینہ سے دوسرے متصل آئینوں میں نور آفتاب
 درخشاں ہوتا ہے ایسے ہی ذکر قلبی سے دوسرے لطائف میں بھی آثار
 مطلوبہ نمایاں ہوتے ہیں۔

حضرات صوفیہ کے نزدیک حدیث شریف میں جس قلب کا ذکر ہے
 گو اس سے لطیف قلب مراد نہیں، مضمغہ ہی مراد ہے لیکن یہ حکم اصل
 میں اس لطیفہ کا ہے جس کو اس مضمغہ کے لئے غایت اتصال اور تعلق کی
 وجہ سے ثابت فرمایا ہے جیسے حالت ادراکیہ کو صورت علمیہ سے تعبیر کر
 دیتے ہیں۔

یہ مفضہ قلبِ صنوبری جسد ظاہری کا جزو اور مادی شے ہے اور جو قلبِ لطیف ہے وہ اور شے ہے۔ وہ مادی نہیں ہے مجرور ہے اس لطیفہ کا قلبِ صنوبری سے تعلق افاضہ آثار و انوار کا ہے جیسا کہ حکماء بیان کرتے ہیں کہ نفس ناطقہ مجرور ہے جزو بدن نہیں مگر اس کا تعلق بدن سے تصرف و تدبیر کا ہے تو جس طرح لطیفہ قلب کو بدنِ مادی کے ایک خاص جزو یعنی قلبِ صنوبری سے تعلق ہے اسی طرح بقیہ لطائف اربعہ کو بھی جسم انسانی کے خاص خاص مقامات سے افاضہ آثار و انوار کا تعلق ہے اسی تعلق کی وجہ سے جب ذکر لطائف سے ذکر کرنا چاہتا ہے تو ان لطائف کے خاص خاص مقامات جن کو ان لطائف سے تعلق ہے ان کی طرف بھی توجہ کرتا ہے۔ چنانچہ جب لطیفہ قلب کو ذکر کیا جاتا ہے تو قلبِ صنوبری کی جانب توجہ کی جاتی ہے اسی طرح دوسری لطائف کے ذکر بنانے میں بھی ان کے محل و مقام کی طرف توجہ کی جاتی ہے البتہ توجہ کے طریقے مختلف ہیں جو عمل کرانے والے کی رائے پر موقوف ہیں وہ جس طریقہ کو مناسب سمجھتا ہے بتا دیتا ہے۔

اس ذکر لطائف کے سلسلہ میں اصل تو ذکر ہی ہے اگرچہ اس کے ساتھ دوسری چیزوں کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے فکر، شغل، مراقبہ، تصور، یہ سب ذکر ہی کے انواع ہیں۔ ذکر ہی کے ذرائع ہیں۔ ذکر ہی کے رسوخ و ملکہ کے طرق ہیں۔ ان سب کے مجموعہ کو اہل فن اصطلاحاً ذکر کہتے ہیں۔ ذکر سے مراد وہی ذکر ہے جو بشریت

میں مذکور، ماثور اور منقول اور معمول بہ اور مقصود ہے اور مشغل وغیرہ سے مراد ہیئتِ ذکر ہے گویا کہ وہ ذکر کی علتِ صورتِ یہ ہے۔ یعنی یہ تصور کیا جائے کہ فلاں موقع جو فلاں لطیفہ کا محل ہے۔ مشغولِ ذکر ہے جیسے جارحہ لسانِ ذکر ہے اسی طرح یہ محل بھی ذکر ہے۔ مثلاً لطیفہ قلب میں لسانی ذکر کے ساتھ یہ تصور کیا جائے کہ قلبِ صنوبری بھی ذکر کر رہا ہے تو لطائف کے ذکر میں یہ اصطلاحی مشغل بھی ہوتا ہے یعنی لطیفوں کے محل کے متعلق یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ذکر الہی میں یہ محل بھی ہم نوائے لسان ہیں اور اسی مشغل کی تقویت اور اس کے کامیاب اور موثر بنانے کے لیے بعضے اور افعال بھی کئے جاتے ہیں۔ مثلاً کلماتِ ذکر کو سانس سے اوپر اٹھایا جاتا ہے پھر وہاں سے دماغ میں پہنچایا جاتا ہے اور وہاں پہنچا کر سانس روک لیا جاتا ہے اور یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اُمّ الدماغ میں سانس بند ہے کیوں کہ تجربے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ جس دم کو دفعِ خطرات اور مطلوب کی جانب توجہ قوی ہونے میں زیادہ دخل ہے چنانچہ شکار میں ہدف کو سامنے رکھنے کے لیے جس دم ضروری سمجھا جاتا ہے اسی طرح ذکر لسانی یا ذکر قلبی میں مشغولی کی جاتی ہے کہ ذکر لسانی کے علاوہ ذکر قلبی بھی ہوتا ہے کہ الفاظِ متحملہ سے قلب کو ذکر بنایا جاتا ہے جیسے آیت **وَ اذْکُورْ بَلَدًا** **فِي نَفْسِكَ تَقْرَعًا وَ حِفْظًا** میں ذکرِ قلبی مراد ہے اور حدیث شریف **كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهُ عَلَى كُلِّ أَحْيَانٍ** سے علی الاطلاق ذکر اللہ سے ذکر ہی مستنبط ہوتا ہے کہ بول و غائط و جماع کی حالت میں ذکر لسانی

منفی و منہی عنہ ہے تو اس وقت ذکر قلبی ہی کا صدور ہوگا معلوم ہوا کہ ذکر جس طرح لسانی ہوتا ہے قلبی بھی ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ذکر قلبی خود ذکر لسانی کی اصل ہے کیوں کہ ذکر قلبی کلام نفسی ہے اور ذکر لسانی کلام لفظی ہے اسی کو یوں کہا ہے اور یہ مسلم ہے کہ

إِنَّ الْكَلَامَ لَفِي الْفُؤَادِ وَإِنَّمَا
جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَى الْفُؤَادِ دَلِيلًا

ترجمہ : کلام در حقیقت دل ہی میں ہوتا ہے اور زبان تو اس پر دلالت کرنے والی، بتلانے والی ترجمان ہے۔

چنانچہ شریعت نے بہت سے مواقع پر ذکر قلبی کو معتبر مانا ہے چنانچہ باتفاق امت اہل سنت (دگولنگا) کے ایمان کے لئے اقراراً باللسان ضروری نہیں صرف توحید و رسالت کا تخیل جازم و اعتقاد کامل و تصدیق تام کافی ہے۔ اسی طرح جو شخص بالقصد والاختیار مضامین کفریہ کو الفاظ متخیلہ سے قلب میں جاگزیں و مستقر کرے وہ شریعت میں کافر ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر جس طرح لسانی ہوتا ہے قلبی بھی ہوتا ہے الفاظ متخیلہ سے قلب کو ذکر بنایا جاتا ہے اور ذکر جاگزیں کیا جاتا ہے کہ قلب اللہ کے ذکر سے، اللہ کی یاد سے، اللہ کے خیال سے، اللہ کے تصور سے، اللہ کے دھیان سے غافل نہ ہو۔ دل میں اللہ کی یاد ایسی جم جائے کہ کسی آن اس سے نہ اترے۔ **إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ**

حاصل یہ کہ ذکر لطائف اصطلاحاً دو چیزوں سے مرکب ہے۔ ذکر فکر

اسی فکر کو مشغل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے پس ان دونوں کے مجموعہ سے یعنی ذکر کی مزاوت اور فکر کی موافقت سے لطائف کے محل میں مختلف اور نئے نئے آثار و کوائف محسوس ہوتے ہیں خواہ وہ آثار و کوائف ان محلوں میں پہلے سے موجود ہوں اور احساس و ظہور اب ہوا ہو خواہ ان آثار و کوائف کا حدوث ہی اب بعد فکر ہوا ہو اور یہ آثار و کوائف کبھی حرکات کی شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور کبھی اصوات (آوازوں) کے رنگ میں رونما ہوتے ہیں اور یہ اصوات کبھی غیر الفاظ ہوتے ہیں۔ اور کبھی خاص خاص الفاظ محل لطائف میں محسوس ہوتے ہیں اور یہ الفاظ بعض کے نزدیک صرف خیالی ہوتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ خیالی نہیں بلکہ حقیقتاً محل لطائف میں پہلے سے موجود و محفوظ ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ** کہ ہر چیز اس کی حمد کی تسبیح کرتی ہے اور ذکر کرتی ہے۔ چونکہ لطائف کے محل بھی اشیاء ہیں۔ اس لئے وہ بھی آیت شریفہ کے منطوق کے موافق تسبیح میں مشغول ہوں گے اور یہ تسبیحات ہی وہ الفاظ ہیں جو ذکر کو اب محل لطائف میں محسوس و مسموع ہو رہے ہیں اور کبھی یہ آثار و کوائف الوان مختلفہ کے رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ذکر کی مزاوت اور فکر مشغل کی موافقت پر بطریق منع الخلو یہ تینوں قسم کے آثار و کیفیات مرتب ہیں جو فکر کے سرایت کی علامت ہیں۔ حرکات محل لطائف۔ استماع الفاظ محل لطائف۔ احساس الوان محل لطائف یہ تینوں آثار و کیفیات انتہائی مشق سے پیدا ہوتے ہیں اور سرایت ذکر کی علامات سمجھے جاتے ہیں۔

کبھی یہ تینوں آثار مجتمعتہ ذکر و فکر کی مزاولت پر مرتب ہوتے ہیں کبھی ایک یا دو پائے جاتے ہیں لیکن واضح رہے کہ یہ آثار سرایت ذکر کی محض علامات ہیں۔ سرایت ذکر کی حقیقت میں داخل یا اس کے خصائص (ولوازم) میں سے نہیں ہیں۔ ان علامات ثلثہ کے ظہور سے ولایت و مقبولیت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اصل مقصود تو ذکر و فکر و شغل کی مداومت سے یہ ہے کہ ذہول و غفلت کم ہو اور اکثر اوقات تیرقظ و یاد اور مشاہدہ جمال و کمال میں بسر ہو۔ ان آثار سے تقویت و تائید کا فائدہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات بعض طبائع کو وساوس و خطرات کا ہجوم ہوتا ہے اور وہ کیسوئی و دفع وساوس کے طالب ہوتے ہیں اس لئے شیخ کامل اس ذکر لطائف کی مشق کراتا ہے تاکہ سکون و اطمینان حاصل ہو جائے اور طبیعت سے انتشار و وساوس، تخیل کی پراگندگی دور ہو جائے۔

اس لئے بھی اہل طریق کبھی لفظ اللہ کا غد پر لکھ کر اس پر نظر جاتے ہیں اور کبھی عمل استکباب تجویز کرتے ہیں یعنی لفظ اللہ برابر لکھتے چلے جائیں حتیٰ کہ یہ اسم اعظم قلب و ذہن میں کما حقہ مستقر و متکون ہو جائے لیکن یہ سب طریق مقصود بالذات نہیں بلکہ صرف وسیلہ یک سوئی ہیں جو کہ ایک درجہ میں شرعاً بھی مطلوب ہے اس شرعی مطلوبیت کا درجہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کھانے کے تقاضہ کے وقت نماز سے قبل کھانے سے فراغت حاصل کرنے کا حکم ہے تاکہ کیسوئی ہو جائے اور نماز اعتدال و اطمینان سے ادا کی جائے۔ تو کھانے سے فراغت مقصود بالذات نہیں

بلکہ کیسویٰ کا وسیلہ ہے تاکہ نماز اطمینان قلب سے ادا ہو سکے۔ اسی طرح لفظ اللہ لکھ کر کاغذ پر، اس پر نظر جمانا یا عملِ استکباب مقصود بالذات نہیں بلکہ وسیلہ کیسویٰ ہے مگر عبادت کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے ان کا شمار حسنات ہی میں ہے اور یہ موجب اجر و ثواب ہیں جیسے فراغت از طعام بقصد کیسویٰ و اطمینان در نماز باعث اجر و ثواب ہے۔ پس یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ یہ کیفیات اگر مقدمہ عبادت نہ بنائی جائیں تو پھر ان کا کچھ اجر نہیں اور مقاصد میں سے تو کسی حال میں ہی نہیں۔ چنانچہ ان الوان وغیرہ کا انکشاف غیر مسلمین تک کو بھی کیسویٰ سے حاصل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ مجنونوں کو بھی جیسا کہ کتاب فن طب، شرح اسباب میں صراحتاً مذکور ہے کہ جنون میں کشف ہو جاتا ہے کیوں کہ بعض اوقات مجنون کے تخیلات بھی کسی ایک مرکز پر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ نیز اگر کسی شخص کو موصیت کے ارتکاب میں کیسویٰ ہو جائے تب بھی اس کو حقائق کو نیہ کا کشف ہو سکتا ہے بلکہ بعض لوگوں میں فطرۃ کشف سے مناسبت ہوتی ہے ان کو کتاب کیسویٰ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی چہ جائیکہ اسلام کی، اسی لئے غیر مسلم اور مسلم عاصی کے لئے ایسے امور کو ایسے کشفیات اور صوری کرامات کو کہانت اور استدراج کہا جاتا ہے۔

سُلطان الاذکار | غرض انہیں اشغال میں سے ایک شغل ایسا بھی ہے کہ ذکر تمام اعضا، و جوارح کے متعلقین ذکر کے وقت یہ اجمالی تصور کرتا ہے کہ یہ سب ذکر کر رہے ہیں۔ ایسے ذکر

و شغل کو اہل فن سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ اس سلطان الاذکار سے بھی ایسی ہی حرکات والوان و اصوات پیدا ہو جاتی ہیں کبھی چڑیوں کی سی آوازیں سنائی دیتی ہیں کبھی رعد و صاعقہ کی خطرناک گرجیں سنائی دیتی ہیں بعض دفعہ ذاکران آثار کے ہجوم سے خائف و پریشان ہو جاتا ہے ایسے موقعہ پر شیخ کے کلمات تسلی اور الفاظ تشفی سے ہی کشتی پار ہوتی ہے۔ مکتوبات قدوسیہ میں اس کیفیت کا بہت ذکر ہے۔ شیخ جلال الدین تھانیسری نے اپنے حالات میں ان کیفیات کو بار بار لکھا ہے اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی تشفیات و تسلیات بھی موجود ہیں، انہیں وساوس و خطرات کے دفع، ہجوم کے لئے اور سکون جمع خاطر کے لئے جس دم سے بھی کام لیا جاتا ہے کیوں کہ جس دم سے یکسوئی میں اعانت ہوتی ہے البتہ جس دم باندازہ ضبط و تحمل اور بقدر طاقت ہونا چاہیے اور وہ بھی شیخ کی تعلیم پر از خود نہیں۔ اس وقت اکثر نے اس کو ترک کر دیا ہے کہ اب قوی عصا میں تحمل نہیں۔

انتباہ صوفیاء کے ان طرق تعلیمات پر اعتراض نہ ہونا چاہیے چونکہ ان حضرات صوفیاء محققین کا کوئی اس قسم کا طریق تعلیم خلاف شرع نہیں ہوتا بلکہ مستند الی الشرع ہی ہوتا ہے کہیں یقیناً کہیں ظناً کہیں احتمالاً۔ اس لئے اس کو خلاف شرع نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ اجعل بصرک حیث تسجد کہ حالت قیام صلواۃ میں اپنی نظر کو جائے سجدہ پر جمائے رکھو۔ تو یہ حکم جیسے ادب و تعظیم کی رعایت

کے لئے ہے اسی طرح یہ حکم جمعیتِ خاطر و اطمینانِ قلب اور یکسوئی حاصل کرنے کیلئے بھی ہے اسی سے حضراتِ صوفیاء کرام نے اشغال کی اصل کا استنباط فرمایا ہے اور ایسے امورِ ظنیہ میں احتمال بھی کافی ہوتا ہے جو اجتہاد کے انضمام سے راجح بھی ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس احتمال سے اس امر کا تو یقین ہو جاتا ہے کہ صوفیاء کا تجویز فرمودہ شغلِ شریعتِ مطہرہ میں بے اصل نہیں۔ جیسے حضراتِ مجتہدین فقہاء بدون لصوصِ صریحہ کے بعض احتمالات پر محض ذوق سے احکامِ ظنیہ ظاہرہ کا استنباط فرماتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرات بھی احکامِ ظنیہ باطنہ کا استخراج کرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ حضرات بھی فنِ طریقت کے احکامِ باطنہ میں مجتہد ہیں۔

الغرض ذکرِ لطائف و سلطان الاذکار جس دم وغیرہ سے مقصود اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل و دماغ میں ایک راسخ ملکہ یا درواشت پیدا ہو جائے جس کے سبب اکثر اوقات مقصود سے ذہول و غفلت نہ ہو بلکہ ذکر میں مشغول رہے جو کہ مطلوب عند اللہ ہے۔

جس پر لَا يَسْزَالُ لِسَانُكَ رَبًّا مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ، اور كُلُّ مِطِيعٍ لِلَّهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ نِزَآئِتٍ شَرِيفَةٍ صَرِيحَةٍ مِّنْصُورَةٍ فَإِذَا أَقْبَضْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ۔ صریح الدلالة ہیں اور پھر آیات و احادیث سے کثرتِ ذکر کا حکم ظاہر ہے حتیٰ کہ ارشاد ہے۔ اذْكُرُوا اللَّهَ حَتَّىٰ يَقُولُوا إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ اسی کثرتِ ذکر کو حضراتِ صوفیاء و امامِ ذکر سے تعبیر فرماتے ہیں۔ پس جب تصریح قومِ صوفیاء سے معلوم ہو چکا

کہ تمام اذکار و اشغال سے مقصود اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل و دماغ میں ایک مستحکم اور راسخ ملکہ یادداشت پیدا ہو جائے جس میں اکثر اوقات ذہول و غفلت نہ ہو تو اسی ذکر میں قوت و ترقی ہو کر وہ درجات پیدا ہو جاتے ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے یعنی ذکر، حضور، مکاشفہ، شہود، معائنہ

انتباہ | حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان اشغال و مراقبات وغیرہ تدبیر و طرق کی ضرورت نہ تھی کیوں کہ وہ سید الانبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس طیّبہ کی برکات اور مصاحبت مطہرہ کے فیوض سے اپنے قلوب و اذہان میں ایسی قوی اور کامل استعداد رکھتے تھے کہ ان امور کو واسطہ مقصود بنانے کی ان کو ضرورت نہ تھی۔ اعمال مامور بہا ہی ان اشغال کے ثمرات کے لئے ان کو کافی تھے۔ یہی راز ہے کہ یہ علوم مُرَوِّج خیر القرون ہیں مُدَوِّن نہیں ہوئے۔ جوں جوں خیر القرون سے بعد ہوتا گیا حل مشکلات اور فتح مُغَلَقَات کے لئے تدوین علوم کی ضرورتوں کا احساس ہوتا گیا جس کو علمائے امت نے خیر القرون سے متصل ازمنہ متغایرہ میں باحسن وجوہ انجام کو پہنچا دیا اور چونکہ ضرورتیں مختلف تھیں اس لئے فطرتاً تقسیم عمل کی حاجت ہوئی۔ چنانچہ بعض حضرات نے علم ظاہر کی جانب توجہ مبذول کی اور اس کے مختلف شعبوں میں سے کسی خاص شعبہ کو اپنا مخصوص مرکز توجہات بنا لیا گو اور شعبوں کی جانب بھی بقدر ضرورت متوجہ رہے اور بعض حضرات نے امانتِ باطنی کو سنبھالا اور اس خاص شعبہ شریعت کو مخصوص توجہات کا مرکز بنایا۔

اس طرح دونوں جماعتوں نے اُمتِ مرحومہ کو رہن منت فرمایا
 پس چونکہ ہم ضعیف الاستعداد اور ضعیف العقائد ہیں۔ ہمارے دل و دماغ
 میں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس کا حسن و جمال مرکوز اور جما ہوا ہے۔
 حقائق ہم سے مستور ہیں اس لیے ہم کو وصول الی اللہ کے لئے اور قرب
 حق کے لئے ان ذرائع اور وسائل خاصہ کی حاجت ہے اور شدید حاجت
 ہے اسی لئے کتب تصوف کی تدوین ہوئی اور ان میں امراضِ باطنہ، اسباب
 امراض، طریق تشخیص، معالجات تمامہما و یکماہما منضبط و مضبوط اور مضبوط
 ہیں، لیکن باوجود اس کے سالکین کو سلوک کے مراحل طے کرنے اور
 اصلاح نفس و تزکیہ اخلاق میں شیخ کامل کی سخت ضرورت ہے بغیر
 تعلیمات و تنبیہات شیخ کے و سوسہ شیطانی سے محفوظ رہنا اور صحیح سالم
 منزل مقصود پر پہنچنا کارے وار و عادیہ محال ہے۔ شیخ مختلف اذکار
 و اشغال وغیرہ میں سے اپنی فطانت اور فہم و فراست اور اپنے تجارب
 کی بنا پر کہ وہ شیخ کامل اس راہ سلوک کے اطراف و جوانب کو بعلم الیقین
 و عین الیقین و حق الیقین طے کر چکا ہوتا ہے تو اب وہ ہر سالک کے مزاج
 اور خصوصیات کے موافق ذکر و شغل وغیرہ تجویز کرتا ہے جس سالک کو جس
 طریق سے مناسبت سمجھتا ہے اسی طریق کے ذریعے منزل مقصود کی جانب
 اس کی رہبری کرتا ہے۔ بالکل ایسی مثال ہے کہ طب ظاہری میں علاج
 ابدان کے لئے متعدد ادویہ ایک اثر ایک درجہ ایک کیفیت ایک
 مزاج کی ہوتی ہیں لیکن طبیب حاذق مختلف اصحاب کیلئے خفی مناسبت

کی بنا پر علیحدہ علیحدہ دوا تجویز کرتا ہے اس پر اعتماد نہیں کرتا کہ یہ دوائیں خواص میں متحد ہیں اس لئے سب مریضوں کے لئے جو ایک ہی مرض میں مبتلا ہیں ایک ہی دوا تجویز کر دوں تو دیکھئے کتب طب ظہری میں بھی نہایت شرح و بسط کے ساتھ یہ دوائیں موجود ہیں لیکن مریضوں کے لئے اپنے معاملات میں صرف ان کا مطالعہ کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ ضرور ماہر فن طبیب کی تلاش کی جاتی ہے خصوصاً پیچیدہ امراض میں حتیٰ کہ امراض شدیدہ میں تو خود اطباء بھی اپنے معاملات میں اکثر دوسرے اطباء سے مشورہ لیتے ہیں پس جو نسبت مرض جسمانی اور کتب طبیہ اور اطباء میں ہے وہی نسبت سالکین کے امراض روحانیہ و نفسانیہ اور کتب تصوف و مشائخ میں ہے

اصل ضرورت تعلیم شیخ کی ہے بیعت اصل نہیں ہے

لیکن یہ بات ضرور خیال رکھنے کی ہے کہ ضرورت شیخ کی تعلیم کی ہے نہ کہ بیعت کی۔ آج کل تمام دار و مدار بیعت پر سمجھا جاتا ہے اور تعلیم کی جانب توجہ نہیں کی جاتی، حالانکہ اصل شئی تعلیم ہے اگر ایک شخص بیعت نہیں ہے لیکن اس کو شیخ کامل تعلیم دیتا ہے اور وہ اخلاص و صدق کے ساتھ اور فکر و اہتمام کے ساتھ پورا پورا اتباع کرتا ہے عمل کرتا ہے تو اس کے کامل مکمل ہو جانے میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں۔ برخلاف اس شخص کے جو کسی قطب الارشاد سے بیعت ہے مگر نہ وہ تعلیم دیتا ہے اور نہ یہ عمل کرتا ہے تو یہ بیعت بیعت ہے دیکھو کیا کوئی طبیب ظاہر کبھی معالجہ امراض میں مریضوں سے یہ شرط کرتا ہے

کہ تم میرے شاگرد ہو جاؤ؛ تو اصلاح و تربیت، تہذیب و اخلاق کے لئے بیعت کو شرط قرار دینا کیسا؛ حضراتِ صوفیاء کا مقصود بیعت سے صرف اتنا تھا کہ شیخ و مرید میں ایک طرح کی مناسبت پیدا ہو جائے جس سے فی الجملہ تعلیم شیخ و تعلم مرید میں سہولت ہو یعنی تعلیم کے لئے بیعت کو لاء لا متنع کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ صرف مصحح لدخول الفاء کے درجہ میں ہے مگر ناواقفوں نے عکس کر دیا بلکہ عکس سے بھی زائد کہ بیعت ہی کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں چاہے تو یہ تھا کہ تعلیم شیخ پر پابندی سے عمل کیا جاتا۔ اور شیخ کو اپنے حالات و کیفیات سے مطلع کیا جاتا کیوں کہ اطلاع احوال و کیفیات کو فطری طور پر شیخ کو مرید کی جانب متوجہ کرنے میں کافی دخل ہے اس لیے کہ اس کو اس سے مسرت ہوتی ہے کہ یہ میری تعلیم پر عمل کرتا ہے اور میری تدبیر کو نگاہِ وقعت سے دیکھتا ہے جیسے طبیب جب اپنے مریض کو متوجہ اور قدردان پاتا ہے تو زائد متوجہ ہوتا ہے مگر اب بیعت ہی مطمح نظر ہو گئی ہے۔ ع۔ ہیں تفاوت رہ از کجاست تا بلجا۔

دیکھئے استاد شاگرد کا تعلق کس قدر قوی ہوتا ہے؛ بہت قوی ہوتا ہے مگر محتاج بیعت نہیں۔ دکاندار پیروں نے عوام الناس کو ارادت کے دام میں پھنسانے کے لئے بیعت کی ضرورت کے گیت گائے۔

پس شیخ و مرید کے اس طرح کے تعلق سے کہ شیخ کی جانب سے تعلیمات کا ہونا رہنا اور مرید کو تعلیمات پر کمال اعتماد اور جازم اعتقاد کے ساتھ اتباع اور حالات و کیفیات سے اطلاع بخالص و صدق ہونا رہنا نسبت مع اللہ کے حصول کا خاص طریق ہے

انتباہ یوں تو نسبت مطلق تعلق مع اللہ ثابت ہے اور ولایت عامہ میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی اللہ و لٰی الْمَدِیْنِ اَمْ نُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلٰی النُّوْرِ اس پر دلیل ہے لیکن ولایت خاصہ اور نسبت خاصہ اس تعلق مع اللہ کو کہتے ہیں جس کے لوازم میں سے دو چیزیں نہایت ضروری ہیں اول کثرت ذکر دوسرے دوام طاعت بغیر ان دو چیزوں کی نسبت خاصہ حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس نسبت خاصہ میں سالک کو حق تعالیٰ سے ایسا قوی تعلق ہو جاتا ہے کہ ذہول گماؤ کینفا نہایت ہی خفیف ہوتا ہے اور یہ صاحب نسبت عدم نسیان اور عدم ذہول میں اور اوامر کے بحالانے اور نواہی سے پرہیز کرنے میں مثل عاشق مویح کے ہوتا ہے۔

• خلاصہ یہ ہے کہ اس صاحب نسبت کو طبعاً دین حق کی مخالفت ایسی گراں اور مکروہ ہوتی ہے جیسے عوام مومنین کو عقلاً جیسا کہ حدیث میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی حلاوت والے کو کفر کی طرف لوٹنے سے ایسی گھبراہٹ ہوتی ہے جیسے آگ میں ڈالے جانے سے گھبراتا ہے۔
یعنی نفرت و کراہت اور وحشت طبعی ہوتی ہے۔

ایمان دو قسم پر ہے

تو ایمان دو قسم کا ہوا ایک وہ جو حلاوت کے ساتھ ہو یہ وہی ایمان

ہے جو نسبت خاصہ کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو بدونِ حلاوت ہو یہ وہ ایمان ہے جو نسبت عامہ کے ساتھ ہوتا ہے جس کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے کہ ایمان دو ہیں ایک وہ جس کا حاصل کرنے والا جہنم میں داخل نہ ہو گا اور دوسرا وہ جس کا حاصل کرنے والا جہنم میں داخل نہ رہے گا، ہمیشہ نہیں رہے گا یہ وہ ہے جو بغیر حلاوت ایمان کے ہے تو اس حلاوت ایمان کی تحصیل کے لئے ہی تمام اذکار و اشغال کا طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ تمام اذکار و اشغال سے غایت مقصود اور غرض اصلی نسبت خاصہ کا اکتساب ہے اور اس نسبت کا اکتساب واجب ہے۔ پس کثرتِ ذکر اور دوامِ طاعت کا وجوب ظاہر ہے ذکر قلیل جو ذکر کثیر کا مُضاد ہے اس کو حق تعالیٰ نے منافقین کی مذمت میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ مَعْلُومٌ هُوَ اَنَّ كَثْرَتِ ذِكْرِ مَطْلُوبِ ہے جس طرح دوامِ طاعت مطلوب ہے۔ پس بندوں کی جانب سے کثرتِ ذکر و دوامِ طاعت ہوتا ہے اور بندوں کے خالق کی جانب سے رضاء ہوتی ہے تو اس طرح رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کا مصداق ہو جاتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مرکبِ معاصی کو نسبت خاصہ مصطلحہ کا حصول نہیں ہوتا الحاصل یہی نسبت وہ قرب ہے جو مامور بالتحصیل ہے اور اس کا طریق صرف اعمالِ صالحہ ہیں جو اختیاری ہیں نہ کہ کیفیات اور حالات غیر اختیار یہ جن کا قرب مذکور میں کچھ دخل نہیں مگر اکثر اصل طریق یعنی اختیاریات کو چھوڑ کر غیر اختیاریات کے ورپے ہوتے ہیں اور یہ سخت مُضِر اور مانع حصولِ نسبت

ہے۔ پس جو قرب افعال اختیار یہ پر مرتب ہوتا ہے وہ وہ قرب ہے جو مامور بالتحقیل کے مطلق قرب نہیں۔ لہذا اعمال اختیار یہ، ظاہرہ و باطنہ اخلاق فاضلہ بلکہ قرب مقصود کے لئے شرط ہیں۔

علم مکاشفہ ناقابل التفات ہیں | پس یہ بات نہایت ضروری اور اہتمام کے ساتھ خیال رکھنے

کی ہے اور بہت ہی زیادہ قابل توجہ ہے کہ تصوف سے متعلق جو علوم مکاشفہ ہیں وہ بالکل ناقابل التفات ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ خود کشف و کرامات ہی کو اہل فن حیض الرجال سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس مقصود فوائد ہیں نہ کہ زوائد۔ اسی لئے میرے شیخ حضرت حکیم الامت مجدد ملت محی الطریق فرمایا کرتے تھے کہ علوم مکاشفہ کے بیان سے مجھے ذرہ برابر بھی حظ نہیں ہوتا۔ میں اس خدمت کو اصل کام اور باعث حظ سمجھتا ہوں کہ کسی طالب و عامل کو کچھ بتا دوں اور وہ اس پر اہتمام سے عمل پیرا ہو۔ باقی اس قسم کی تحقیقات و تدقیقات تو حقیقت میں بیبندی اور صندرا کی تقریروں کے مترادف ہیں اگر سچ پوچھئے تو ثمرات و برکات کا حصول ان تحقیقات و تدقیقات کے نسیاً منسیاً کر دینے پر موقوف ہے چونکہ ایسی تحقیقات اور تدقیقات حجاب اور مانع ہیں۔

اور فرمایا کہ جس زمانے میں میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرسہ اول تھا ایک طالب علم نے درخواست کی کہ مجھ کو مثنوی مولانا نے روم پڑھا دیجئے۔ میں نے دریافت کیا، کیا آپ تحصیل درسیات سے فارغ ہو چکے ہیں کہا کہ درسیات قریب الختم ہیں۔ کچھ باقی ہیں۔ میں نے

کہا مولوی صاحب مشنوی کے پڑھنے کے لئے ابھی دو درجے باقی ہیں پہلے
دریات کا اکمال اور پھر ان کا اہمال یعنی محو کرنا اور بھلانا۔ اسی لئے کہا گیا
ہے العلم ہوا الحجاب الاکبر۔ تو میرے نزدیک علوم مکاشفہ ناقابل التفات ہیں
ان کو میں مُخَلِّ مقصود سمجھتا ہوں پس سالک طالب کو یہ بس اور کافی ہے کہ اس
طرح سلوک طے کرنے میں ہنہمک ہو اور یہی مطمح نظر ہو کہ

قدم باید اندر طریقت نہ دم •• کہ اصلے ندر و دم بے قدم
قال را بگذر از مرد و حال شو •• پیش مرد کاٹے پامال شو
کار کن کار بگذر از گفتار •• کاندہریں راہ کار باید کار

اسی سلسلہ میں ایک ملفوظ السبیل لعابرا بسبیل کے نام سے محفوظ
و مطبوع ہے۔ فرماتے ہیں میں دیکھتا ہوں کہ آج کل ان باتوں کا کہیں تذکرہ
نہیں نہ علماء کے یہاں نہ مشائخ کے یہاں بس تصوف کی ایک مبہم صورت
بنارکھی ہے اسی وجہ سے اس کی تحقیق مدت سے مستور چلی آتی تھی مگر
الحمد للہ اس وقت ایسی وضاحت ہو گئی کہ کوئی خفا اور التباس کسی قسم کا اس
میں باقی نہیں رہا۔ مجھے تو بجز اللہ کسی مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ اور خلیجان
نہیں ہوتا نہ طالب کی کسی حالت کی تحقیق معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح
کی تدابیر تجویز کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو میں خیر خواہی
سے عرض کرتا ہوں عملاً بقولہ علیہ السلام الدین النصحۃ کہ اس وضوح کو
اس زمانہ میں غنیمت سمجھ کر اس کی قدر کرنا چاہیے اور اس سے منتفع ہونا
چاہیے

ہر وقت خوش کہو و ہر منعم شمار ہو۔ کس را و قوف نیست کہ انجام کارِ حیات
کہہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت میں اس بیش بہا نعمت کی ناقدری پر باز پرس
ہو ابھی وقت ہے کہ خوش نصیبانِ اسلام اس نعمتِ غیر متبرقہ سے مالا مال ہوں
حضرت قدس سرہ العزیز کے اس ارشاد پر کہ مجھے تو بجز اللہ مسئلہ
تصوف میں مطلق شبہ اور خلجان نہیں ہوتا۔ حضرت کی تصانیفِ نافعہ فی التصوف
مسائل السلوک التکشف خود دلیل ہیں اور اس ارشاد پر کہ نہ طالب کی کسی
حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر کرنے میں خواہ
کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو۔ کتاب تربیت السالک کھلی شہادت
ہے۔

خلاصہ بیان لطائفِ ستہ

یہ لطائف کے سلسلے میں بیان تھا
مگر طویل ہو گیا اس لیے اب خلاصہ

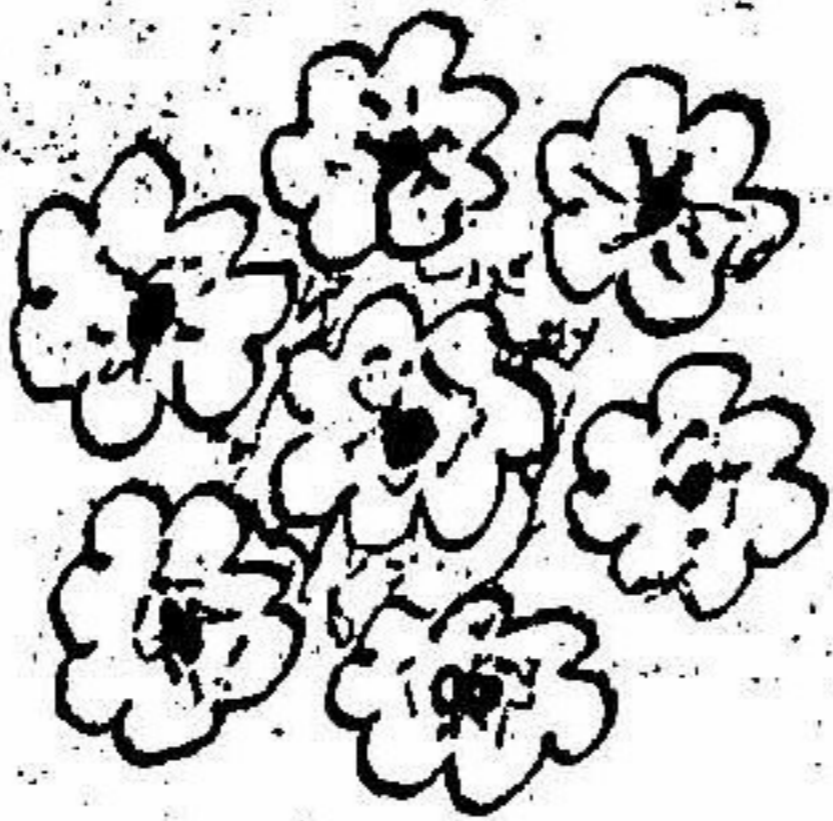
کے طور پر لطائف کی تعداد اور ان کے نام اور ان کے محال اور الوان اور افعال
لکھے جاتے ہیں۔

لطائف چھ ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ لطیفہ نفس۔ لطیفہ قلب
لطیفہ روح۔ لطیفہ ستر۔ لطیفہ نخی۔ لطیفہ اخفی۔ ان کے محل یہ ہیں۔ لطیفہ نفس
کا محل زیر ناف ہے۔ لطیفہ قلب کا محل، قلب صنوبری ہے جو بائیں پستان
کے دو انگل نیچے ہے۔ لطیفہ روح کا محل وائیں پستان کے دو انگل نیچے
لطیفہ قلب کے محاذی ہے۔ لطیفہ ستر کا محل زقن کے نیچے سینہ کے بیچوں
بیچ ہے۔ لطیفہ نخی کا محل دونوں ابروؤں کے درمیان ہے۔ لطیفہ

اخفیٰ کا محل ام الدماغ ہے۔ لطائف کے الوان یہ ہیں۔ لطیفہ نفس کا لون
 ورنگ زرد ہے۔ لطیفہ قلب کا رنگ سرخ ہے۔ لطیفہ روح کا لون و
 رنگ سفید ہے۔ لطیفہ سر کا لون بزم ہے۔ لطیفہ خفیٰ کا لون نیلا اور لطیفہ اخفیٰ
 کا رنگ سیاہ ہے۔

لطائف کے افعال و آثار یہ ہیں۔

لطیفہ نفس کا اصل فعل غفلت و شہوت ہے۔ مقاومت و مخالفت
 نفس کے ذریعہ القطاع عن الخلق ہے۔ لطیفہ قلب کا فعل ذکر ہے۔ لطیفہ روح
 کا فعل حضور ہے۔ لطیفہ سر کا فعل مکاشفہ ہے۔ لطیفہ خفیٰ کا فعل شہود و مشاہدہ
 اور فناء ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کا فعل معائنہ اور فناء الفناء ہے۔



ذِکْر

ذکر صوفیاء کی اصطلاح میں یہ ہے کہ انسان خدا کی یاد میں تسامع
غیر خدا کو بھول جاوے اور محض قلب خدا کا قرب نزدیک اور معیت حاصل
کرے جیسا کہ ارشاد خداوندی بلسان جبریل و رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم
بحديث قدسی ہے۔

أَنَا مَعَ عَبْدِی إِذَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَاةٌ أَنَا جَلِيسٌ مِّنْ ذِكْرِنِي
کہ جب میرا بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ
ہلتے ہیں میں اس کے ساتھ ہو جاتا ہوں اور جو مجھ کو یاد کرتا ہے میں اس کا
ہم جلس ہمنشین ہوں اور ارشاد ربانی بیخبر قرآنی ہے۔ سَجَّوْهُ بَكَرَةً وَأَصِيلاً
خدا کی صبح شام تسبیح کیا کرو۔ نیز فرمایا۔ فَادْكُرُوا لِلَّهِ قِيَامًا وَقُعُودًا
وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ۔ پس خدا کو یاد کرتے رہو، اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے یعنی ہر وقت
رکما ہوا (مجاورہ) ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت
ذکر مطلوب ہے۔ اس کی مدح بھی ہے اور فضیلت بھی ہے اور ترغیب بھی ہے

پس پوری توجہ سے یادِ الہی میں اس طرح منہمک ہو جاوے کہ اپنے
نفس سے بالکل بے خبر ہو جاوے۔ یہ ذکر ہے کہ ہوائے نفس سے کچھ نہ کرے
کُلُّ مَطِيْعٍ لِلّٰہِ فَہُوَ ذَاکِرٌ کے مطابق ہر عمل میں ذکر کا ظہور ہو۔

اقسام ذکر | ذکر کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن مقصود ذکر سے مطلوب کا
حاصل کرنا ہے اس لئے جس ذکر سے یہ فائدہ و مقصود حاصل ہو

جاوے وہی ذکر ہے خواہ وہ نماز و روزہ ہو یا ادویۃ ماثورہ و درود و شریف ہوں
لیکن یاد رہے کہ مقصود اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کبرے
نہ نکل جائے، ذاکر اپنے کو مٹانہ دے طالبِ خدا اس کے ذکر میں اس
طرح منہمک ہو جاوے کہ اپنے کو اور تمام ماسومی اللہ کو بھول جاوے۔ جب
اس طرح ہو جائے گا تو اس پر انوارِ الہیہ کی اس قدر تجلیات ہوں گی کہ اس کے
حواسِ خمسہ مغلوب اور مستور ہو جائیں گے۔ ذکر و ذاکر دونوں فنا ہو کر صرف
مذکور ہی رہ جائے گا اور جو شہدا اللہ اَنَّہ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ میں اقرار کیا تھا
اس کا مصداق ہو کر عین الیقین بلکہ حق الیقین تک ہو جائے گا۔

انتباہ | یوں تو ذکر کے اقسام بہت ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا لیکن
چونکہ حدیث شریف میں اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ آیا

ہے اس لئے اکثر مشائخ اسی ذکر سے ابتدا کرتے اور اسی کی تعلیم دیتے
ہیں۔ اسی میں چار قسمیں نکلتی ہیں

ذکرِ ناسوتی، ملکوتی، جبروتی، لاہوتی | اولُ نفسی و اثباتِ لَا اِلٰہَ اِلَّا
اللّٰہ - دوسرے اثبات

اَلَا اَللّٰهُ تَيْسِرُ اَللّٰهُ چوتھے ہو۔

اور عالم بھی چار ہیں۔

ناسوتی۔ ملکوتی۔ جبروتی۔ لاہوتی

اول ذکر ناسوتی ہے۔ دوسرا ملکوتی۔ تیسرا جبروتی، چوتھا

لاہوتی اور وہ ہو ہو ہے۔ یوں بھی یعنی اس طرح بھی، کہا ہے کہ تیسرا مکرر

اَللّٰهُ اَللّٰهُ ر اول پیش کے ساتھ دوسرا جزم کے ساتھ اور چوتھا صرف اسم

ذات بسیط غیر مکرر اَللّٰهُ ر جزم کے ساتھ ہے۔

ذکر لسانی کو ناسوتی۔ ذکر قلبی کو ملکوتی۔ ذکر روح کو جبروتی۔ ذکر

سیر کو لاہوتی اور یہ بھی ہے کہ ذکر لسانی کو جسمی اور فکر کے ذکر کو نفسی۔ اور

مراقبہ کو ذکر قلبی اور مشاہدہ کو ذکر روحی اور معائنہ کو ذکر سیری کہتے ہیں۔

ذکر ناسوتی لَا اِلٰهَ اِلَّا اَللّٰهُ ہے کہ اس میں امور ناسوت، شہوات

ولذات وخواہشات جو ناسوت یعنی عالم دنیا سے متعلق ہیں نفس کو مشغول

کرتے ہیں ان سے نفی ہے ان سے نکل جانا اور انقطاع ہوئی و لذات ہو کر

ذکر ناسوتی باعث حصول محبت حق ہو اور ذکر ملکوتی اَللّٰهُ سے حصول رضا

ہو اور ذکر جبروتی اَللّٰهُ اَللّٰهُ سے مراقبہ ذات مع صفات عظمت و احسان

و رحمت و شفقت وغیرہ ہو اور ذکر لاہوتی اَللّٰهُ سے توجہ الی الذات البحت

مع قطع النظر عن الصفات ہو۔

انہی اذکار کی انواع میں سے اصناف بھی ہیں جو حصول مقصود

میں خاص تاثیر رکھتے ہیں ان کا نام شغل اور مراقبہ ہے۔

اشغال

شغل یہ ہے کہ آنکھ کھول کر آسمان کی طرف یا اپنے سامنے کسی چیز کو مثلاً لفظِ اَللّٰہ کو دیکھتے ہیں اور پلک بند نہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں شغل کئی طریق پر ہوتا ہے شغل پاسِ انفاس بلا حسی دم اور بحسی دم شغل جارویہ۔ شغل حدادی۔ شغل اَرۃ۔ شغل سہ پایہ۔ شغل سلطاناً نصیراً۔ شغل سلطاناً محموداً شغل سلطاناً الاذکار۔ شغل سرمدی۔ شغل بساط۔ شغل قلندری ان میں سے بعض کو ذکر سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

تنبیہ
اذکار و اشغال اور مراقبات مع حسی دم بہت طریقوں پر کئے جن کا تحمل بوجہ قوی و اعصاب اور دل و دماغ کے کمزور ہونے کے نہیں ہے اندیشہ ضرر جسمانی و فتور دماغ، جنون خشکی و دماغ ہو کر تحمل الحواس ہونے کا ہے اس لئے یہاں ان کا بیان نہیں کیا جاتا۔ بس سادہ اور آسان طریق کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ذکر اسم ذات اللہ بلا پیش ہ کے جزم کے ساتھ۔ ہر طالب کو چاہیے کہ پاسِ انفاس کے ساتھ اسم ذات اللہ کا ورد ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ روزانہ کر لیا کرے یہ مرتبہ انتہائی مرتبہ ہے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو چوبیس ہزار مرتبہ کر لے اس میں حکمت یہ ہے کہ آدمی دن رات میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے ہر سانس میں ایک ذکر ہو جائے گا اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم بارہ ہزار بار ضرور کیا کرے یہ ادنیٰ مرتبہ ہے، اس ذکر میں ذکر زبانی یقیناً ذکر قلبی کا وسیلہ ثابت ہوگا اگر بارہ ہزار مرتبہ بھی نہ ہو سکے تو مرید کو چھ ہزار بار اسم ذات کا ورد کر لینا ہی چاہیے۔

ذکر لفظی و اشبات | طریق یہ ہے کہ لا الہ کے لاکھ نواف سے ذرا طاقت

سے کھینچ کر لفظ اللہ کو اپنے بازو تک لیجا کر سر کو پیٹھ کی طرف تھوڑا سا جھکا کر یہ خیال کرے کہ میں نے غیر سے اپنے دل کو پاک کر کے تمام اغیار کو پس پشت ڈال دیا پھر **لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کی ضرب ذرا زور سے دل پر لگائے یہ دو سو بار کہے اس طرح کہ ہر دس بار یا سانس ٹوٹنے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے۔

انتباہ | **لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کہتے وقت مبتدی لا محبوب اور متوسط لا مقصود یا لا مطلوب اور منہتی کامل لا موجود کا تصور کرے اور تھوڑی دیر مراقب ہو کر خیال کرے کہ فیوض الہیہ قلب میں ہر وقت حاصل ہوتے رہتے ہیں اور تصور کرے کہ فیضان الہی عرش سے میرے سینہ میں آتا ہے خواہ چار زانو بیٹھے یا دو زانو جس میں سہولت و ذوق ہو۔

ذکر اثبات مجرود | **لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ پہلی بار **لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کہتے وقت ناف سے کھینچ کر سر کو دائیں شانہ کی طرف لیجا کر **لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کی ضرب دل پر لگائے اور پھر دل پر ہی بائیں جانب ضرب لگاتا رہے چار سو بار پھر مثل نفی اثبات مراقبہ کرے۔

ذکر اسم ذات و ضربی | **اللّٰہُ اللّٰہُ** اول و آخر کے ساتھ اور دوسری **اللّٰہُ اللّٰہُ** جہزم کے ساتھ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں آنکھیں بند کر کے سرواٹے کندھے کی طرف لے جا کر اللہ پیش کے ساتھ لطیفہ روح پر ضرب لگائے اور دوسرے لفظ **اللّٰہُ** جہزم کے ساتھ سے دل پر ضرب لگائے یہ چھ سو بار کہے پھر اس طرح مراقبہ کرے کہ ہر دس

یا زائد کے بعد اَللّٰهُ نَاطِرِي اَللّٰهُ حَاضِرِي، اَللّٰهُ مَعِي کہتا رہے تاکہ کیفیت و لذت اس کی حاصل ہو۔

ذکر اسم ذات یک ضربی | اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ اللہ جزم کے ساتھ سر بائیں جانب لے جا کر دل پر ضرب کرے

یہ سو بار رہے۔ پھر مراقب ہو کر اس طرح کہے۔ اَللّٰهُ نَاطِرِي۔ (اللہ مجھے دیکھتا

ہے۔) اَللّٰهُ حَاضِرِي۔ (اللہ میرے پاس ہے۔) اَللّٰهُ مَعِي (اللہ میرے ساتھ ہے) اور معنی کا خیال کرے۔

انتباہ | ذکر نفی و اثبات لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں اس قدر مشغول ہو کر ہوائے ذکر کچھ نہ رہے۔ کوئی سانس بغیر ذکر نہ نکلے۔ جب اس حالت

کو سالک پہنچ گیا تو عالم مادیت، عالم اجسام سے تجاوز کر کے مرتبہ لطیفہ پر

پہنچ جائے اور اب بجز اَللّٰهُ کے اثبات کے تمام کی نفی ہو جاتی ہے

اب یہ مرتبہ نفس سے نکل کر لطیفہ قلب کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے چونکہ یہ

ذکر اَللّٰهُ دل کا ذکر ہے اس لیے اب اَللّٰهُ کا تصور کھنور قلب

چاہیے کہ اپنی ذات و صفات کو اللہ کی ذات و صفات کے ساتھ ربط ہو

جاوے۔ جب سالک اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو مرتبہ دل سے گزر کر مرتبہ

روح پر پہنچ جاتا ہے اور روح کا ذکر اسم ذات اللہ کا ذکر ہے اس واسطے

اس ذکر اسم ذات میں اس طرح انہماک ہو کہ الف لام جو اللہ پر داخل ہے باقی

نہ رہے صرف ہو رہ جائے۔ اس مرتبہ پر پہنچنے سے سالک سر باپا ذکر

ہو جائے گا اور روح سے ترقی کر کے مرتبہ سر پر پہنچ جائے گا اور مقام

فناء الفناء پر فائز ہو جائے گا۔ اب سالک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق

ہو جاتا ہے کہ اب وہ مصداق حدیث شریفِ بی کُتُبِ وَبِیْ یَدِیْہِ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب وہ میرے ساتھ سنتا ہے میرے ہی ساتھ دیکھتا ہے وَبِیْ یُطِیْعُنِیْ میرے ہی ساتھ پکڑتا ہے وَبِیْ یُطِیْعُنِیْ میرے ہی ساتھ چلتا ہے یعنی اس کا ہر حرکت و سکون خدا کی مرضی کے مطابق وجود میں آتا ہے۔ (دیکھنے میں بشر ہے لیکن بے شر ہے۔ سراپا نور ہے) اب اس کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی خوب معرفت ہو جائے گی۔ عبدیتِ کاملہ حاصل ہو جائے گی۔ عبدیت میں درجہ کمال اور لبِ ہمت عبادت میں مشغول ہوگا۔ حفظ مراتب اور احکامِ شریعت کا امراً و نہیاً امتثال کرے گا۔

ذکرِ حَلٰی وَخَفٰی | ذکرِ لسانی کو حَلٰی اور ذکرِ قلبی کو خَفٰی کہتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ لسانی کے جہر کو حَلٰی اور غیر جہر کو خَفٰی کہتے ہیں۔ ذکرِ حَلٰی کی ادنیٰ حد تو متعین ہے وہ زبان کو حرکت دینا یا اپنے آپ کو سنانا ہے لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں یہ اپنے اپنے نشاط پر ہے مگر اس کا خیال ضروری ہے کہ کسی نمازی یا سونے والے کو ایذا نہ ہو۔

تاخیر و صل سے آتشِ شوق میں الہتہاب پیدا ہوتا ہے

اِنْتِبَاحٌ | دستور ہے کہ وصالِ محبوب کے حاصل ہونے میں جس قدر دیر ہوتی ہے اسی قدر وصل کے سچے طالب کو آتشِ شوق میں الہتہاب اور طلب و خواہش وصل میں زیادتی ہوتی ہے سو جو شخص استقلال و مروانگی سے جدوجہد کرے گا اس کے متعلق خدا کے فضل و کرم سے کامیابی کی امید ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَسۡدُنَّ لَہُمۡ

سُبُلْنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلَّ الْمُحْسِنِينَ ۝

شغلِ پاسِ انْفاسِ | پاسِ انْفاسِ نفی و اثبات لآلہِ اِلَّا اللّٰهُ
کے ساتھ بھی ہے اور اسم ذات اللہ کے

ساتھ بھی ہے اور شغل کے بہت طریق ہیں جن کے نام پہلے لکھے گئے
ہیں۔ یہاں اُن کے نام ہی پر اکتفا کیا گیا ہے کیوں کہ یہ بتلایا جا چکا
ہے کہ اب وہ سب بسبب ضعفِ اعضا و شراہین و امعاء و معدہ
اور ضعفِ دل و دماغ قابلِ تحمل نہیں۔ بس ذکر کی تکثیر حسبِ فرصت
و صحت باخلاص و صدق بطلبِ صادق و محبتِ کافی ہے مع اہتمامِ تقویٰ
و اجتنابِ مشبہات انشاء اللہ تعالیٰ وہ سب آثارِ کم و بیش حاصل ہوں
گے اگرچہ وہ مطلوب نہیں ہیں اس لئے نہ تفصیلی التفات کی ضرورت
نہ رغبت کی ضرورت چونکہ وہ سب آثارِ مخلوقات میں سے ہیں طالبِ
خالق کو مخلوق کی طرف التفات ہی کیوں اور کہاں ہے۔

اوپر بتایا گیا ہے کہ حسبِ طریقِ ذکرِ نفی و اثبات، ذکرِ اثبات
ذکرِ اسمِ ذاتِ دو ضربی و یک ضربی اور ذکرِ ہو ہو کی مداومت کرنا۔ مقامِ
فناء اور فناء الفناء، اور کمالِ عبدیت پر پہنچا ویتا ہے۔ بفضلہ و توفیقہ
تعالیٰ اور مقصد و حصول و قبول ہے جو سب سے حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر
اشدِ مجاہدات و ریاضیات کیوں ہوں جب کہ اب عاۃً نباہ بھی نہیں ہو
سکتا اور باعثِ ضعف اور مُفْرِجِ جسم بھی ہے۔ پس ذکرِ حسبِ بیان و تعلیم
سابق اور یہ سادہ شغلِ پاسِ انْفاسِ کافی ہے۔

طریق شغلِ پاسِ انفاسِ نفی و اثبات

سانس لیتے وقت اور سانس باہر کرتے وقت اس طرح ذکر کرے کہ سانس باہر آتے لَ اِلَہِ کہے اور سانس لیتے وقت اِلَ اِلَہِ کہے اور دونوں سانسوں کے وقت ناف کو دیکھے اور منہ بالکل بند رکھے اور زبان کو بالکل حرکت نہ دے۔ اس قدر پابندی یا استقلال چاہیے کہ طبعی سانس خود بخود بلا ارادہ ذکر کرنے لگے۔

طریق شغلِ پاسِ انفاسِ بذکر اسمِ ذاتِ اللہ

اس کا طریق یہ ہے کہ لفظ اللہ کو سانس باہر آتے وقت اور ہو کو سانس لیتے وقت اندر لائے اور تصور کرے کہ ظاہر و باطن ہر جگہ اللہ ہی کا ظہور ہے اور ذکر اس قدر زیادتی بلحاظ صحت و فرصت کرے کہ سانس ذکر کا عادی ہو جائے اور حالتِ بیداری میں فراغ و مشغولی میں ذکر رہے اور ماسویٰ اللہ سے قلب بالکل صاف ہو جائے۔

چونکہ یہ ذکر قلب کو بالکل صاف، کدورتوں سے پاک کر کے انوار الہیہ کا مہبط یعنی نزلوں کا محل بنا دیتا ہے اس وجہ سے اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں جاروبِ قلب بھی کہتے ہیں۔

صحت مند اور قومی الاعصاب اصحاب کیلئے چند اشغال
انتباہ مزید لکھے جاتے ہیں جو تجربہٴ حال سے مفید ثابت ہوئے۔

طریق سلطان الازکار | اس کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریق یہ ہے کہ چھوٹے سے حجرہ میں جہاں شور و غل

نہ ہو داخل ہو کر درود شریف اور استغفار اور اعوذ باللہ پڑھ کر اللہم اعطنی نوراً واجعل لی نوراً واعظم لی نوراً واجعلنی نوراً میں بار حضور قلب و تصور کیا تھ کہے پھر خواہ لیٹ کر یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر بدن کو ہلکا کرے اور مردہ تصور کرے اور پورا متوجہ اور باہمت ہو جاوے اس کے بعد سانس لیتے وقت اللہ کا اور سانس باہر نکالتے وقت ہو کا تصور کرے اور خیال کرے کہ سانس لیتے وقت اور باہر آتے وقت ہر بال بال سے ہو نکل رہا ہے یہاں تک مشغول ہو کہ اپنا خیال بھی جاتا رہے اور ہوا الحی القیوم کا ہر وقت تصور قائم ہو جاوے انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح سے کچھ عرصہ بعد جسم کا ہر ہر رداں ہر ہر بال ڈاکر ہو جائے گا اور انوار تجلی سے منور ہو جائے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حواسِ خمسہ کو رونی سے یا انگلیوں سے اس طرح

بند کرے کہ دونوں انگلیوں کے دونوں کانوں کے سوراخوں میں دے اور دونوں انگلی شہادتین کی دونوں آنکھوں کے بیچوں پر رکھے اور دونوں انگلی بیچ کی دونوں نتھنوں پر رکھے اور دونوں انگلی چھنگلی کے پاس کی اوپر کے ہونٹ پر اور چھنگلی بیچ کے ہونٹ پر رکھے اور دونوں انگلی چھنگلی کے پاس کی اوپر کے ہونٹ پر اور چھنگلی بیچ کے ہونٹ پر رکھے اور اکڑوں بیٹھ کر یا جس طرح بیٹھنے میں سہولت ہو بیٹھ کر زبان

کو تالو سے لگا لے اور آہستہ آہستہ سانس لے کر حبسِ دم کرے یعنی سانس کو روکے اور لفظ اللہ خیال سے بلا حرکتِ لسان ناف سے کھینچ کر اُمِّ الدِّماغ یعنی بیچ سر میں روکے جب تک بلا تکلف رک سکے اور وہاں سے دلِ مدور میں لے جا کر اسمِ ذاتِ اللہ خیال سے ہٹا رہے جب سانس لینے کا تقاضہ ہو تو صرف نتھنوں سے انگلیاں ہٹا کر ناک سے آہستہ سانس چھوڑے۔ تین سانس لے کر پھر حبسِ دم کرے اور پھر ایک ایک سانس بڑھا کر تحمل کی مقدار کو پہنچا دے۔

شغلِ سلطانِ نصیراً | اس کا طریقہ یہ ہے کہ صبح و شام رُوبہ قبلہ دوزانو نیٹھے اور اطمینانِ خاطر سے دونوں

آنکھیں یا ایک آنکھ بند کر کے دوسری آنکھ سے ناک کے نتھنے پر نظر ڈالے اور بغیر پلک جھپکائے جس طرح چراغ یا ستارہ کی روشنی کو دیکھتا ہے غیر معتین نور کا تصور کرے اور استغراق ایسا ہو کہ وہ محو ہو جاوے۔

اتباء | ابتداء میں تو آنکھوں میں ضرورت تکلیف ہوگی اور پانی بہیگا لیکن چند دن کے بعد جب عادت ہو جائے گی تو یہ تکلیف جاتی

رہے گی اور اس کو اپنی صورت جس طرح آئینہ میں نظر آتی ہے نظر آنے لگے گی اور نورِ الہی سے منور ہو جائے گا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا کہ اس شغل کے فوائد بہت ہیں خصوصاً خطرات کے انسداد میں عجیب و غریب

تاثیر رکھتا ہے۔ | اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح سلطانِ نصیر کے **شغلِ سلطانِ محموداً** | ذکر میں نتھنوں پر نظر رکھتے ہیں اسی طرح اس

شغل میں دونوں بھوؤں کے بیچ نظر رکھتے ہیں۔
انتباہ اس شغل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذاکر کو اپنا سر نظر آنے لگتا ہے اور جب سر نظر آنے لگتا ہے تو عالم بالا کے حالات سے مطلع ہو جاتا ہے۔

شغل سے پایہ شغل سے پایہ اللہ سَمِیعٌ، اللہ بَصِیرٌ اللہ عَلِیمٌ کا ذکر کے طریقے اس کا یہ ہے کہ چار زانو بیٹھ جائے اور سلطان البصر کا تصور کرے اور سانس کو روک کر ناف سے لے کر اُمّ الدماغ تک پہنچائے جب سانس اُمّ الدماغ میں پہنچے تو اللہ سَمِیعٌ کہے اور نبی سَمِیعٌ کا تصور کرے پھر اللہ بَصِیرٌ کہے اور نبی بَصِیرٌ کا تصور کرے پھر ناف پر اللہ عَلِیمٌ کہے اور نبی نَبِیَطِقٌ کا تصور کرے پھر اس کے بعد اس طرح شروع کرے کہ اُمّ الدماغ میں اللہ عَلِیمٌ اور ناف پر اللہ سَمِیعٌ عروج و نزول کے طریقے پر کہے یہاں تک کہ ایک سانس میں ایک سو ایک بار شغل سے پایہ کرنے لگے۔

انتباہ یہ شغل لکھ دیئے ہیں جس کی صحت عمدہ ہو، اعصاب میں ضعف نہ ہو اور سالک چاہے تو کرے لیکن شیخ کی تجویز ہر حالت میں ضروری اور مقدم ہے، اطلاع اور اتباع اصل ہے۔

علہ یہ شغل سے پایہ اکثر مشائخ کا معمول رہا ہے۔ چنانچہ شیخ نظام الدین بلخی نے جو کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ تھے انہوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے ابوسعید کو یہ شغل تجویز کیا تھا ۲ یعنی مددگار محمود بادشاہ کا تصور کرے۔

انتباہ ذکر و شغل یک ضربی، چہار ضربی، پنج ضربی، شش ضربی، ہفت ضربی بھی ہیں۔ لیکن بس اب یک ضربی دو ضربی پر کفایت ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ حسب بیان سابق کافی و وافی ہے۔

انتباہ انسان کو ہر سانس پر ہوشیار و بیدار رہنا چاہیے بغیر پاس انفاس کی مدد کے انسان کا دل کدورتوں ظلمتوں سے ہرگز صاف نہیں رہ سکتا۔

مراقبات جب ذکر جبری یا ستری کی تکثیر سے سالک منور ہو جاتا ہے اور اس کی رگ رگ، رونگٹے رونگٹے میں ذکر سرایت کر جاتا ہے۔ اور ایک محویت کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ تب مراقبات کی تعلیم کی نوبت آتی ہے اصل یہی ہے۔ لیکن اب عوارض کے سبب ذکر کے ساتھ ساتھ ہی مراقبات بھی تعلیم کر دیئے جاتے ہیں اس لیے اب آگے مراقبات کا بیان کیا جاتا ہے۔

مراقبہ کا بیان

مراقبہ کسی ایسے مضمون کو سوچنا، جو مطلوب حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف انجذاب کا سبب ہو، اس تک پہنچانے والا ہو۔ اس کی یاد و ذہیان کا سبب ہو۔ سیدھے سادھے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ جو چیز مطلوب حقیقی، اللہ جل شانہ تک پہنچانے والی ہو

اس کے خیال رکھنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ لہذا مراقبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مدنظر رکھنے کو کہتے ہیں۔

اور مراقبہ خاص یہ ہے کہ خدا کی ذات میں اس قدر فکر کرے کہ اپنے سے بے فکر اور بے خبر ہو جاوے، کبھی یاد دل سے نہ اترے خواہ جمالاً یا جلالاً یا انسیتہ یا خشیتہ یا خوفاً یا رحمتہ و محبتہ یا شوقاً الی لقاءہ طریق اس کا یہ ہے کہ دو زانو، نمازی کی طرح سر جھکا کر بیٹھا اور دل کو غیر اللہ سے خالی کرے۔ اللہ جل جلالہ کی حضوری میں حاضر کرے اور اعوذ و بسم اللہ پڑھ کر تین بار اَللّٰهُ حَاضِرِيْ، اَللّٰهُ نَاطِرِيْ، اَللّٰهُ مَعِيْ زبان سے کہہ کر ان کے معنوں کو دل میں ملاحظہ کرے، تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے اور میرے پاس ہے اسے جاننے اور تصور کرنے خیال کرنے میں اس قدر محو ہو کہ غیر حق کا تصور نہ رہے حتیٰ کہ اپنی بھی خبر نہ رہے۔

مراقبہ کی کئی قسمیں ہیں | مراقبہ کے متعدد طریق ہیں جس طریق سے جس قسم سے طالب کو نفع ہو اے منزل

مقصود تک پہنچائے۔ اس پر مزاولت کرے، چند اہم قسمیں یہ ہیں۔

مراقبہ رویت۔ مراقبہ معیت۔ مراقبہ اقربت، مراقبہ وحدت۔ مراقبہ فناء

مراقبہ رویت | خدا کی رویت کا تصور کرے اَلَّذِيْ يَنْظُرُ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰہُ کیا نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے، اس میں

غور کرے اور اس پر مواظبت کرے اور یہاں تک مشغول ہو کہ اس

صورت کے دیکھنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

مراقبہ معیت | هُوَ مَعَكُمْ اَيُّهَا كُنْتُمْ تَمَّ جِهًا كَيْسَ يَحْيَى هُوَ وَهُوَ تَمَّ بَارِعًا
ساتھ ہے۔ اس کے معنی کے ساتھ تصور اور یقین کرے

کہ خلوت اور جلوت، بیماری تندرستی ہر حالت میں اللہ میرے ساتھ ہے اسی خیال میں مستغرق ہو جاوے۔

مراقبہ اقربیت | نَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ رَهْمُ النَّانِ كِي
شرگ سے بھی زیادہ قریب ہیں، اس آیت پر

معنی کے ساتھ غور کرے اور اس خیال میں محو ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قریب ہے۔

مراقبہ وحدت | هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ ر اِس كَا وَجُوْدٍ هَرَجَكْ جَلُوْه فَرَايَسْ
ابتداء اور انتہا میں وہی ہے، اس کو زبان سے

کہے اور تصور کرے کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے اسی خیال میں مستغرق ہو جائے۔

مراقبہ فنا | كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ر دُنْيَا كِي تَمَام چيزِيں فَا نِي هِيں اُوْر
اللہ بزرگ تر باقی رہے گا، اس کے معنی کا تصور کرے

کہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اور ذاتِ باری ہی ہمیشہ رہے گی اور دل کی آنکھ سے دیکھے اور اس خیال میں محو ہو جائے تاکہ اس کے معنی خوب منکشف

ہو جائیں اور اپنے وجود کو فنا اور علم و عقل کو اضمحلال ہو سے ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے، تری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

علم حق در علم صوفی گم شود • • • • • این سخن کے باور مرسوم شود
 تو درین گم شو کہ تو حید این بود • • • • • گم شدن گم کن کہ تفرید این بود

فنا کے مراتب

فنا کے چند مرتبے ہیں اور ہر درجہ کی ایک حد متعین ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جس طرح ذکرِ جسم، ذکرِ نفس، ذکرِ دل، ذکرِ روح، ذکرِ سر، پانچ درجے ذکر کے ہیں جن کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح فنا کے بھی پانچ درجے ہیں اول مرتبہ غلبہ ذکرِ زبانی جس کو ذکرِ جسمی بھی کہتے ہیں اس کے غلبہ سے بُرے اخلاق جو نفسِ امارہ کی صفات ہیں یہ صفات حمیدہ میں جن کا شرع نے حکم دیا ہے فنا ہو جاتے ہیں۔

دوسرے ذکرِ فکری جس کو ذکرِ نفسی کہتے ہیں۔ اس کے غلبہ سے نفسانی خواہشیں اور نفسِ توامہ کی صفات فنا ہو جاتی ہیں کہ نفس جس کے اثر سے انسان بُرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے پروردگار کو بھول جاتا ہے تو یہ نفس مر جاتا ہے اور اب انسان کوئی ایسی خواہش نہیں کرتا جو ناجائز اور مذموم و قبیح ہو بلکہ اس کی خواہشیں وہی ہو جاتی ہیں جو خدا کی خواہشیں ہیں اب وہ احکامِ شرع کی مضبوطی سے پابندی کرتا ہے اور مکاشفہ اور الہام

کا طریقہ جو نفسِ ملہم کا مقام ہے منکشف ہو جاتا ہے۔
 تیسرے ذکرِ قلبی۔ اس کے غلبہ سے موجودات کے اوصاف و افعال،
 موجودِ مطلق اللہ تعالیٰ کے اوصاف و افعال میں فنا ہوں تاکہ ہر شے میں افعالِ
 حق کا جلوہ نظر آئے اور اطمینانِ قلبی جو کہ نفسِ مطمئنہ کا مقام ہے حاصل ہو
 جاوے۔

چوتھے ذکرِ رُوح۔ اس کے غلبہ میں مشاہدہ کا حصول ہے کہ کثرتِ خدا
 کی یکتائی میں فنا ہو جاوے یہاں تک کہ سالک کے مشاہدہ میں ذاتِ مطلق
 کے مشاہدہ کے سوا کچھ نہ ہو۔ یہ مرتبہ مشاہدہ کا ہے۔

پانچویں ذکرِ تیری۔ اس کی تکثیر و غلبہ میں لذتِ اذکار اور معائنہ حاصل
 اور خلق سے نفرت ہوتی ہے اس مرتبہ میں مشاہدہ رُوح سے ترقی کر کے
 معائنہ کے درجہ کو پہنچتا ہے اور ذکرِ رُوح میں فنا ہو کر فناء الفناء کا درجہ ہوگا
 اور یہ تفرید ہے۔ سالک اس مرتبہ میں سیرالی اللہ جو اس کا مقصد ہے
 اور سیر فی اللہ جس کا اس کو تصور ہے تمام کر کے وجودِ سالک بالکل فنا ہو جاتا
 ہے لیکن یہ مرتبہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ بعض حضرات کو ایک ہفتہ میں ایک
 یا دو لمحہ یا ایک دن میں ایک دو لمحہ یا دو تین دن میں یا کم زائد میں۔ اس
 مرتبہ فناء کے بعد خدا تعالیٰ سالک کو فناء سے بقا دیتا ہے اور اکثر بعد
 الفناء بقا ہوتا ہے اور اس مرتبہ کو جمعُ الجمع کہتے ہیں۔ اور یہ بقا
 باللہ رُجوع الی البدایت کا نام ہے لیکن اُس وقت اور اس وقت میں
 یہ فرق ہے کہ بندہ کی نظر پہلے مظاہر پر سطحی پڑتی تھی۔ اب اس وقت

سب سے پہلے ذاتِ مطلق پر نظر پڑتی ہے۔ اس کی ذاتِ مطلق کے نور سے تعیناتِ مظاہر کو دیکھتا ہے کیوں کہ عارف ہر حالت اور ہر وقت میں خدا کے وجود کا تصور کرتا ہے اور کوئی چیز اس کو خدا کے دیکھنے سے اور خدا کا دیکھنا دوسری چیزوں کو دیکھنے سے نہیں روکتا۔ کیوں کہ عارف حقیقتِ انسانی تک جو کہ وہ اُلوسیت ہے پہنچ گیا۔ اس کو خلقِ معدوم اور خدا موجودِ مطلق معلوم ہوتا ہے اور خدا کے علم کے ذریعہ سے اپنے کو مطلق قید میں آیا ہوا تصور کرتا ہے اور قیود کی وجہ سے اپنے کو بندہ سمجھتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اس میں خدا تعالیٰ کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اس میں وہ خدا تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہے۔ اس نے جمالِ اَبْنَعُ عَلَيْكَ نَعِيمَةٌ ظَاهِرَةٌ وَبَاطِنَةٌ کو دیکھا ہے اور نورِ علی نور ہو گیا ہے اور نور کی انتہا نہیں ہے۔ اسی لئے کہا ہے

بہچکس این در دریاں نیافت • • • بہچکس این راہ را پائان نیافت

اگر اور بے نہایت درگھے است • • • ہرچہ بروے میری بروئے مالیت

ترجمہ در کسی نے اس درو کی دوا نہیں پائی۔ اس میں راہ کی کوئی انتہا نہیں پائی اس درگاہ کی کوئی نہایت نہیں ہے جس پر تم پہنچو اس پر رک نہ جاؤ یعنی عشق کا کوئی علاج نہیں سوائے وصل کے بس سالک جس انتہائی درجہ پر پہنچ جائے وہی انتہائی مرتبہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی ذات اس سے بھی بلند تر ہے۔

انتباہ | سالک کو ذکرِ سانی و قلبی میں تہنائی میں مجمع میں رات و دن مشغول رہتا چاہیے تاکہ اپنے کو اور اپنے ذکر کو بھول جاوے اپنے کو محو کر دے انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کے قلب پر انوار و اسرار الہی جلوہ فرما ہوں گے اور ان انوار کی روشنی میں جمال و تجلی حق حاصل ہوگی۔ لیکن اس نور کی طرف متوجہ نہ ہو کہ وہ بھی مخلوق ہی ہے اور مطلوب نہیں ہے اور حفظِ مراتب ضروری ہے اور اچھے بُرے میں امتیاز لازم ہے اس لیے اچھے اور بُرے انوار کے آثار و علامات بھی معلوم ہونا اور ان پر مطلع ہونا ضروری ہے۔

عَلَامَاتِ الْوَارِکَابِیَانِ

جب ذکر باہتمام تقویٰ خدا کا ذکر کرنے لگتا ہے اور ذکر تمام اعضاء میں سرایت کر جاتا ہے اور غیر خدا سے دل پاک و صاف ہو جاتا ہے اور روحانیت سے تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے تو انوار الہی کا ظہور ہونے لگتا ہے اور وہ انوار کبھی خود اپنے میں دکھائی دیتے ہیں اور کبھی اپنے سے باہر۔ اچھے انوار وہی ہیں جن کو سالک دل سینہ و سر یا دونوں طرف اور کبھی تمام بدن میں پائے یا کبھی دامنے بائیں کبھی سامنے سر کے پاس ظاہر ہوں وہ بھی اچھے ہیں۔ لیکن ان کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے کہ کہیں

لطف اندوز و متلذذ ہو کر خسارہ اٹھائے۔

تفصیل یہ کہ اگر کسی رنگ کا نور داپنے شانے کے برابر ظاہر ہو تو وہ فرشتوں کا نور ہے۔

۱۔ اگر سفید رنگ کا ظاہر ہو تو کراماً کا تبین کا ہے۔

۲۔ اگر سبز پوش خو بصورت آدمی یا کوئی اچھی صورت ظاہر ہو تو وہ فرشتہ

ہے جو ذاکر کی حفاظت کے لئے آیا ہے۔

۳۔ اگر داپنے شانے سے کچھ ہٹا ہو یا آنکھ کے برابر ہے تو مرشد کا نور ہے

۴۔ اور سامنے ہے تو وہ نور محمدی ہے جو راہِ مستقیم کی تعلیم فرماتا ہے۔

۵۔ اگر بائیں شانے کے متصل ظاہر ہو تو کاتب فرشتوں کا سینہ ہے۔

۶۔ اگر بائیں شانے سے دور ظاہر ہو خواہ کسی رنگ کا ہو شیطان کا نور ہے

یا دنیا کا نور ہے۔

۷۔ اگر پیچھے یا بائیں طرف آواز ہو یا صورت ہو وہ شیطان کا دھوکہ

ہے۔ لا حول الخ پڑھنا چاہیے۔ اعوذ الخ پڑھے تو جہنہ کرے۔

۸۔ اگر نور اوپر سے یا پیچھے سے آئے تو وہ نور ان فرشتوں کا ہے

جو حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔

۹۔ اگر بلا کسی جہت کے نور ظاہر ہو اور دل میں خوف پیدا کرے

اور اس کے رفع ہو جانے کے بعد باطنی حضور نہ رہے تو وہ نور

شیطان کا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم ۵

پڑھنا چاہیے۔

- ۱۰۔ اگر بلا کسی جہت نور ظاہر ہو اور اس کے زوال کے بعد حضور باطنی
کی لذت نہ جائے اور اشتیاق و طلب اسی طرح غالب رہے تو وہی
مطلوب نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین
- ۱۱۔ اگر دھویں یا آگ کے رنگ کا نور سینہ یا ناف کے اوپر سے ظاہر
ہو تو وہ خناس کا نور ہے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھنا چاہیے
- ۱۲۔ اگر سینہ کے اندر یا دل پر ظاہر ہو تو وہ صفائی قلب کا نور ہے
- ۱۳۔ اگر سرخ یا سفید زردی مائل نور دل سے ظاہر ہو تو دل کا نور ہے۔
- ۱۴۔ اگر خالص سفید ہے تو رُوح کا نور ہے جس نے طالب کے دل میں
تجلی کر کے اپنی ہستی کو ظاہر کیا ہے۔
- ۱۵۔ اگر سر کی جانب سے ہے تو وہ نور بھی رُوح کا ہے۔
- ۱۶۔ اگر آفتاب کے رنگ کا نور ہے تو وہ بھی رُوح کا نور ہے اگر سامنے
سے ہو۔

- ۱۷۔ اگر اوپر سے آفتاب کے رنگ کا نور ہے تو نور ذات ہے۔
- ۱۸۔ اگر چاند جیسا نور ہے تو دل کا ہے۔
- ۱۹۔ اگر چاند جیسا نور ہے اور سامنے سے ہے تو نور محمدی صلی اللہ علیہ و
وسلم ہے۔

- ۲۰۔ اگر کاجل کی سیاہی کی طرح تاریک اور اس کے گرد باریک اور مکرر
نورانی خطوط ہوں تو وہ نور نفی کا ہے۔ اس طرف توجہ کرنے
سے نفی حاصل ہوگی اور ماسوی اللہ سے قلب کا صاف ہونا اور تجلی انسانی

اور تجلی صفاقی میں محویت اور فناء کا حصول ہے جو کہ مقصدِ اصلی ہے۔
 ۲۱۔ اگر آنکھ کی سیاہی کے مانند بلاگردا گرد باریک مکدر نورانی خطوط کے
 ہے تو وہ نور تجلی ذاتی کا نور ہے اس میں عارف کا فناء و الفناء ہے
 اور بقاء کا حصول ہے۔

انتباہ پہلے کہا جا چکا ہے اب پھر تاکید کی جاتی ہے کہ سالک کو چاہیے
 کہ انوار میں سوائے مطلوب کے کسی طرف نہ متوجہ ہو اور سرور و
 لطف حاصل نہ کرے بلکہ صرف نورِ الہی میں ترقی کرے کیوں کہ خدا کی تجلی
 کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

ذکر کے ساتھ
جامع اذکار تلاوت کلام پاک
اور نماز کی کیفیت کا بیان
لازم ایمان ہے

سُلوکِ الی اللہ کے تین طریقے تعلیم ہوتے ہیں۔ اول کلمہ طیبہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ ﷺ کا ذکر۔ دوسرے قرآن پاک کی تلاوت
تیسرے نماز۔

ان تینوں کا ذکر اس آیت شریفہ میں ہے۔

أَتْلُو مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ
عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں یہی تین طریقے وصول الی اللہ
کے رائج تھے۔

باقی تمام اذکاران میں شامل ہیں جن کی خوبیاں قرآن پاک، احادیث
شریفہ اور آثار صحابہ سے ثابت ہیں اور یہ خوبیاں اور فضائل و برکات
لا متناہی ہیں انسان ان کے بیان سے عاجز ہے ان کا پورا بیان نہیں ہو
سکتا۔ خلاصہ کے طور پر مختصر یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی فضیلت اس درجہ ہے کہ
ایک قدم لا الہ سے غیر خدا کی نفی پر ہے تو دوسرا قدم الا اللہ سے جناب الہی
میں رکھ کر خدا سے بل جائے اور قرآن شریف کی خوبیوں سے یہ جان لینا
چاہیے کہ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں صغیری اور اس سے
ہمکلامی ظاہر ہوتی ہے اور نماز میں یہ دونوں اور تمام دعائیں اور عبادتیں
و تسبیحات اور اذکار ہیں اس کے مراتب لا تعداد ہیں ان کو بھی انسان
بیان نہیں کر سکتا۔

اس سے یہ سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ جو سالک استغراق اور جذبہ کی
انتباہ | زیادتی میں نماز نہیں پڑھتے وہ بہت سے مرتبوں سے محروم

ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ان کو مقصدِ اصلی بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔
 خلافِ پمیر کے رہ گزیدہ کہ ہرگز بمنزلِ نخواستہ رسید
 جو شخص پیغمبر کے خلاف راستہ چلے گا ہرگز منزلِ کونہ پہنچ سکے گا۔
 نماز بندہ اور خدا کے درمیان ایک نیر ہے کہ مسلمان اس میں مشغول
 ہونے سے غیر خدا سے جدا اور خدا سے قریب ہو جاتا ہے سلوک کا وہ طریقہ
 جو کلمہ طیبہ کے ذریعہ سے ہے۔ اس کا بیان تو ہو چکا اب قرآن پاک کی
 تلاوت کی کیفیت اور نماز کی کیفیت کا بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن شریف کی تلاوت کا طریقہ

قرآن شریف پڑھنا بڑی عبادت ہے اور خدا نے تعالیٰ کے قرب
 کے لئے سوائے فرض کے ادا کرنے کے، اس سے بہتر کوئی چیز نہیں اس
 لئے اس کے آداب و مستحبات تلاوت کے وقت بہت ہی ملحوظ رکھ کر
 تلاوت کا ارادہ کیا جائے اور پوری طہارت سے نہایت اخلاص کے
 ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ کے بعد
 نشوع و خضوع سے ترتیل کے ساتھ پڑھے یعنی اس طرح پڑھا جاوے کہ
 ہر ہر لفظ آسانی سے سمجھ میں آجائے ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ ہو خلط
 ملط نہ ہو۔ کٹے کٹے حرف نہ ہوں ایسا نہ ہو کہ کچھ حرف سمجھ میں آئیں

اور کچھ نہ آئیں۔ صاف صاف پورے پورے حروف ادا ہوں۔ ہر حرف کو صحیح مخرج سے ادا کیا جاوے اور اگر خوش الحانی خوش آوازی سے پڑھا جاوے تو بہت خوب ہے اور یہ خیال کرے کہ میں خدا سے باتیں کر رہا ہوں اور اس کو دیکھ رہا ہوں اگر اس پر قدرت نہ ہو تو یہ جانے کہ خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے اور امر و نہی کا حکم دے رہا ہے اور بشارت کی آیت پر سرور ہو اور وعید کی آیت پر ڈر ہو اور روئے اور ذرا آواز کے ساتھ خوش آوازی کے ساتھ پڑھے کہ اس سے لطف آتا ہے اور غفلت دور ہوتی ہے

تلاوت کا خاص طریقہ

خاص طریقہ تلاوت کا یہ ہے کہ جب طریق مذکور سے تلاوت میں ملکہ ہو جاوے تو اب اس کیفیت کے ساتھ تلاوت ہو کہ خلوت میں دو نفلیں ادب سے پڑھ کر حضور قلب قبلہ و بیٹھے کلام الہی کی حقیقت رکے وہ کلام نفسی ہے، خدا کی خاص اور ذاتی صفت ہے، اور اس کی عظمت کا اور اپنی ذلت کا تصور کرے اور اسی مراقبہ میں مقوی و پیر رہے۔ تاکہ اطمینان حاصل ہو اور حضور حق حاصل ہو جاوے پھر اعوذ و بسم اللہ کے ساتھ ترتیل و تجوید کے ساتھ قرأت کرے اور یہ خیال کرے کہ منہ کی زبان اور دل کی زبان برابر تلاوت میں مشغول ہیں۔ اس خیال سے غافل نہ ہو

اور اگر غفلت ہو جاوے تو ضروری ہے کہ قلب کو اَعُوذُ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر حاضر کرے۔ جب اس طرح اطمینانِ خاطر اور حضوریِ حق حاصل ہو جاوے تو اب ترقی کرے اور خیال کرے کہ ہر ہر ونگلنا جسم کا قرآن شریف پڑھا ہے جسم کے ہر حصہ سے الفاظ نکل رہے ہیں تمام جسم درختِ موسوی کا حکم رکھتا ہے۔ عین تلاوت کے وقت اس حالت میں خیال میں مستغرق ہو جب یہ کیفیت راسخ ہو جاوے تو اس کے بعد اور ترقی کرے کہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ میری زبان سے پڑھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں۔ جب اس میں ملکہ پیدا ہو جاوے تو اپنے پڑھنے میں خیال کرے کہ خود خدا تعالیٰ پڑھتا ہے اور خود ہی سنتا ہے نہ سالک کا وجود ہے اور نہ دنیا کے دوسرے موجودات کا۔ بلکہ ایک آواز ہے جو ہر طرف سے آتی ہے اور سالک اس میں محو ہے۔

عزیز من ! جب اس مرتبہ میں کمال ہو جاوے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے البعد ہے کہ حقیقی معنی اور قرآن پاک کے اسرارِ عبد پر ظاہر نہ ہو جائیں۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

ہر مسلمان کو عموماً اور سالک کو خصوصاً لازم ہے کہ ہر عمل میں اور نماز میں ان کی روح مغز یعنی محبتِ قلبی کے ساتھ خلوص نیت اور

درگاہِ الہی میں قبولیت خدا کے حضور محویت کی حفاظت کرے۔ گو یہ
تقیقتِ صلوٰۃ اور رُوحِ صلوٰۃ مشکل ہے لیکن ہمت اور کوشش کرنا
چاہیے۔ خدائے تعالیٰ آسانی پیدا فرمادیں وعدہ ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ کہ جو ہمارے راستہ
میں کوشش کرتا ہے ہم خود اپنا راستہ دکھا دیتے اور مطلوب تک پہنچا دیتے
ہیں۔ اس لئے اس طریق پر ہمت سعی کرے۔

طریق کئی ہیں ان میں ایک طریق یہ ہے کہ خیال کریں کہ نماز کا
دل خالص نیت ہے، اس کی روح حضور قلب ہے اور نماز کا جسم قیام
رکوع قومہ سجدہ، جلسہ و قعدہ ہیں اور اس کے اعضائے رئیسہ ارکان اور
حواس ترتیل قرأت کی درستی ہے اور نماز کے لئے پوری پاکی بھی شرط
ہے بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی اور وہ دل کی پاکی ہے۔ یعنی غیر خدا سے
دل کو صاف کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر اور قبولیت دل پر ہے۔ حدیث
شریف میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلَىٰ صُورِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَاَلْسِن
يَنْظُرُ اِلَىٰ قُلُوْبِكُمْ وَاَنْبِيَآتِكُمْ تو جب قلب ناپاک ہو جسم کس طرح پاک
ہو سکتا ہے کیوں کہ جسم قلب کے تابع ہے اس لئے چاہیے کہ دل غیر خدا
سے پاک ہو جائے امید و خوف مخلوق سے دل پاک ہو تاکہ اللہ اکبر کہنا
درست ہو۔

جب تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھائے تو خیال کرے کہ میرا دل دونوں
جہاں سے دست بردار ہو گیا اور پورا پورا اللہ کی طرف جھک گیا اور

یہ تصور کرے کہ اللہ اکبر کہہ کر میں نے اپنے نفس کو تکبیر سے ذبح کر کے فنا کر دیا اور دونوں ہاتھوں کو زیرِ ناف سمیٹنے کے ساتھ دبا کر پانڈے کہ وہ مقام لطیفہٴ نفس کا ہے تو اس طرح گویا نفس کو دبا دیا اور نگاہِ سجدہ گاہ پر رکھے اور مستغرق ہو جائے۔ رکوع میں نگاہ پاؤں کی پشت پر ہو اور خدا کی بڑائی، کبریائی اور اپنی ذلت کا تصور کرے اور سجدہ میں ناک کے نتھنے پر نظر کرے اور اس کی بلندی اور اپنی حقارت و خاکساری کا اور اپنے فنا کا تصور کرے اور بیٹھنے میں سینہ پر نظر رکھے اور اپنی محویت کے خیال میں مستغرق ہو جاوے اور التحیات کے معنی کا خیال کرے یہ خیال کرے میں خدا کے سامنے مجلس میں داخل ہو گیا ہوں اور ہر نماز میں مقام احسان **اِنْ تَعْبُدُوْا اللّٰهَ كَمَا نَاكَ تَوْحٰدًا** کا تصور کرے۔ یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ بات حاصل نہیں تو یہ تو ہے ہی کہ **اِنَّا نَهْ يٰرَاك** وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس پر بھی کوئی خیال ذہن میں آوے تو **لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ** کے تصور سے دفع کرے اور اس قدر آواز سے پڑھے کہ خود خوب سن سکے جب اس طرح نماز میں مشق کرے گا تو خدا کی مدد سے نماز حقیقی حاصل ہو جائے گی اور حقائق و معارف ظاہر ہوں گے اور **الصلوة مخرج المؤمنین** کا یہی مرتبہ ہے کہ دنیا و مافیہا کا چھوڑ دینا اور خدا سے مل جانا ہے اور قرأت و نماز میں قبولیت کا تصور کرے کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ **بِندہ جب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ** کہتا ہے تو خدا تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد کی یعنی تعریف کی اور جب۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 کہتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے نے میری بڑائی کی اور جب اِیَّاكَ نَعْبُدُ
 وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے
 درمیان ہے اور جو اس نے مانگا خاص اسی کے واسطے ہے اور جب
 اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغضُوْبِ
 عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ کہتا ہے تو فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ، کہ یہ میرے
 بندہ کے واسطے ہے اور جو کچھ اس نے مانگا وہ سب اس کے لئے ہے پس
 اس وقت جواب کے تصور میں محو ہو جاوے اور قبولیت کا تصور کرے۔

بیعت کا طریقہ

پیر جس وقت بیعت کرنے لگے تو مرید کو اپنے سامنے باادب
 بٹھائے اور خطبہ پڑھے پھر آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا
 اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ پڑھے پھر
 اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَاِیْعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَاِیْعُوْنَ اللّٰهَ — پڑھے اور اپنا ہاتھ
 مرید کے ہاتھ پر رکھے اور پھر خود ید اللہ فوق ایدیہ فرمے نَكَثْنَا
 یُنْكَثُ عَلَیْ نَفْسِہِ وَمَنْ اٰذَنَیْ بِمَا عٰہَدَ عَلَیْہِ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا
 وَتَفْعَلُوْنَ اِیَّاكُمُ وَاَبَارِكُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ۔ پڑھے۔ اگر عورت مرید ہونے
 والی ہو تو پردے میں جہاں اس کا کوئی محرم بھی ہو بجائے ہاتھ کے

رو مال یا چادر کا کونہ اس کے ہاتھ میں دیدے۔ مُرید زیادہ ہوں تو
تو سب کو کپڑا دے کر پکڑو ادے اور خود ایک کو نہ پکڑے پھر توبہ
وغیرہ کرائے۔ اس طرح کہے جو میں کہتا ہوں آپ بھی کہتے رہیں۔ میں توبہ کرتا ہوں کفر کی
باتوں سے، شرک کی باتوں سے تمام رسموں اور بدعت کی باتوں سے اور توبہ کرتا ہوں تمام بڑے
گناہوں سے اور تمام چھوٹے گناہوں سے اور کہے رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ
دُنْيًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ راضی ہوا میں اللہ رب
العزت کے ساتھ اور راضی ہوا میں دین اسلام کے ساتھ اور راضی ہوا
میں نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ اس کے بعد کلمہ شہادت
پڑھے پھر کہے کہ میں عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے گا میں پانچوں وقت
کئی نماز جماعت سے پڑھوں گا، عورت مُرید ہو تو جماعت کا نام نہیں
رمضان المبارک کے روزے رکھوں گا۔ زکوٰۃ کے قابل مال ہو گا تو زکوٰۃ
دوں گا۔ حج کے قابل روپیہ ہو گا تو حج کو جاؤں گا۔ اگر عورت ہو تو
کہے کہ اگر حج کے قابل روپیہ ہو گا اور محرم بھی ساتھ ہو گا تو حج کو جاؤں
گی اور جہاں تک ہو سکے گا ہر چھوٹے گناہ اور بڑے گناہ سے بچوں گا۔
اگر چنانک خدا نخواستہ کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کروں گا۔ حقوق اللہ
نماز روزہ قضا ہوں گے ان کو ادا کروں گا۔

حقوق العباد میں کسی کا مالی حق اپنے ذمہ

ہو گا اس کو ادا کروں گا یا معافی مانگوں گا اور معافی مانگنے میں کبھی عار نہ
کروں گا۔ سب سے دل صاف رکھوں گا۔ غصہ سے سخت پرہیز کروں گا

آنکھ کان زبان منہ کی شدت سے نگرانی کروں گا پھر کہے کہ بیعت ہوتا ہوں فلاں شخص کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ نقشبندیہ قادریہ سہروردیہ میں۔ پھر دعا کرے کہ اے اللہ ایمان کامل نصیب فرما یو! آخر دم تک ایمان قائم رکھیو!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

اللہ تعالیٰ سلسلہ کے برکات سے نوازیں۔ آمین

انتباہ ان مضامین کے بھروسہ شیخ سے مستثنیٰ نہ ہو جائیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ فوائدِ باطن کے لئے اصلاحِ نفس، حصولِ تہذیبِ اخلاق بملکہ کے لئے شیخ کی تعلیم کا اتباع بمنزلہ علتِ تامہ کے ہے وصولِ الی المقصود کا مدارِ اعظم شیخ کامل کا اتباع کامل ہے۔ تجربہ تو شاہد ہے ہی۔ تعاملِ اکابر و اسلاف مستقل دلیل ہے۔ خصوصاً ہمارے زمانہ سے قبل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی؟ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی؟ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہم باین کمالاتِ علمیہ باتباع شیخ اصلاحِ کامل کیلئے شیخ کی طرف رجوع فرمانے والے ہوئے۔

عہ اپنا نام لے اور بالکل آخر میں اس پر ختم کرے کہ میں واسطہ ہوں۔ اصل بیعت میرے شیخ سے ہوئی اور پھر شیخ کا نام لے۔

سُلُوكِ نُبُوْتِ سُلُوكِ وِلَايَتِ

سلوک دو قسم پر منقسم ہے سُلُوكِ نُبُوْتِ اور سُلُوكِ وِلَايَتِ اور ہر ایک کے آثار اور خواص جدا جدا ہیں جو حسبِ ذیل لکھے جاتے ہیں۔ اولیاء میں کسی پر کسی وقت فیضِ نبوت کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی فیضِ ولایت کا اور کوئی کسی نبی کے تحت اور کوئی کسی نبی کے تحت۔

آثارِ سُلُوكِ وِلَايَتِ — آثارِ سُلُوكِ نُبُوْتِ

- | | |
|--|---|
| ۱۔ طریقِ ولایت والے کھانے پینے میں تکلّفاً کمی کرتے ہیں۔ | ۱۔ طریقِ نبوت والے قصداً کمی نہیں کرتے جو بلتا ہے اسی پر قناعت کرتے ہیں |
| ۲۔ خلق سے نفرت کرتے ہیں | ۲۔ خلق کی طرف اللہ کے لئے رغبت کرتے ہیں لیکن خلق سے جی نہیں لگاتے۔ |
| ۳۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے مگر طالب کو | ۳۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔ |
| ۴۔ ان کو اپنے مکاشفات و تحقیقات | ۴۔ ان پر ادب غالب ہوتا ہے جیسا |

کہ صاحب شرع سے منقول ہوتا ہے اس پر اپنی طرف سے بذریعہ کشف وغیرہ نہیں بڑھاتے اگرچہ وہ زیادہ خلاف شرع نہ ہو۔

۵۔ ان کا انتہائی مقام عبودیت ہے۔

۴۔ ان پر ذوق و شوق غالب نہیں ہوتا

بلکہ ان کو عبادت میں بھی طبعی مزہ

نہیں آتا۔ یعنی اگر نہ آوے دلگیر

نہیں ہوتے۔ محض حکم انزویٰ سمجھ کر

عبادت کرتے ہیں۔

۷۔ بمقتضائے ادعویٰ اسجبت لکم دعا مانگنا

فرض سمجھتے ہیں۔

۸۔ اوروں سے زائد اسباب سے

متمسک ہوتے ہیں مگر بدون انہماک

مقتضیٰ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے غزوہ میں دو دوزرے پہنی

ہیں۔

۹۔ اب بکر و عمرؓ سے زیادہ محبت کرتے ہیں

پر اطمینان ہوتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں اگر خلاف شرع نہ ہو

۵۔ ان کا انتہائی مقام ارضائے ہے۔

۴۔ ان پر ذوق و شوق غالب ہوتا

ہے اور عبادت میں لذت طبعی آتی ہے

۷۔ اہتمام سے دعا نہیں مانگتے

۸۔ اسباب ظاہری کو ترک کر دیتے

ہیں۔ الا اسباب عادیہ

۹۔ حضرت علیؓ کے ساتھ طبعاً زیادہ

محبت کرتے ہیں مگر اعتقاد و فضیلت

ترتیب سے ہوتا ہے۔

۱۰۔ شیخ کو سارے جہاں سے افضل

سمجھتے ہیں اور اس پر شیفقہ ہوتے ہیں

۱۱۔ ان سے شرائع میں کبھی تسامح

بھی ہو جاتا ہے اور وہ معذور ہیں

۱۲۔ ان پر سکر غالب ہوتا ہے

۱۳۔ بعض اوقات بعض مغلوبین

جماعت سے بھاگتے ہیں کیوں کہ ان

کو اخفاء مقصود ہوتا ہے مگر اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں ابھی غیر باقی ہے

۱۴۔ اگر ظاہر شریعت کے خلاف

شیخ حکم کرے تو اسے خلاف

شریعت نہیں سمجھتے۔ کسی تاویل

سے بکریتے ہیں مگر قطعیات میں

ہیں۔

۱۵۔ ان پر حُبِ عشقی غالب ہوتی ہے

۱۶۔ اصحابِ سلوکِ ولایت پر کبھی

تشبیہ غالب ہوتی ہے۔

۱۰۔ افضلیت کا یقین نہیں کرتے۔

محبت کرتے ہیں۔

۱۱۔ یہ شریعت پر بڑی پختگی سے

عمل کرتے ہیں۔

۱۲۔ ان پر صحو ر یعنی ہوشیاری غالب

ہوتا ہے۔

۱۳۔ جماعت کی پابندی کرتے ہیں ان

کی نظر سے مقصودیت غیر کی بالکل

نفی ہو چکتی ہے۔

۱۴۔ یہ اگر خلاف ظاہر شرع کوئی حکم

شیخ کی طرف سے ہو تو مخالفت

کرتے ہیں مگر ادب کے ساتھ۔

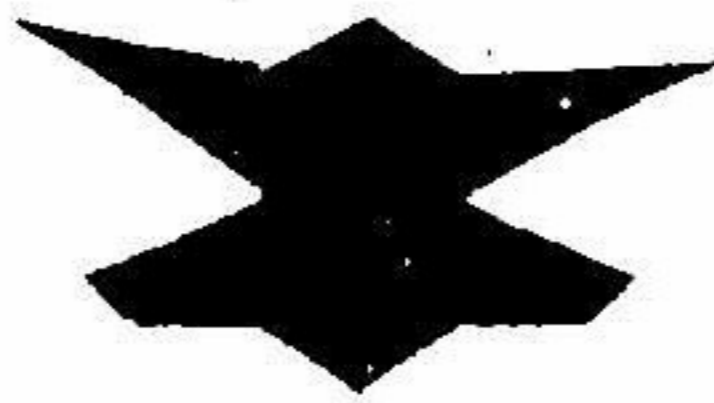
۱۵۔ ان پر حُبِ ایمانی غالب ہوتی ہے

۱۶۔ اصحابِ سلوکِ نبوت پر ہمیشہ

تنزیہ غالب رہتی ہے۔

۱۷۔ سلوکِ ولایت کا انتہائی مقام
 رضاء یا فناء الفناء ہے۔ یعنی
 باعتبار مقام تخلق کے رضاء اور
 باعتبار حال کے فناء الفناء ہے

(ف) اس تفصیل سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اولیاءِ خلافِ شریعت
 چلتے ہیں کیوں کہ ایک تو لفظوں کا ظاہر ہے اس پر اصحابِ حدیث چلتے
 ہیں۔ دوسرے لفظوں کے معانی محض یا احکام ہیں۔ اس پر فقہا چلتے ہیں
 تیسرے لفظوں کے معنی المذنی۔ اس پر بعض احکام میں صوفیاء عامل ہیں۔ تو
 صوفیاء متحققین کا عمل اور طریق بھی بلا اسنادِ شرع نہیں جیسا کہ تفصیل سے
 پہلے بیان آچکا ہے۔



اصطلاحات تصوف کا بیان

اُتوال و معارف

تصوف کی اصطلاحات دو قسم پر ہیں ایک وہ جو مقاصد کے متعلق ہیں وہ تو شریعت سے الگ نہیں بلکہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات کی حقیقت وہی ہے جو شریعت میں مذکور ہے۔

دوسری وہ اصطلاحات ہیں جو امور زائدہ کے متعلق ہیں وہ شریعت سے جدا ہو سکتی ہیں۔ جیسے تجدد و امثال، وحدۃ الوجود، مشغل رابطہ وغیرہ سو یہ صوفیاء کا لطیفہ ہے کہ اپنے اسرار کو عوام سے بچانے کے لئے اصطلاحیں مقرر کر لی ہیں ورنہ قرآن و حدیث سے جدا ہو کر صوفیاء کرام کوئی نئی بات نہیں کہتے۔

علمائے خشک ان کی اصطلاحات کو نہیں سمجھتے، ان پر اعتراض کر دیتے ہیں جو کہ واقع میں ان پر اعتراض نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی فہم پر ہوتا ہے۔

انتباہ اصطلاحات تو ہر فن میں ہوتی ہیں۔ لہذا وہ باعثِ اعتراض نہیں ہو سکتیں۔

فرق مخلوق پر نظر کا ہونا مخلوق کو مرآۃ مشاہدہ النوار حق نہیں بنایا مصنوع سے صالح کی طرف توجہ منحرف نہیں کی۔ گویا عالم اس کی نظر میں تاریک ہے۔

جمع مشاہدہ و غلبہ توجہ بحق سے مشرف ہونا۔ خلق کی طرف بالکل متوجہ نہیں کچھ التفات نہیں۔

جمع الجمع حق اور خلق پر نظر رکھنا یعنی خلق کو مرآۃ حق بنانا۔ اس اعتبار سے خلق کی طرف توجہ ہے۔ مشاہدہ حق اول بالذات ہے اور مشاہدہ خلق من حیث المرآۃ ہے پس ایک حالت میں حق اور خلق پر نظر ہے۔

رابط القلب بالشیخ اس کی حقیقت۔ شیخ سے از و یادِ محبت ہے۔

فنا فی الشیخ مرید و شیخ میں غایتِ مناسب و متابیت ہونا اور یہ غایتِ اطاعت و محبت سے

ہو جاتی ہے۔

جذب بلا ذریعہ کتاب و مجاہدہ جو احوالِ باطنیہ حاصل ہو جاتے ہیں اسی کو جذب کہتے ہیں اور اسے اجتباء و محبوبیت و مرادیت بھی کہتے ہیں۔

التَّحَادُ وَالْإِصْلَاحُ اتحاد کی ایک صورت یہ ہے کہ دو چیزوں کی ذات ذاتاً مل جانا، ایک ہو جانا جیسے دو دھ اور پانی کا مل جانا یہ تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں محال ہے۔ عقلاً بھی نقلاً بھی۔ اور اس کا قائل ہونا، اعتقاد کرنا۔ الحاد و زندقہ و کفر ہے۔ دوسرے معنی اتحاد و اتصال کے یہ ہیں، ایک شے کا متبوع و محتاج الیہ اور موقوف علیہ ہونا اور دوسرے کا محتاج و تابع اور موقوف ہونا۔ ایسا علاقہ و تعلق عام مخلوق کو خالق کے ساتھ ہے۔ اس کو عینیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ تیسرے معنی عرفی اعتبار سے ہیں یعنی محبت و محبوبیت کا علاقہ و تعلق خاص دو شخصوں میں ہونا یہ علاقہ خاص مقبولان الہی کو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہے۔

ابن الوقت و ابو الوقت ابن الوقت کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ ایک وہ سالک جو مغلوب الحال

ہو یعنی جو حالت اس پر وارد ہو اس کے آثار میں مغلوب ہو جاوے اس کے مقابل ابو الوقت ہے یعنی وہ سالک جو اپنے حال پر غالب ہو کہ جس کیفیت و حالت کو چاہے اپنے اوپر وارد کر لے یعنی جس کیفیت کی طرف توجہ و قصد کرے اس کے آثار اس میں پیدا ہو جائیں مثلاً انس، شوق، وجد، فنا وغیرہ اور ابن الوقت کے

دوسرے معنی یہ ہیں کہ سالک وار و است مقضی وقت کا حق ادا کرے

خواہ وہ واردات اس پر غالب ہوں یا یہ ان واردات پر غالب ہو۔

انتباه قرب کی دو قسمیں ہیں۔ قرب فر الض۔ قرب نوافل قرب فر الض

یہ ہے کہ انسان تمام موجودات کے ادراک سے فنا ہو جائے اور اس کی نظر میں سوائے انوارِ الہی کے کچھ بھی نہ رہے ماسوی اللہ سے نظر اٹھ جائے فنا فی اللہ کا یہی مطلب ہے یہ قُرْبِ فِرَاضِ کا ثمرہ ہے۔

قُرْبِ نَوَافِلِ یہ ہے کہ سالک سے انسانی صفات زائل ہو جائیں اور خدائی اوصاف حاصل ہو جائیں اور صِبْغَةَ اللہ اور تَخَلُّقًا بِاخْلَاقِ اللہ کا مصداق ہو جائے۔ جس کی تشریح یہ ہے۔

قُرْبِ فِرَاضِ وَ قُرْبِ نَوَافِلِ

جب بندہ مومن ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے۔ تو اس کے صفات رذیلہ اور دواعی شہوت و غضب زائل ہو جاتے ہیں اور اس کے نفس میں ایک۔ نلکہ راسخہ حق تعالیٰ کی مرضیات سے محبت کا اور حق تعالیٰ کی نامرضیات سے بغض کا پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے بلاکلف اعمالِ حسنہ و افعالِ محمودہ صادر ہوتے ہیں اور اعمالِ قبیحہ و افعالِ ذمیرہ قریب قریب معدوم ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے۔

فَاِذَا احْبَبْتَهُ كُنْتَ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَيَبْصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا۔ (رواہ البخاری)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کا کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، بن جاتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اعضاء و جوارح سے سب افعال میری اپنی مرضی کے موافق صادر ہوتے ہیں پس گویا میں ہی اس کے اعضاء بن جاتا ہوں سو یہ کلام ارشادِ ربانی۔

تشبیہ و تمثیل کے طور پر ہے اور اس حدیث شریف میں مجازاً حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے۔ **يَسْمَعُ وَيَبْصُرُ** کی نسبت عبد کی طرف ہے صوفیاء کرام نے اس اطلاق کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ بندہ فاعل اور حق تعالیٰ آلہ بن جاوے، اور چونکہ اس حدیث شریف میں اس مرتبہ کا حصول کثرتِ نوافل پر ہے جیسا کہ حدیث مذکور سے قبل جملہ ہے۔ **لَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أَجُوبَهُ فَأِذَا اجْتَبَيْتُهُ لِمَخٍ** اور مجاہدہ ریاضیت میں تکثیرِ نوافل لازم ہے۔ خواہ نماز، روزہ، یا کثرتِ مراقبات، یا تقلیلِ مباحات اس لئے صوفیاء کرام اتباعاً للحدیث اس مرتبہ کو **قُرْبِ نَوَافِلِ** کہتے ہیں اور چونکہ اس میں صفات و افعالِ رذیلیہ کا ازالہ ہوا ہے اس لئے اس کو **فَنَاءِ** صفات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ الحاصل **قُرْبِ نَوَافِلِ** میں انسانی صفات زائل ہو جاتی ہیں اور خدائی صفات حاصل ہو جاتی ہیں اور اس طرح **سَالِكِ صُنْعَةِ اللَّهِ** اور **تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ** کا مرصاد بن جانا ہے۔ دوسرا **قُرْبِ قُرْبِ فَرَأَيْتُمْ** ہے جو اس سے اعلیٰ درجہ کا ہے وہ یہ کہ عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہو جاوے کہ اپنی قدرت و ارادہ کو قدرت و ارادہ حق کے سامنے ذوقی طور پر کالفانی و کالعدم سمجھنے لگے اور افعال و اعمال میں بمنزلہ آلہ محضہ کے ہو جاوے اور حق تعالیٰ کی موثریتِ مستقلہ پیش نظر ہو جاوے۔ اس کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ حق فاعل ہو جاوے اور عبد آلہ بن جاوے اور چونکہ یہ اول سے اعلیٰ ہے کیونکہ اول صرف **فَنَاءِ** روائل تھا **فَنَاءِ** اختیار نہ تھا۔ اور اس میں **فَنَاءِ** اختیار

ہے اس لئے اول سے یہ اعلیٰ ہے اور حدیث شریف میں تقرب بالفرائض
کو تقرب بالنوافل سے اعلیٰ و افضل کہا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث شریف
کا اول جز یہ ہے۔ **وَمَا تَقْرَبُ إِلَىٰ عَبْدِ بَشِيٍّ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَدَاءِ
مَا أَنْتَرَصْتُ عَلَيْهِ** اس لئے صوفیاء موافقہ للحدیث اس کو تقرب بالفرائض
کہتے ہیں اور چونکہ اس میں سالک کو اپنی صفات ذاتیہ قدرت و اختیار
بھی نظر نہیں آتا اس لئے اس کو فنا ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔

تَجْرِيدٌ وَتَفْرِيدٌ تجرید یہ ہے کہ اغراض و نیوی و آخروی کو ترک
کر دینا۔ تفرید یہ ہے کہ کسی چیز کی اپنی طرف

نسبت نہ کرنا۔ تفرود یہ ہے کہ تمام غیر اللہ سے اپنے کو خالی کر لینا۔

تَلْوِينٌ وَتَمَكِّنٌ تلوین یہ ہے کہ سالک کے قلب کے حالات
کا مختلف ہونا۔ کبھی قبض کبھی بسط کبھی سکری کبھی صحو

مبتدی کو یہ تغیرات کافی پیش آتے ہیں اور یہ مضر نہیں بلکہ لوازم سلوک
ہیں لہذا پریشان نہ ہونا چاہیے۔ پریشانی سخت مضر ہے۔

تیکین یہ ہے کہ دوام طاعت و کثرت ذکر میں استقامت و مضبوطی
کے ساتھ مشغول رہے۔ حسب استعداد آخر میں مناسب حالت محمودہ
پر قرار ہو جاتا ہے۔ اس کو تیکین کہتے ہیں۔ اسی تیکین کا نام توسط و
اعتدال ہے اسی توسط کی وجہ سے اس امت کا نام امت وسط ہے

اِتِّبَاهٌ تلوین والا پہنچانا جاتا ہے اور صاحب تیکین کی حالت
عوام جیسی ہو جاتی ہے اس کا پہنچانا مشکل ہوتا ہے

صاحبِ تلوین صاحبِ حال ہے۔ صاحبِ تمکین حقیقتِ شتا ہے
صاحبِ تلوین راہ میں ہے۔ صاحبِ تمکین واصل ہو چکا ہے۔ تمکین
کے بعد تمام کے حقوق بخوبی ادا ہوتے رہتے ہیں۔

تَجَلِّی

تَجَلِّی ظہور کو کہتے ہیں اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ہر ایک کے جدا آثار ہیں
سالک کے وجودِ عنقریب کے صفات و آثار کچھ باقی ہیں تو
اس تجلی کے وقت بے ہوش ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ
علیہ السلام طور پر بے ہوش ہو گئے اور اگر وجودِ عنقریب کے آثار بالکل فنا
ہو گئے تو مشاہدہ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ قبل وفات شریف یہ خلعتِ خاص
رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوا۔ اور بعد موت سب مومنین
کو جنت میں مشاہدہ و دیدار ہوگا۔

تَجَلِّی صَفَاتِی | اس کی علامت یہ ہے کہ صفاتِ جلالی تجلی کریں تو
سالک پر خشوع و خضوع کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر
صفاتِ جمالی تجلی کریں تو سالک کو سرور و انس ہوتا ہے۔

تیسری تجلی افعالی | اس کی علامت یہ ہے کہ سالک کی نظر مدح و ذم

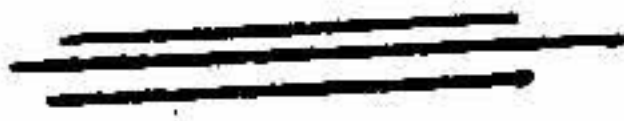
اور نفع و ضرر، رد و قبول پر نہیں رہتی۔

تزکیہ | جس طرح جسم ظاہری کے لئے ایک حالت صحت کی ہے اور ایک مرض کی۔ اسی طرح باطن کے لئے ایک حالت صحت کی ہے ایک حالت مرض کی۔ پس نفس کو امراضِ باطنہ سے پاک و صاف کرنا یہی تزکیہ ہے۔ اس کا شریعت میں نہایت درجہ تاکید حکم ہے۔ یہی مدارِ صلاح ٹھہرایا ہے۔

حال و مقام | سالک کے قلب پر جو کیفیات غیب سے نازل ہوں جن میں اس کا کچھ اختیار نہیں اس کو حال کہتے ہیں۔

مقام | سالک نے مرتبہ سلوک میں جو استقامت یعنی پختگی حاصل کی ہو وہ مقام کہلاتا ہے۔

مقاماتِ سلوک وہی اعمالِ باطنہ ہیں۔ جن کے حاصل کرنے کا شریعت نے امر کیا ہے۔ ہر مسلمان ان کا مکلف ہے۔ اس لئے سلوک کا بھی مکلف ہے خصوصاً سالک ہمیشہ ان کے طے کرنے میں مشغول ہے۔ اس کو کسی وقت توقف نہیں ہوتا۔ مقام سالک کے تحت ہوتا ہے اور حال کے تحت سالک ہوتا ہے۔



حجابات

حجاب کے معنی پر وہ - رکاوٹ ہونا۔ کہتے ہیں مجھے ان کے پاس جانے سے حجاب ہوتا ہے۔ کسی چیز تک پہنچنے میں مانع کا ہونا، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک موقع پر جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا آج زیادہ سے زیادہ قرب ہوا لیکن پھر بھی میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار حجابات تھے۔ اب کشف سے اس کے متعلق بیان ہے کہ ہر لطیفہ میں دس دس ہزار حجابات تظلمانی و نورانی ہیں اور لطائف چھ ہیں ان کے علاوہ لطیفہ قالبیہ کو ملا کر سات لطیفے ہیں تو ہر لطیفے کے دس ہزار تو سات لطیفے کے ستر ہزار حجابات ہو گئے جب ذکر خلوص و صدق بطلب و فکر ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو ذکر سے ظلمت و فح ہوتی ہے اور لطیفہ کا نور سالک کو نظر آتا ہے۔ یہ علامت ان حجابات کے اٹھ جانے کی ہوتی ہے۔ مثلاً حجاب نفس کا شہوت و لذت ہے اور حجاب دل کا نظر کرنا غیر حق پر ہے۔ حجاب عقل کا مدانی فلسفہ میں خوض و غور کرنا اور حجاب روح کا مکاشفات ہیں عالم مثال کے و علی ہذا ان میں سے کسی کی طرف التفات نہ ہو مقصود حقیقی کی طرف

متوجہ رہے اور غیر مقصود کی نفی کرتا رہے۔

اسی کو مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے۔

عشق آن شعلہ است کو چوں بر فروخت

ہر چہ جز مشوق باقی جملہ سوخت

یہ تیغ لا در قتل غیر حق براند ••• درنگر آخر کہ بعد لاجہ ماند

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت ••• مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہو جاتا ہے تو مشوق کے

سوا سب کو نذر آتش کر دیتا ہے۔ غیر اللہ پر لاکھی تلوار چلا اور پھر

دیکھ کہ لاکے بعد کیا رہتا ہے بس الا اللہ رہ جائے گا باقی سب ختم ہو جائے گا۔

مراتبِ حجابات

حجابات کے چار مرتبے ہیں (۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت

(۴) لاہوت۔ اصل یہ ہیں۔ ایک اور بعض نے کہا ہے (۵) لاہوت

۱۔ ناسوت۔ یہ عالم انسان کے (۲) ملکوت عالم ملائکہ کے۔

۳۔ جبروت مرتبہ تفصیل صفات کے (۴) لاہوت مرتبہ اجمال صفات کے

۵۔ لاہوت مرتبہ ذات حق کے۔

انتباہ | یہ حجابات دراصل مقاماتِ سلوک نہیں ہیں بلکہ مراتبِ وجود ہیں۔ ہاہوت و لاہوت و جبروت کا طے کرنا تو انسان سے محال ہے ذات و صفاتِ حق کے مراتب کون طے کر سکتا ہے کیوں کہ ممکن جو ذاتِ انسان ہے اس کا ذاتِ وجوبِ حق کی طرف انقلابِ لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ اور ناسوت کے طے کرنے کی ضرورت ہی نہیں اس میں تو آپ موجود ہی ہیں اور ملکوت میں پہنچنا ممکن تو ہے مگر اختیاری نہیں بعد موت کے خود بخود ہر شخص وہاں پہنچ جائے گا۔ مرتبہ لاہوت مرتبہ جبروت غیر مخلوق ہیں۔

اس کا جہتقدر انکشاف ہے وہ بیشک
غیر صفاتِ اجمالیہ و تفصیلیہ | مقصود ہے اب اور مرتبے جو

مخلوق ہیں وہ حجاب ہیں ایک حجابِ ملکوتی جو کہ وہ حجابِ نورانی ہے دوسرا مرتبہ ناسوتی ہے جو کہ وہ حجابِ ظلمانی ہے اور مرتبہ ناسوتی جو کہ نہایت گھٹیا تھیر ہے وہ کچھ ایسا حاجب نہیں کیوں کہ شے حقیر کی طرف کیا نظر لیکن مرتبہ ملکوتی کہ وہ نورانی ہے باعظمت ہے وہ زیادہ حاجب ہے۔ غرض دونوں قابلِ التفات نہیں۔ نہ نورانی نہ ظلمانی۔

سیرِ الی اللہ و سیرِ فی اللہ | تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیرِ الی اللہ یہ تو محدود ہے

دوسرے سیرِ فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیرِ الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ شفا ہوگئی۔ امراضِ نفس کا ازالہ

ہو گیا۔ اور اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو گیا اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع
کی یہاں تک کہ وہ انوارِ ذکر سے معمور ہو گیا۔

یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد اور ارتقاع موانع اور معالجہ امراض سے
واقف ہو کر نفس کی اصلاح ہو گئی کہ اعمال صالحہ کی رغبت طبعیت ثانیہ
پن گئی اعمال و عبادت میں سہولت ہو گئی انیسیت و تعلق مع اللہ حاصل
ہو گیا تو سیرالی اللہ ختم ہو گئی اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ
خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا۔ تعلق
سابق میں ترقی ہوئی اسرار و حالات کا ورود ہونے لگا یہ غیر محدود ہے
یہ وہ تعلق ہے کہ جس کے متعلق کہا گیا ہے

بحر لیت بحر عشق کہ ہمیش کنارہ نیست

اینجا جزا سیکہ جاں بپارند چارہ نیست

یعنی عشق کا سمندر ایک ایسا سمندر ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں

یہاں سوائے جان سونپ دینے کے کوئی چارہ نہیں۔

صُوفِی

خیر القرون میں صحابی، تابعی، تبع تابعی امتیاز حق کے لئے کافی

القاب تھے۔ پھر خواص کو زہاد، عباد کہنے لگے۔ پھر جب فتن و بدعت

کاشیوع ہوا اور اہل زلیغ بھی اپنے کو زہاد، عبادت کنندگانے۔ اس وقت
اہل حق نے امتیاز کے لئے صوفی کا لقب اختیار کیا۔ اور دوسری ہی صدی
میں اس لقب کی شہرت ہو گئی۔ لفظ صوفی۔ صوف، صفا، صفا سے
مشتق بنا یا گیا ہے۔

جذب اور سلوک تربیت کے دو طریق ہیں ایک جذب دوسرا سلوک
جذب یہ کہ طالب پر ذکر و فکر و مشغل و مراقبہ
کے ذریعہ محبت کا غلبہ کیا جاوے اور اعمال زائدہ نافلہ میں کم لگایا جاوے
اور اس طریق محبت کے ذریعہ اس کو مقصود تک پہنچایا جاوے دوسرا طریق
سلوک ہے وہ یہ کہ تلاوت کلام پاک اور نوافل و ذکر وغیرہ میں زیادہ
مشغول کیا جاوے۔

مدارات و مداہنت مدارات کا حاصل اہل جہل کے ساتھ
نرمی کرنا ہے تاکہ وہ دین کی طرف
آجائیں اور اہل شرک کے ساتھ نرمی کرنا ہے۔ تاکہ ان کے شر سے حفاظت
رہے اور یہ دونوں صورتیں محمود و مطلوب ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ
اول تو یہ خود دین میں مقصود ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ مقصود
میں مہین ہے کہ کیوں کہ کسی شریکی ایذاء میں مبتلا ہو جانے سے
احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے۔
مداہنت یہ ہے کہ بد دینوں کے ساتھ نرمی کرنا تاکہ ان سے
مال و جاہ کا نفع حاصل ہو یہ ناجائز و حرام ہے۔

اِتِّبَاه مداراتِ حضراتِ صوفیاء کے خاص اخلاق میں سے ہے۔

نسبت اس کے لغوی معنی لگاؤ اور تعلق کے ہیں اور اصطلاحی معنی میں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص تعلق یعنی قبول و رضا کا تعلق اور بندہ کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ طاعت و ذکر کا۔ اس کو یوں سمجھو جیسے عاشقِ مُطیع اور وفادارِ معشوق میں تعلق ہوتا ہے۔

طریقِ حصولِ نسبت جب ذکر اللہ کی کثرت اور مجاہدات و ریاضات کی کثرت سے ظلماتِ نفسانینہ

و کدوراتِ طبیعہ کا ازالہ ہو جاتا ہے تو قلب و روح کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کو نسبت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی نسبت کے پیدا ہو جانے کا نام وصول ہے۔

اِتِّبَاه جب نسبت تعلقِ طرفین کا نام ہے۔ یکطرفہ تعلق کو نسبت نہیں کہتے۔ تو بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ محض یاد کا تعلق ہوتا ہے اور یہ تعلق یکطرفہ ہے۔ دو طرفہ تعلق جو ہوتا ہے وہ عمل و اطاعت سے ہوتا ہے جب انسان عمل و اطاعت کرتا ہے اس وقت حق تعالیٰ کو بھی اس سے تعلق ہو جاتا ہے اور اس کا اتقاء ایک دم نہیں ہوتا بلکہ رفتہ رفتہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ البتہ اس کی ظاہری علامت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال و اقوال، اعمال و احوال میں زیادہ تشبہ

دیکھا جاوے ہر ہزبات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتباع
کی کوشش ہو اور یہ اتباع عادت ہو جاوے کہ بے تکلف سنت کے
موافق افعال صادر ہونے لگیں۔

شکر و صحو

شکر یہ ہے کہ وارد غیبی سے ظاہری و باطنی احکام میں امتیاز
اُٹھ جاوے۔

صحو۔ اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے۔

شکر کا واقعہ اور مثال | حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دریا کی کچھڑ
فرعون کے منہ میں ٹھونسنے سے اس

اندیشہ سے کہ اس کو رحمت الہیہ نہ پائے۔ باوجودیکہ مدار، قبول ایمان
کا قلب پر ہے بعد اجتماع شرائط۔ پھر بھی اس کے منہ میں کچھڑ
دینا، یہ غلبہ شکر ہی کے سبب سے تھا اور اس غلبہ کا سبب
غایت درجہ بغض فی اللہ تھا۔

اسی طرح دوسری مثال اور واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق کے جنازے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے منع نہیں فرمایا۔ (بخاری مسلم ترمذی، نسائی)

یہاں پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قلب پر بغض فی اللہ کا ورود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات ہی نہ ہوا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قولاً فعلاً کیا معاملہ کر رہا ہوں۔ صورتاً ادب سے مستبعد ہے اور ایسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معذور رکھا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حالت صحو میں آئے تو حدیث شریف میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو بعد میں اپنی اس جرات پر تعجب اور تندرست ہوئی۔

غلبہ حال | یہ غلبہ جس طرح ناقصین کو ہوتا ہے اسی طرح گاہے کاملین کو بھی ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ حقارت انبیاء علیہم السلام پر بھی غلبہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ واقعہ بدر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح کی دعا فرما رہے تھے اس میں یہ بھی فرمایا: **تَهْلِكْ هَذِهِ الْعَصَابَةُ لَمْ تَبْدَأْ بَدَا لِيَوْمٍ** یعنی اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر آج کے بعد سے کوئی آپ کی عبادت نہ کرے گا۔ یہ اسی لیے فرمایا تھا کہ اس وقت آپ پر غلبہ حال تھا۔

آپ کی اُمت کے بعض کالمین پر بھی غلبہ حال ہوا۔ چنانچہ حضرت
بایزید بسطامی کا قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے حالت سُکر میں سبحانی نا اعظم
شانی کہا تھا۔ لیکن ان حضرات کالمین کو ایسا غلبہ حال نہیں ہوتا کہ مسلوب
الحواس ہو جائیں۔ ذرا سے محرک سے حالت سُکر مُبدل بَصَحُو ہو جاتی ہے

حالتِ صَحْو میں ضبط واجب ہے، اخفاء حال لازم ہے اور
حالتِ سُکر کے بعد حضرات صوفیاء صحو میں آکر اس کا تدارک

انتباہ

توبہ وغیرہ سے کرتے ہیں گو توبہ ضروری نہیں ہوتی چونکہ حالتِ سُکر غلبہ
حال اور معذوری کی حالت ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ بہر حال کلماتِ غیر

مشروعہ کا صدور ہوا تو اس کا تقاضا معذرت ہے اس لیے یہ حضرات

اس تقاضا کو پورا فرماتے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کہ بلا اختیار کسی بزرگ کو

کسی شخص کی ٹھوک لگ جائے تو یہ شخص معلوم ہونے پر شرماتا ہے اور

معذرت کرتا ہے علاوہ اس کے یہ بھی ہے کہ مخلوق کو ضلالت سے بچانا اور

م محفوظ رکھنا ہوتا ہے اس لیے بھی یہ حضرات تلافی کرتے ہیں چنانچہ حضرت

بایزید بسطامی جب حالتِ صحو میں آئے اور معلوم ہوا کہ میں نے حالتِ

سُکر میں سبحانی نا اعظم شانی کہا تھا تو اس کا تدارک فرمایا جیسا کہ ان کے

ملفوظات میں یہ نقل ہے کہ اِنْ قُلْتُ سُبْحَانِي مَا اَعْظَمَ شَانِي فَاَنَا مَجْبُوسٌ

فَاَقْطَعُ زُنَارِي وَاَقُولُ اشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ لَعِنِي اِگر میں نے

سبحانی الخ کہا ہے تو میں مجوسی ہو گیا اس لیے میں زنار توڑتا ہوں اور

اشہد الخ پڑھتا ہوں

قبض و لبط

واردات کا کسی مصلحت سے منقطع ہو جانا۔ خوف کا بڑھ جانا کہ محبوب کی تجلیِ جلالی یعنی عظمت و استغناء کے آثار کا وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا۔ گھٹن، بھچاؤٹ، روکھی روکھی سی کیفیت ہونا دل کا بے رونق و منقبض ہونا، قبض کہلاتا ہے۔

یہی وہ حالت تھی جو حضرت کعبؓ پر
دلیل ثبوت قبض

غزوہ تبوک میں عدم شرکت کے باعث

طاری ہوئی تھی جس کو ضیقِ ارض اور ضیقِ نفس سے تئیر فرمایا ہے۔

قبض کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔

عدمِ رضائے حق ہی پر انحصار نہیں ہے

اسباب قبض

پس حالتِ قبض جیسے سوءِ اعمال کی وجہ سے طاری ہوتی ہے کہ طاعات

میں لذت مفقود ہو جاتی ہے ۱۔ اسی طرح کبھی یہ حالت فتور و کسل

و لال کی وجہ سے بھی طبعاً پیش آ جاتی ہے۔ ۲۔ کبھی امتحاناً یہ حالت

پیش آ جاتی ہے کہ یہ سالک حق کا طالب ہے یا لذت کا تو منجانب اللہ

یہ حالت طاری اور وارد کی جاتی ہے جس سے امتحان مقصود ہوتا ہے

بعض دفعہ سالک کی اصلاح کے لئے یا سنبھالنے کے لئے بھی لسیط کو سلب کر لیا جاتا ہے تاکہ عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔

انتباہ

ہمارے دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی ثم صاحب مکئی قدس سرہ العزیز کا ارشاد ہے جس کو اس فقیر کے شیخ حضرت حکیم الامت التھانوی نور اللہ مرقدہ نے نقل فرمایا کہ قبض حقیقتہً بصورتِ قہر لطفِ الہی ہے۔ یعنی صورتِ قہر ہے حقیقتہً مہر ہے۔ اسی کو مولانا رومی نے فرمایا ہے یہ

چونکہ قبضے آیت اے راہ رو ••• آن صلاح تبت اس دل مشو

کہ اے سالک جب تجھے قبض پیش آوے تو اس سے دل گرفتہ اور ناامید نہ ہو کیوں کہ وہ تیری اصلاح کا ذریعہ ہے۔

انتباہ

قبض منافع میں لسیط سے بھی زیادہ ہے۔ گو وہ منافع

بالفعل معلوم نہ ہوں۔ آگے چل کر معلوم ہو جاتے ہیں۔

اور بالفرض معلوم نہ بھی ہوں۔ تو مقصود تو حاصل ہے اور حصول ہی مقصود ہے نہ کہ حصول کا علم۔

غایت انکسار، عبدیت کے آثار، مثل مشاہدہ

عجز و انکسار، ضعف اور غلبہ انکسار و افتقار

قبض کے منافع

و فنائے دعویٰ کیا خوب کہا ہے یہ

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ ••• جز شکت می نگیرد فضل شاہ

یعنی عقل و سمجھ کو تیز کرنا کوئی راہ نہیں ہے اس سے مقاصد و

قوی ہو جانا مشاہدہ کہلاتا ہے۔

دلیل

جیسے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو اس وقت ہم ایسے ہوتے ہیں گویا کھلی آنکھوں جنت و دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ تو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے مراد یہی غلبہ استحضار ہے مشاہدہ کے لغوی معنی مراد نہیں۔ بعضے ناواقفی سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں کہ مشاہدہ بمعنی رویت سمجھ کر الجھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جنت میں ہوگا دنیا میں نہیں ہو سکتا۔

یہ مشاہدہ جس کا حاصل غایت استحضار سے
حکمت و مصلحت قوت کے ساتھ قلب پر ایک حضور کی

کیفیت وارد ہو جاتا ہے یہ مثل اسی ظاہری مشاہدہ اور رویت کے ہوتا ہے اس لئے اس کا ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ اور سالک کو اس سے بہت کچھ تسلی ہو جاتی ہے اس لئے یہاں عالم دنیا کے اعتبار سے اس استحضارِ تام ہی کو مشاہدہ کہا جاتا ہے۔

البتہ اس کا دوام بندہ کی مصلحت کے خلاف ہے کیوں کہ بندہ کو دوام مشاہدہ کا تحمل نہیں اس لئے کہ دنیا میں تجلی و انہی سے بندہ مغلوب ہو جاتا ہے اور ہر وقت ایک استغراقی کیفیت طاری رہتی ہے اور مغلوبیت میں اعمال کے اندر کمی آ جاتی ہے جس سے قرب کم

ہو جاتا ہے کیوں کہ مدارِ قُربِ اعمال پر ہی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مشاہدہ حضور و رُوحیت سے منع تو کیا نہیں کیوں کہ یہ سالک کے لئے اشد ہے بلکہ یہ کیا کہ سالک کو مخلوق کی طرف باوائے حقوق متوجہ کر دیا۔ جنت میں بھی بعض اوقات لُذائذِ نفس کی طرف متوجہ کر دیں گے۔

اس کو اس مثال میں سمجھو کہ محبوب، معشوق نے دیکھا کہ عاشق بڑے عجز سے اور بڑی دیر سے مجھ کو دیکھ رہا ہے اب محبوب کو اندیشہ ہوا کہ زیادہ نظر جما کر دیکھنے سے مرنے جائے۔ اب اگر دیدار سے منع کرے تو یہ بہت سخت ثابت ہوگا اس میں سخت بے چینی ہوگی اور اس میں بھی وہی اندیشہ ہے کہ مرنے جائے۔ اس لئے بجائے روکنے کے یہ کیا کہ خدمت میں لگا دیا کہ عاشق کو بازار بھیج دیا کہ جاؤ مٹھائی لے آؤ اس طرح اس کو محبوب سے کچھ استتار ہو گیا مگر کیفیتِ شوق میں اعتدال ہو جائے گا۔ اور تعمیلِ حکمِ محبوب کی بھی ایک خاص لذت ہے جو کہ قریبِ لذتِ دیدار ہی کے ہے اس طرح صاحبِ مشاہدہ کے لئے اللہ تعالیٰ محبوبِ حقیقی نے حضور تام تجلی کو باقی رکھ کر دیدار و مشاہدہ سے منع نہیں کیا بلکہ تجلی کو مستتر کر دیا اور عشاق کو دوسری طرف متوجہ کر دیا تاکہ عشاق کے دل پھٹ نہ جائیں اور شوق معتدل رہے۔

حقائق و معارف وہ مقبول ہیں جن کو شریعت

رد نہ کرے۔ چنانچہ ابوسلیمان دارانی ر ۷

حَقَائِقُ وَمَعَارِفُ

فرماتے ہیں کہ جو کتاب و سنت کے خلاف ہو ہیں اس کو قبول نہیں کرتا

ابو خراز کا قول ہے کہ جو باطن ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل و مردود ہے ان علوم کی دلیل کشف ہے۔

اگر کسی کو شوق ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع میں بمنز اولت لگ جاوے تو خود ہی حقائق اور معارف منکشف ہو جاویں گے اور یہ حال ہوگا مولانا رومی فرماتے ہیں

بہنی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستاء

یعنی بغیر تعلیم و تعلم بغیر معلم انبیاء علیہم السلام کے علوم منکشف ہو جائیں گے غرض یہ حقائق جن کو بھی حاصل ہوئے ہیں محض اطاعت ہی سے حاصل ہوئے ہیں۔

مثال مثال میں یوں سمجھو موٹی بات ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کا پورا مہیٹھ ہو کر محبوب ہو گیا تو بادشاہ اسے خود ہی کبھی اپنے محل کی میر بھی کر دے گا کہ دیکھو یہ خزانہ ہے اور یہ چور دروازہ ہے۔ یہ ہماری بیگمات کی قیام گاہ ہے۔ یہ آرام گاہ ہے۔ تو بس اس کے حصول کا طریق یہ ہے کہ اپنے کو بادشاہ حقیقی کے سامنے بالکل فنا کر دے اور اپنی عقل و فہم کو ناقص سمجھ کر چھوڑ دے اور کچھ دنوں خاک ہو کر دیکھے کیا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں

در بہاراں کے شو و سر بزرنگ
خاک شو تا گل بر وید رنگ

یعنی موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتا ہے۔ خاک ہوتا کہ پھر لگانگ
پھول کھلیں۔ خاک ہو کر دیکھو کہ تمہارے اندر عجیب علوم القاد ہوں گے

تشریحات

یہ ظاہر ہے کہ مصنوعات سے صانع کا ظہور ہوتا ہے۔ مصنوع
سے ہی صانع پہچانا جاتا ہے جب یہ بات مسلم ہے تو ذات باری تعالیٰ
میں یہ امر کیوں نہ مسلم ہو گا کہ اس کی معرفت کا بھی یہی طریق اسلم واسہل ہے
بس اب دوسری بات سمجھو کہ صانع میں ایک مرتبہ ذات کا ہے
اور ایک صفات کا۔ پھر صفات میں بھی ایک مرتبہ جامعیت اور اجمال
کا ہوتا ہے اور ایک مرتبہ تفصیل کا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ ذات کا پتہ
دندان صفات سے لگا کرتا ہے اور اجمال کا پتہ تفصیل سے چلتا ہے
جب یہ باتیں سمجھ میں آئیں تو اب سمجھیں کہ مخلوقات سے
خالق برتر اللہ تعالیٰ کے وجود کا ہم کو علم ہوا تو اس ظہور علوم کے اعتبار
سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم یعنی ظہور علمی مخلوقات سے ہوا
پھر اسی قاعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ کی صفات تفصیلیہ سے صفات اجمالیہ کا
اور ان صفات اجمالیہ سے ذات کا پتہ لگے گا۔ لہذا اب یوں کہہ سکتے ہیں

کہ اول ظہور اللہ تعالیٰ کا صفات جامعہ و اجمالیہ سے ہوا پھر صفات تفصیلیہ سے ہوا پھر مخلوقات سے ہوا۔

اب مخلوقات میں ایک عالم ارواح ہے۔ ایک عالم اجسام۔ چونکہ ان میں غایت لطافت و کثافت کی وجہ سے کہ عالم ارواح لطیف ہے، عالم اجسام کثیف ہے کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے ان میں تعلق کے لئے ایک ایسی چیز پیدا کی جس کو دونوں سے مناسبت ہے اور اس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ اسی طرح مخلوقات کی ترتیب میں روح پہلے پیدا ہوئی پھر عالم مثال پھر عالم اجسام میں سب سے آخر انسان پیدا ہوا اور اس انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی صفات پیدا فرمائیں اس لئے اس انسان کو جامع کہتے ہیں۔ پس جس ترتیب سے مخلوقات پیدا ہوتی گئیں ظہور صانع و خالق کا بڑھتا گیا تو اب یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعد ظہور مرتبہ صفات تفصیلیہ کے عالم ارواح سے ظہور ہوا پھر عالم مثال سے پھر عالم اجسام سے پھر انسان سے۔ اس طرح دو مرتبے تو ظہور کے صفات ہیں تھے اور چار مخلوقات میں۔ یہ چھ ظہور علی الترتیب ہوئے، ان ہی چھ ظہور کو تنزلات کہتے ہیں۔ تنزل ان حضرات صوفیاء کی اصلاح میں ظہور کو کہتے ہیں نہ کہ آسمان سے زمین پر آنے کو۔ بلکہ انسان کے اندر ظہور حق یعنی صفات حق آجانے کو تنزل یعنی ظہور کہہ سکتے ہیں حلول نہیں اس کا اعتقاد تو کفر ہے۔ پس تنزلات کے تو چھ مرتبے ہوئے اور وجود کے سات مرتبے ہیں کیوں کہ ایک مرتبہ وجود کا خود ذات حق ہے اس مرتبہ ذات حق کو

بہوت کہتے ہیں۔ اور مرتبہ^۲ صفاتِ اجمالیہ کو لاہوت، اور حقیقت^۳ محمدیہ اور مرتبہ صفاتِ تفصیلیہ کو جبروت اور اعیانِ ثابۃ و حقیقتِ آدم اور عالمِ ارواح اور عالمِ مثالی کو ملکوت اور عالمِ اجسام کو ناسوت اور عالمِ انسان کو مرتبہ جامدہ کہتے ہیں۔

انتباہ | یہ سب اصطلاحی الفاظ ہیں ورنہ یقینی بات ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدم علیہ السلام مخلوق الہی سے ہیں نہ کہ صفاتِ الہی سے۔ ذات و صفاتِ الہی میں ترتیب صرف اعتباری ہے یہ نہیں کسی وقت میں صفاتِ الہی اللہ تعالیٰ میں نہ تھیں نہ وہ بالذات پھر دفعہ پیدا ہوئیں اس طرح تو صفات کا حادث اور مخلوق ہونا لازم آوے گا اور یہ اعتبار بالکل باطل ہے البتہ مخلوق ہر طرح حادث ہے۔
تجدد و امثال | ایک ہی چیز کا نئے نئے طور پر آتے رہنا۔ لیکن غایت اتصال و تشابہ کے سبب امتیاز نہ ہونا۔ یہ تجدد و امثال ہے اب سمجھئے کہ مخلوقات اپنے وجود میں ہر وقت فیضانِ الہی کی محتاج ہے۔ اگر ادھر سے وجود کی حفاظت نہ ہو تو فوراً نیست و نابود ہو جائے تو اہل کشف کی تحقیق یہ ہے کہ وجود ہر آن میں جدا آتا ہے مگر اتصال اور وجودات کے تشابہ باہمی کی وجہ سے تغایر و امتیاز نہیں ہوتا اور نہ ہی درمیان کا عدم بوجہ غایتِ اتصال، معلوم ہوتا ہے۔

مثال | اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ چراغ ہے کہ اس میں بتی ہے اس بتی کے سرے پر جو آگ کا شعلہ (لو) ہے اس میں چراغ سے ہر وقت نیاتیل آتا ہے اور وہ فنا ہو کر دوسرا آتا

ہے۔ اسی طرح تمام تیل ختم ہو جاتا ہے مگر احساسی طور پر یہیں ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ پہلا تیل کب فنا ہو گیا اور دوسرا کب آیا اسی کو تجدد و اشغال کہتے ہیں۔

وَحْدَةُ الْوُجُودِ

وَجُودِ حَقِيقِي ذَاتٍ وَاجِبٍ وَاحِدٍ كَلِّئُ كَلِّئُ - دوسرے موجودات

ممكنات جو بالذات معدوم تھے ذات واجب کے ایجاد سے بعد عدم موجود ہوئے تو جس طرح اپنے وجود میں ذات واحد واجب کے محتاج ہوئے اسی طرح اپنے بقا میں بھی محتاج ہیں اور ہر وجود حیات میں ذی افتقار الی الذات الواجب ہے۔ پس ایسی ذات واجب کے رو برو دوسرے موجودات کا وجود نہایت حقیر و ضعیف اصغف و القص و مضحل ہوتا ہے اور کالعدم ہوتا ہے۔ یہی معنی ہیں وحدۃ الوجود کے یعنی کل ممکنات تو موجود ظاہری ہیں۔ لیکن حقیقت میں کوئی موجود نہیں ہستی کامل کے ساتھ کوئی موجود نہیں بجز ذات حق کے، اسی کو سہمہ اوست سے تعبیر کرتے ہیں بمطابق محاورات روزمرہ جیسے کوئی حاکم ضلع سے یا اور کسی حاکم اعلیٰ سے فریاد کرے اور وہ حاکم کہے کہ تم نے پولیس میں رپورٹ کی، تم نے وکیل سے مشورہ کیا؟ اور وہ فریادی کہے

کہ جناب میرے تو پولیس، وکیل، تھانہ، عدالت سب آپ ہی ہیں
 ظاہر ہے کہ اس کے کہنے کا یہ بہرگز مطلب نہیں کہ حاکم، وکیل، پولیس سب
 ایک ہی ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وکیل، پولیس یہ سب آپ کے سامنے
 قابل شمار نہیں آپ ہی۔ صاحب اختیار ہیں۔ اسی طرح یہاں سمجھ لینا
 چاہیے کہ ہمہ اوست کے یہ معنی نہیں کہ ہمہ اور وہ ایک ہیں۔ بلکہ مقصود
 یہ ہے کہ ہمہ کی ہستی قابل اعتبار نہیں صرف او کی ہستی قابل شمار ہے پس
 ہمہ اوست کے یہ معنی ہوتے کہ جتنے موجودات ہیں ہستی تو ان کی بھی ہے
 مگر ان کی ہستی اس ذات کامل کے سامنے محض ایک ظاہری ہستی ہے حقیقی
 یعنی کامل نہیں تو گو ممکنات موجود ہیں کہ خالق برز نے ان کو وجود دیا ہے
 پھر موجود کیوں نہ ہوتے لیکن وجود حق کے سامنے ان کا وجود نہایت ناقص
 ضعیف و حقیر ہے اس لئے وجود ممکن کو وجود حق کے روبرو گو عدم نہ کہیں
 لیکن کالعدم ضرور کہیں گے اور جب کالعدم ہوا تو وجود معتد بہ ایک ہی ہوا
 یہی معنی وحدۃ الوجود کے ہیں۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے وجود کا ایک ہونا
 سو ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گو دوسرا بھی ہے مگر بس ایسا ہی ہے
 جیسا کہ نہیں ہے۔ اسی کو مبالغتہً وحدۃ الوجود کہا جاتا ہے۔ بس حضرت
 حق جل و علا کو حتیٰ سمجھو اور ممکن کو مثلِ مردہ۔ چنانچہ مردہ کی نشانی
 کسی درجہ میں وجود رکھتی ہے۔ آخر جسم تو ہے ہی مگر زندہ کے سامنے
 اس کی کیا ہستی ہے کچھ بھی نہیں زندہ کا محتاج ہے مابقی حرکت کرنے
 کروٹ لینے میں زندہ کا محتاج ہے۔ کپڑے اتارنے نہانے میں زندہ کا

محتاج ہے پکڑے پھنٹے میں زندہ کا محتاج ہے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف چلے جانے میں منتقل ہونے میں زندہ کا محتاج ہے بس مردہ کی ہستی ناقص ہے اور زندہ کی ہستی کامل اور کامل کے سامنے ناقص بالکل مضحک اور ناچیز محض ہے یہ حقیقت ہے مسئلہ وحدۃ الوجود کی

اور یہ مرتبہ تحقیق علمی میں توحید کہلاتا ہے جس کی تحصیل حاصل کرنا محض درجہ تحقیق میں یعنی مرتبہ تحقیق تک رہنا کوئی کمال نہیں۔

توحید تو بلا اس تحقیق کے عوام کو بھی بہت پختہ علم کے ساتھ حاصل ہے ہاں جب مرتبہ حال میں آجائے کہ سالک کا حال بن جائے تو بے شک الفح ہے کہ اس مرتبہ میں فناء کہلاتا ہے اور یہ البتہ مطلوب و مقصود ہے۔ یہی حاصل وحدۃ الشہود کا ہے جس کی دلالت اس معنی پر بہت ہی ظاہر ہے اس کا ترجمہ ہے ایک ہونا شہود کا یعنی واقع میں تو ہستی متعدد ہیں۔ مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور سب کا لعدم معلوم ہوتے ہیں۔ شیخ سعدی نے بہت واضح مثال میں اس کو سمجھایا ہے کہ جگنو سے کسی نے پوچھا کہ تو رات کو مانند چراغ کے چمکتا ہے دن کو بلہر کیوں نہیں نکلتا۔ کہاں گم ہو جاتا ہے؟ تو جگنو نے بہت ہی اچھا جواب دیا ہے

کہ من روز و شب جز بصر انیم

ولے پیش خورشید پیدا نیم

کہ میں رات دن صحرا میں ہی رہتا ہوں لیکن سورج کے سامنے ایسا ہو جاتا ہوں کہ پیدا ہی نہیں ہوا اس کی روشنی کے سامنے میری روشنی

ظاہر نہیں ہوتی۔

پس وحدة الوجود اور وحدة الشہود میں اختلاف لفظی ہے چونکہ
وحدة الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لیے محققین
 نے اس کا عنوان بدل دیا۔

اس کی یہ ہو سکتی ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ
 جیسا کہ شارح عقائد نسفی نے تفسیر کی ہے۔

دلیل نقلی

حقیقتِ احوال و کیفیات

اصلاح باطنی کے ساتھ بہت سے امور اس سے متعلق ہیں۔ ان
 متعلقات میں سے بعض امور وہ ہیں جو بمنزلہ ثمراتِ غیر اختیار یہ کہے ہیں
 ان کو اصطلاح میں احوال کہتے ہیں۔ مگر یہ دین میں مقصود نہیں اس لیے
 کہ دین میں مقصود و مطلوب وہ امور ہوتے ہیں جو بدون کھیل حاصل نہ
 ہوں بلکہ ان کا حصول صرف اختیار پر موقوف ہو۔

اکثر سا لیکن اس بات سے پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری
 فلاں حالت ضعیف ہو گئی یا فلاں کیفیت زائل ہو گئی

انتباہ

شاید ہم کو تنزل ہو گیا۔ پھر وہ اس سے مایوس اور شکستہ دل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خوب سمجھ لیں کہ کالمین محققین نے تحقیق فرمائی ہے کہ حالات کا غلبہ دائم نہیں ہوتا۔ بالخصوص مبتدی کے لئے کہ مبتدی کو بہت تغیر و تبدل پیش آتا ہے۔ جس کو تلوین کہتے ہیں اور اہل تکمیل کو بھی گاہے ان کے مرتبے کے موافق حالت میں تفاوت ہوتا ہے یہ لو ازم سلوک سے ہے۔ مضر نہیں ہے اس لئے اس سے پریشان نہ ہونا چاہیے کہ پریشانی مضر چیز ہے۔

سالمین احوال و کیفیات کے فقدان سے پریشان ہوتے ہیں۔ خواہ حاصل ہی نہ ہوں۔ یا حاصل ہو

انتباہ ضروری

کر ختم ہو جائیں۔ پھر کیفیات طاری نہ ہوں۔ تو یہ فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال ہی ہے کہ بدون غلبہ احوال کے استقامت حاصل ہو۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام سلوک کا مقصد حضرت حق میں فنا ہونا ہے یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینا ہے اور متخلق باخلاق اللہ ہونا ہے۔ ارشاد ہے۔ تَخَلَّقُوا بِاخْلَاقِ اللّٰهِ۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ۔

اور ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبدئ و دوسرا منتہا۔ مبدئ۔ افعال یعنی تاثر کا ہونا ہے اور منتہا فعل ہے۔ مقصود فعل نہ کہ افعال۔ اب اس کو یوں سمجھئے کہ مثلاً ہمارے اندر رحمت و شفقت کا مادہ ہے تو اب اس کا ایک تو مبدئ ہے دوسرا اس کا منتہا ہے مبدئ یہ ہے کہ کسی کی حالت مرصبت دکھ کی دیکھ کر دل دکھتا ہے یہ

الفعال اور تاثر ہے۔ اس کے بعد اس شخص کے ساتھ جو بہر دی کی، اس کی اعانت و امداد کی یہ منتہا ہے۔ جو کہ یہ فعل ہے اور صفت رحمت سے مقصود یہی فعل ہے۔ اسی طرح خوف ہے کہ مبدؤ وہی تاثر و الفعال ہے جو کہ خدا تعالیٰ کے عظمت و جلال کے خیال سے دل پر ہوا، رقت طاری ہوئی، رونگٹے کھڑے ہو گئے، اور منتہا اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے رُک گئے یہ فعل ہے اور یہی مقصود ہے۔

اسی طرح محبت ہے کہ اس کا ایک مبدؤ ہے دوسرا منتہا۔ مبدؤ یہ کہ دل میں عشق کی دُھن پیدا ہوئی اور محبوب کے خیال میں محویت ہوئی اور یہ الفعال و تاثر ہے اور منتہا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی کی طلب میں لگ جاوے۔ یہی مطلوب ہے۔

ان مبادی یعنی تاثر و الفعال سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفات میں مبادی نہیں ہوتے۔ بلکہ غایات و نہایات اور صفات کے منتہا، یعنی صرف افعال ہوتے ہیں۔ پس جس شخص کے اندر خوف اور محبت کی کیفیت یعنی الفعال کی حالت غالب نہ ہو مگر افعال پر استقامت ہو کہ معاصی سے پوری طرح بچتا ہے اور طاعات کو بجالاتا ہے۔ تو اس میں صفات کے مبادی نہیں

پائے گئے بلکہ صرف ان کے غایات پائے گئے اور یہ شخص متخلق باخلاق اللہ ہے یہی مقصود ہے اور یہ حاصل بلکہ بدرجہ کاملہ حاصل ہے۔ اور جس شخص میں اول مبادی و تاثرات پائے جائیں پھر

غایات و افعال پائے جائیں تو یہ شخص ابھی اس درجہ کا متعلق باخلاق
اللہ نہیں ہے اس درجہ کا کامل نہیں ہے۔

احوال دو قسم کے ہیں محمود اور مذموم معیار
انتیاء اسد ضروری یہ ہے کہ جو کیفیت کسی گناہ کے سبب

ہو جاوے وہ مذموم ہے اور جو ایسی نہ ہو وہ محمود ہے یعنی کیفیت
محمودہ وہ ہے جس سے طاعت میں ترقی ہو

یہ اس لئے کہا کہ بعض اوقات معاصی کیساتھ بھی بعض احوال
نفسانیہ باقی رہتے ہیں جیسے وجد و استنراق، شوق و شگفتگی اور حیرت
وغیرہ پس ان کے بقا سے دھوکہ میں نہ آئے کہ میں ایسا مقبول ہوں کہ
معصیت سے بھی مقبولیت میں خلل نہیں پڑا۔ یہ احوال محض کیفیات
نفسانیہ مثل فرح و سرور کے کیفیات طبیعیہ ہیں اور یہ سب کیفیات دنیوی
امور ہیں۔ دین نہیں اور دنیا کا عطا ہوتے رہنا رضا و مقبولیت کی دلیل
نہیں۔

ان احوال کو نسبت سے کوئی تعلق نہیں ہے کیوں کہ نسبت معاصی
کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ ایسی کیفیات ظلمانی ہیں ان کا اثر یہ ہے
کہ اگر سالک کو اول و بلکہ میں ان کا احساس نہ بھی ہوا ہو تب بھی سالک
سلیم الطبع ان سے خود گھبرا جاتا اور ان کو دفع کر دیتا ہے پھر ان کی طرف
متوجہ نہیں ہوتا۔ بخلاف کیفیات نورانیہ کے کہ وہ طاعات کی ترقی
کے موجب ہوتے ہیں۔ اس لئے سالک ان سے مُتکذّر ہوتا ہے

ان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ ان کی طرف التفات کرنے لگتا ہے اس لیے یہ حجاب بن جاتی ہیں مقصود ہیں۔ لہذا ان کو حُجُبِ نورانیہ کہتے ہیں اور حُجُبِ نورانیہ، حُجُبِ ظلمانیہ سے اشد ہیں کیوں کہ پہلے غرض ہو چکا ہے کہ سالک سلیم الطبع ان حُجُبِ ظلمانیہ کو خود ہی دفع کرتا ہے ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ لہذا حُجُبِ نورانیہ کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہیے سالک مقصودِ اصلی سے رہ جاتا ہے۔

پس ان کی طرف متوجہ ہونہ ان کے دفع کا شدید اہتمام ہو۔ الغرض جو کیفیتِ محمودہ نورانیہ آوے۔ غنیمت جانیں ہاں اپنی طرف سے نہ ان کے خواہشمند ہوں۔ نہ آکر جاتی رہتے پر پریشان ہوں۔ پس اپنے کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کریں تفویضِ تام ہو کر جو ہوگا بہتر ہوگا۔ خواہ حصولِ کیفیاتِ محمودہ نورانیہ یا عدم حصول۔

کسی حقیقت کا بلا نظر و کتاب قلب میں القاء ہو جانا الہام الہام ہے۔ یا کسی ہالفِ غیبی کی آواز کا آجانا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا میں عمر ہوں اور مجھے تو حاکم بننے کا شوق نہ تھا لیکن مجھے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی وصیت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اس کا القاء فرمایا تھا۔

الہام کی مخالفت سے گناہ تو نہیں ہوتا، مگر دنیا کا ضرر ہو جاتا ہے اور ضرر کی ایک قسم تو یہ کہ دنیوی مال اور جان

کا ضرر ہو۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ذوق و شوق میں کمی آجاوے چوں کہ اس کو بھی دنیا کی شے کہا گیا ہے اور الہام کی مخالفت سے اکثر اسی قسم کا نقصان ہو جاتا ہے اور ذوق و شوق کو جو دنیوی چیز کہا جاتا ہے یہ اس لیے کہ یہ ایک نفسانی کیفیت ہے جو اہل دین کے ساتھ خاص و مختص نہیں ہے گو وہ بعض احوال میں معین دین بھی ہو مگر مطلوب بالذات نہیں بلکہ بعض دفعہ اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

فِرَاسَتِ صَادِقَةٍ | یہ منجملہ احوالِ رفیدہ کے ہے۔ سچی الکل جو واقعہ کی مطابق ہو اس کو فراست کہتے ہیں۔ یعنی

ذکر اللہ کی موافقت و کثرت حسبِ فرصت و صحت اور تقویٰ کی مداومت سے صفا قلب حاصل ہوتا ہے اس سے اکثر وجدانی طور پر واقعات کے حقائق مُدْرک ہونے لگتے ہیں اس کو فراست کہتے ہیں گویا وہ کشف کا ایک شعبہ ہے۔

دلیل | حدیث شریف میں صراحتاً وارو ہے۔ اَلْقَوَا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ (ترمذی شریف) کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ وہ نورِ الہی سے دیکھتا ہے۔ نور اللہ سے مراد یہی صفا قلب ہے۔ جس کا سبب ذکر اور تقویٰ ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک شخص نظر بد کر کے حاضر ہوا۔ تو فرمایا۔ مَا بَالُ اقْوَامٍ يَتَرَشَّحُ الزَّنَانِ مِنْ اَعْيُنِهِمْ۔ عام عنوان میں ارشاد فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے

یہ وہی فراست کا بلہ و صادقہ تھی۔

اہل اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوتا ہے اسی لئے حضرت مولانا
رومیؒ فرماتے ہیں

پیش اہل دل نگہدارید دل

تا نباشی پیش آن خوار و خجل

کہ اہل اللہ کے سامنے دل کی حفاظت کرو کہیں وہ حالِ دل پر مطلع
ہو جائیں اور وہ اس پر کچھ بیان فرمادیں تو تمہیں شرمندگی ہو۔ چنانچہ ہمارے
حضرت شیخ حکیم الامت نور اللہ مرقدہؒ کو حق تعالیٰ نے ایسی فراست
عطا فرمائی تھی کہ طرز گفتگو سے انداز طبیعت انہیں معلوم ہو جاتا تھا
فرمایا کرتے تھے کہ میری سوتجویزوں میں سے سو نہیں تو ننانوے تو ضرور
صحیح ہوتی ہیں۔ جن کا اقرار خود اصحاب واقعات نے کیا البتہ دوسروں پر
بدون دلیل شرعی حجت نہیں۔ نیز اسی فراست صادقہ کی بنا پر زبانی کلام
اور تحریر سے اندرونی امراض کا حال معلوم کر لینا تو اب بھی بہت سوں
کو حاصل ہے۔

یہ بھی ایک حال رفیع ہے جب کہ اتباع شرع کے ساتھ ہو
عالم غیب کی اشیاء کا منکشف ہونا کشف کہلاتا ہے

بخاری و مسلم و ترمذی شریف میں حضرت انس بن زفرؓ کا قول
مروی ہے فرمایا کہ میں جبل احد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو

پاتا ہوں اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

میں نے غزوہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دائیں بائیں ، دو شخص دیکھے جن پر سفید کپڑے تھے اور سخت لڑائی لڑ رہے تھے میں نے ان کو نہ پہلے کبھی دیکھا تھا نہ بعد میں دیکھا یعنی وہ دونوں فرشتے جبرئیل و میکائیل علیہما السلام تھے (بخاری مسلم) ان کا حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظر آ جانا حدیث میں صراحتاً مذکور ہے تو مدلول حدیث کشف ملائکہ ہے۔

کشف کوئی۔ کشف الہی۔ کشف کوئی
کشف دو طرح پر ہے | یہ کہ باوجود بعد مکانی یا زمانی کے کسی

کسی چیز کا حال معلوم ہو جائے۔ وہ بعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے۔ کشف الہی یہ کہ علوم و اسرار و معارف متعلق سلوک کے یا متعلق ذات و صفات کے اس کے قلب پر وارد ہوں یا عالم مثال میں یہ چیزیں متمثل ہو کر مکشوف ہوں اور واردات غیبیہ و مواجید مثل ذوق و شوق محبت و انس و ہیبت اور انکشاف اسرار احکام و حسن معاملہ فیما بینہ و بین اللہ وغیرہ فالض ہوں۔ یہ علوم کشف الہی کہلاتے ہیں۔

یہ ایسے احوال عجیبہ و عجبہ ہیں کہ ان کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گروئے۔

انتباہ

کشف کوئی ، کشف الہی کے سامنے نہ لذت میں اس کے گرد کو پہنچتا ہے نہ قریب میں اس کو کوئی دخل ہے۔

انتباہ

انبیاء بعض اوقات اہل کشف کو خود اپنے کشف کی حقیقت کا
ادراک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت
اسد بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملائکہ کا کشف تو ہوا مگر یہ اطلاع نہ
ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔

یہ انبیاء اور تحقیق اس درجہ کی ہے کہ جو شخص اس سے آگاہ ہو جائے
گا وہ کشف میں اپنی فہم و رائے پر ہرگز اعتماد نہ کرے گا اور بہت سی
غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔

انبیاء بزرگوں کو جو کشف ہوتا ہے ان کے اختیار میں نہیں۔ یہاں
تک کہ نبیوں کا کشف بھی ان نبیوں کے اختیار میں نہیں۔
دیکھ لیجئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مدت تک یوسف علیہ السلام
کی خبر نہ ہوئی اور جب خبر آنے کا وقت آیا تو میلوں سے حضرت یوسف
علیہ السلام کے کڑتے کی خوشبو آنے لگی۔ تو بس معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں
کہ بزرگوں کو ہر وقت کشف ہوا کرے۔

انبیاء یاد رکھیے کہ کشف ہونا کوئی بڑا کمال نہیں۔ یہ مجاہدہ و ریاضت
سے کافر کو بھی ہونے لگتا ہے مجنونوں کو بھی کشف ہوتا ہے
اس لئے کشف بالکل قابل التفات نہیں ہے۔

گرامت گرامت یہ ہے کہ جو کسی نبی کے متبع کامل سے خلاف
عادت الہی کوئی بات صادر ہو۔ اور اسباب طبیعیہ سے
وہ اثر نہ پیدا ہوا ہو۔ خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا اسباب خفی ہوں پس

اگر وہ امر خلافِ عادت نہ ہو یا اسبابِ طبعیہِ حلیٰ یا نختی سے ہو تو وہ کرامت نہیں ہے۔

انتباہ | جو شخص اپنے کو کسی نبی کا متبع نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں جو گیوں ساحروں وغیرہ سے بعض ایسے امور صادر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ شخص مدعی اتباعِ نبی کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے۔ خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو۔ جس طرح اہل بدعت یا فروع میں خلاف کرتا ہو جیسے فاسق فاجر مسلمان۔ اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو تو وہ بھی کرامت نہیں ہے۔ بلکہ استدراج ہے اور یہ سخت مضر ہے کہ یہ شخص خرقِ عادت ہونے کی وجہ سے اپنے کو کامل سمجھے گا اور اس دعوے میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے میں کوشش نہیں کرے گا۔ نعوذ باللہ یہ بڑا شہرآن ہے پس کرامت اس وقت کہلائے گی جب کہ اس کا محل صدور مؤمن متبع سنت کامل التقویٰ ہو۔

انتباہ | کرامت کے لئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری اور نہ قصد کا ہونا ضروری ہے اس لیے کرامت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ علم بھی ہو قصد بھی ہو۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمانِ مبارک سے دریائے نیل کا جاری ہونا دوسری یہ کہ علم ہو قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل بے موسم میوؤں پھلوں کا آجانا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ نہ علم ہو نہ قصد ہو جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہماروں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دو چند سے چند ہو جانا اسی لئے خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر تعجب ہوا جس سے ان کے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوا۔

کرامت کی ان تین قسموں میں سے اول پر تقرف و ہمت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ دوسری اور تیسری قسم کو تقرف نہیں کہتے البتہ برکت و کرامت کہیں گے۔

انتباہ بعض اولیائے کاملین کا مقام غلبہ عبودیت و رضاء کا ہوتا ہے اس لئے وہ کسی شے میں تقرف نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی کرامتیں معلوم نہیں ہوتیں۔ اور بعضوں کو قوت تقرف ہی عنایت نہیں ہوتی بس تسلیم و تقویٰ ہی ان کی کرامت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کے لئے کرامت کا ظہور یا وجود ضروری نہیں چنانچہ بعض صحابہؓ سے عمر بھر ایک بھی خرق عادت کا صدور وقوع نہیں ہوا۔ حالانکہ حضرات صحابہؓ سب کے سب اولیاء تھے بلکہ تمام اولیاء سے افضل تھے چونکہ فضیلت کا مدار قرب الہی اور خلاص عبادت ہے۔

شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اہل کرامت نے مرنے کے وقت تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کرامتیں ظاہر نہ ہوتیں تاکہ اس کا عوض بھی آخرت میں ملتا۔ کیوں کہ یہ امر ثابت ہے کہ نعمت دنیا میں سے کسی بھی نعمت میں جس قدر کھنچ رہے گی اس کا اجر و بدلہ

قیامت میں ملے گا۔

گو بغض اولیاء ایسے بھی ہوئے ہیں کہ انتقال کے بعد بھی ان سے خوراق و تصرفات سرزد ہوتے رہے اور یہ بات حد تو اتر کر پہنچ گئی ہے۔

بعض کہا کرتے ہیں کہ پھر اولیاء کا اولیاء ہونا **شبہ اور اس کا جواب** کس طرح معلوم ہو۔ جواب اس کا یہ ہے

کہ اول تو ولایت ایک امر مخفی ہے اس کے معلوم ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ البتہ اگر معلوم کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہم ان سے مستفید ہوں فیض حاصل کریں تو اس کا ایک طریق یہ ہے کہ ان کی صحبت سے شرف حاصل کریں۔ اووا ان کی تعلیم کا اتباع کریں۔ جب اپنی حالت روز بروز متغیر پاؤ گے خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص صاحب تاثیر ہے اور اگر کرامت ہی سے معلوم کرنا ہے تو سنئے۔

کرامت دو قسم پر ہے۔ حسّی اور منعموی عموماً لوگ **انتباہ ضروری** فقط حسّی کرامت کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار

کرتے ہیں اور وہ حسّی مثلاً یہ ہے کہ دل کی بات پر مطلع ہو جانا پانی پر چلنا۔ ہوا پر اڑنا۔ ایک ہی وقت میں دو جگہ یا چند جگہ پر نظر آنا۔ زمین میں وحش کر اندر ہی اندر تیر کر اوپر آ جانا۔ ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں پہنچ جانا۔ بے موسم پھل لادینا وغیرہ۔ اور اوپر تفصیل سے بیان آچکا ہے کہ یہ چیزیں تو ریاضت سے جوگی وغیرہ، غیر مسلموں سے

بھی صادر ہو جاتی ہیں اور مسلمان قاسق سے بھی بسبب ریاضت یا بسبب شمول امور طبعیہ مثل مسمریزم فری میسن ہمزاد، عملیات نقوش، طلسمات، شعبدات، ادویات کی تاثیرات عجیبہ، سحر، نظر بندی، وغیرہ بعض تو ان میں کمی محض خیالی چیزیں ہیں۔ اور بعض واقعی بھی ہیں تو اسباب طبعیہ شخصہ سے متعلق ہیں۔ کرامت ان سب فضولیات سے پاک ہے۔

طالب حق کو یہ نظر الصاف قرآن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان امور میں قوائے طبعیہ کو دخل ہے یا محض قوت قدسیہ ہے یا کسی قوت کو بھی دخل نہیں ہے بلکہ محض غیب سے ظہور ہوا ہے۔ اس لئے کرامت حسی کو ولی کے پہچاننے کے لئے معیار بنانا اندیشناک ہے اسی لئے جو لوگ ایسی حسی خرق عادات کو ولایت کی نشانی گمان کرتے ہیں۔ وہ دجال کے دجل و فریب اور جال میں پھنس کر معتقد ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ بعض ایسے مولوی بھی جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے فرمایا ہے۔

پس ولی کی ولایت کا معیار کرامت معنوی ہے اس کرامت کے ساتھ کرامت حسی کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اگر فیض حاصل کرنا ہے تو کرامت معنوی دیکھو۔

کرامت معنوی خواص کے نزدیک، اہل بصیرت اہل نظر کے نزدیک بڑا کمال یہی کرامت معنوی ہے۔ یہی اصل ہے جس کا حاصل شریعت پر مستقیم رہنا۔ مکارم اخلاق کا خوگر

ہو جانا۔ اعمالِ صالحہ، نیک کاموں کا پابندی اور بے تکلفی سے صادر ہونا
 اخلاقِ رذیلیہ، کبر، حسد، ریا، حقہ، کینہ، حُبِ جاہ، حُبِ مال، حُبِ دنیا
 حرصِ طمع، طولِ امل، غضب و غیرہ تمام صفاتِ مذمومہ سے پاک ہونا اور
 کوئی سانسِ غفلت میں نہ گذرنا۔ اللہ تعالیٰ کا دھیان دل سے تہ اترنا۔ طاعات
 کا طبیعت میں جمانا۔ مناصیات کا طبعی نفرت تک پہنچ جانا۔ اتباعِ سنت
 ہر کام میں بے ارادہ ہونا۔ یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا
 احتمال ہی نہیں۔ بخلاف پہلی قسم جس کے کرامتِ استدراج کا احتمال موجود
 ہے۔

اس لیے کالین، صدورِ کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہہیں
 یہ استدراج ہی نہ ہو یا اس سے نفس میں عجب و پندار نہ ہو جاوے یا اس
 کی وجہ سے شہرت و امتیاز ہو کر باعثِ ہلاکت نہ ہو جاوے۔
انتباہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اپنی کرامت کا انخفا واجب
 ہے۔ تو جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن
 (اجازت) ہو۔ یا حال اس قدر غالب ہو کہ اس میں قصد و اختیار
 باقی نہ رہے۔ یا کسی مرید و طالبِ حق کے یقین کا قوی کرنا مقصود ہو وہاں
 اظہار جائز ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ قرآن
 پاک میں ہے۔ ارشاد ہے۔

قَالَ يٰمَرْيَمُ اِنِّى لَکَ هٰذَا اَقَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کَذٰکَ رَیَا

علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اے مریم یہ چیزیں (بے موسم) تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ مریم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہیں۔

دوسری دلیل :- بخاری شریف کی ایک طویل حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حارث کی ایک بیٹی سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انگور کا خوشہ کھا رہے ہیں اور اس وقت مکہ میں پھل و میوہ کا کہیں پتہ و نشان تک نہ تھا اور وہ خود بوسے میں مقید تھے۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت اُسید بن حنیفہ اور عباد بن بشر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تاریک رات میں حاضر تھے۔ جب یہ دونوں آپ کے پاس سے چلے تو ان دونوں کے آگے دو نور ظاہر ہوئے جب دونوں جدا ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک نور ہو گیا۔

بخاری و ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اِهْتَزَّ الْعَرْشُ بِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال پر عرش ہل گیا۔ اور فرمایا کہ ملائک بھی ان کے جنازہ کو اٹھائے ہوئے تھے۔

پس کرامات اولیاء حق اور شہادت ہیں۔ آیات و احادیث میں کرامتیں مذکور ہیں اور بشرط اتباع شریعت حالات رفیعہ میں سے ہیں

اگرچہ یہ نہ مقصود ہیں نہ مطلوب اور نہ لازم ولایت، جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ سے عمر بھرا ایک کرامت بھی واقع نہیں ہوئی حالانکہ وہ سب اولیاء تھے بلکہ تمام اولیاء سے افضل تھے یاد رکھیں کہ ولی سے کبھی کبھار کوئی امر ناجائز صادر ہوتا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو اور تائبہ کے وقت توبہ کر لے۔ یا کسی اختلافی امر میں غلط شق کو اختیار کر لینا، ولایت و کرامت میں قاذح و مضر نہیں ہے اس کو خوب سمجھ لیں۔

تنبیہ ضروری | کسی کیفیت کے غلبہ سے ایسا ہو جانا کہ دوسری جانب کی خبر نہ رہے۔ یہ گاہے نکھی کو اور حضرات صوفیاء میں سے متوسطین کو اکثر ہوتی ہے۔

دلیل | حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی صبا جزادی جاری تھیں۔ کسی نے پوچھا یہ لڑکی جو آپ کے ساتھ ہے آپ کی ہے آپ نے غور سے دیکھ کر فرمایا کہ ہاں گھر والے کہتے تو تھے کہ یہ میری لڑکی ہے۔ اللہ اللہ یہ بھی یاد نہ رہا کہ یہ میری لڑکی ہے گھر والوں کے قول سے استدلال کیا۔

انتباہ | یہ محمود ضرور ہے بشرطیکہ اس استغراق سے کوئی شرعی عیب پیدا نہ ہو۔ مگر یہ خود اپنی ذات میں کوئی بڑا محال نہیں ہے اگر یہ کوئی بڑا مرتبہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ فرماتے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ نماز کو طول دوں مگر نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز

سُن کر تنخیف کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو استعراق نہ ہوتا تھا۔

وجد کسی حالتِ محمودہ غریبہ کا نعلیہ ہونا اور اصلی حالت سے نکال ڈالنا۔
 (جیسے دل کا سرور) اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے۔

دلیل حدیث شریف میں ایک صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهُ مِنْ غَیْرِیْ صحابی کہتے ہیں فَصَوَّعَتْ عَلَیْهِ اس حدیث میں آگے ہے۔ فَادَاعُنَا تَذْرِفَانِ۔ صحابی کا بیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ دوسرے سے قرآن مجید سنوں۔ سو میں نے آپ کو سنایا۔ دیکھا تو آپ کے آنسو بہ رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

دلیل دوم زین کی روایت تلاوت کے بارے میں ہے اِنَّمَا کَانُوا یَبْکُونُ وَ یَقْشَعُرُونَ ثُمَّ تَلَّیْنَ جُلُودَهُمْ وَقُلُوبُهُمْ اِلَیْ ذِکْرِ اللّٰهِ۔ کہ وہ حضرات تلاوتِ قرآن کے وقت رویا کرتے اور ان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے پھر خدا تعالیٰ کی یاد کی طرف ان کے پوست اور قلوب نرم ہو جاتے، تو کالمین کا وجد آیات و احادیث میں مذکور ہے۔

دلیل سوم ترمذی شریف جلد ثانی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ہوش ہو جانا مروی ہے اس درجہ کا وجد اسلاف میں اتفاقاً ہے قوتِ تحمل کی وجہ سے کم ہی ہوتا تھا۔ البتہ متوسطین اہل

تصوف میں اس کا وقوع زیادہ ہوتا ہے۔

تَصَوُّف

صَرفِ ہمت کا نام تَصَوُّفٌ یعنی کسی چیز کے ظاہر ہونے کے لئے پختگی کے ساتھ خیال کا جمانا ہے۔ اس میں فاعل، قوتِ برقیہ ہوتی ہے جو انسان کے اندر ولایت رکھی گئی ہے جیسا کہ زمین میں بھی یہ قوت ہے اور بہت ہے۔ نظر لگنے میں بھی اسی کا اثر و دخل ہوتا ہے۔ مسہر زیم بھی اسی کی فرع ہے۔ حضرات بھی اسی کی فرع ہے شعبہ بھی اسی کی فرع ہے اور بھی اس قسم کی چیزیں ہیں۔

اور یہ قوت گو بعض میں فطرۃً بھی ہوتی ہے اگرچہ وہ صاحبِ نسبت بھی نہ ہوں۔ لیکن نادراً۔ اکثر و بیشتر اور عادتاً یہ مشق سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے کی قوت اگر قوی ہو تو وہ اسے روک سکتا ہے غرض تَصَوُّفِ کے طریقوں کا حاصل کرنا مشاقی پر موقوف ہے۔

تَصَوُّفِ اصطلاحی و متعارف سلوک یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کے سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا ہے اس میں تصور تَصَوُّفِ

کے مقصد سے ہوتا ہے۔ اس کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تو غیر
 اختیاری ہے وہ یہ کہ دل چاہتا ہے کہ فلاں شخص میں ذوق و شوق ،
 محبتِ حق ، خوفِ حق ، وغیرہ پیدا ہو جاوے اور اس کے لئے دعا کرے
 اس میں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن تصرف و توجہ اصطلاحی ، سو یہ
 اختیاری فعل ہے اور یہ گوجائز ہے لیکن ذوقاً پسندیدہ نہیں ہے تاہم
 بجموری بضرورت شرعی ، ضرورت کے موافق جائز ہے۔ قاعدہ شرعی ہے
 الضَّرُورَةُ تَقْدَرُ بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ اور یہ بھی جب ہے کہ طالب
 صادق مرید میں کوئی ذکر وغیرہ اثر نہ کرے۔ تب شیخ اس تصرف و
 توجہ سے کام لے کہ باطن مرید میں تاثیر کرے جس سے اس کو حق تعالیٰ الٰہی
 طرف کشش پیدا ہو۔ دوسری اشیاے عالم میں خواہ بہت سے یا دُعا
 سے

انتباہ یہ تصرفات عجیبہ و غریبہ بدون حصول نسبت فناء و بقا حاصل
 نہیں ہوتے اس لئے اس اعتبار سے مشاقی یا قوتِ فطری
 کے ساتھ نافع فی الدین ہونا بھی شرط ہے کیوں کہ سالک کا صوفیاء کا
 اصل موضوع یہی نفع فی الدین ہے اس لئے مراد بعض تصرفات عجیبہ
 و غریبہ سے وہی تصرفات و توجہات ہیں جو سلوک سے متعلق ہیں۔

انتباہ بعض مشائخ کے یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے لیکن
 اس کا نفع باقی رہنے والا نہیں ہوتا اور ضرر یہ ہے کہ طالب
 کیفیت کو نفع سمجھ کر اس کو کافی سمجھنے لگتا ہے اور محنت چھوڑ دیتا ہے کام

ترک کر دیتا ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس وقت قلب میں خدا تعالیٰ کی طرف مطلق توجہ نہیں رہتی اگر رہتی بھی ہے تو بہت ضعیف اور خدا تعالیٰ کی طرف سے قصداً توجہ ہٹانا۔ غیرت کے خلاف ہے۔ خصوصاً جب کہ نفع بھی کوئی خاص نہیں اور جو کچھ ہے وہ وقتی ہے اور وہ بھی خالص نہیں بلکہ اس میں ضرر بھی شامل ہے۔ بندہ پر حق تعالیٰ کا حق توجہ تام ہے۔ بڑی چیز یہ ہے کہ اس قسم کی توجہ کرنا سنت میں منقول نہیں ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بکثرت منقول نہیں ہے۔

پس مسنون طریقہ اصلاح کا، نصیحت و تذکرہ، تدبیر معالجات اور دعاء ہے۔ البتہ اگر ایسا کرنے کی ضرورت ہی ہو جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے۔ تو اس کے یہ آداب ہیں۔

۱۔ طالب صادق ہے۔ مجاہدہ میں، ذکر میں مشغول ہے لیکن غباوت ہے آگے نہیں چلتا تو تصرف ہو۔

۲۔ ظاہراً یا باطناً اس پر عجب نہ ہو۔

۳۔ طالب ضعیف الطبع، ضعیف القلب، ضعیف الاعصاب نہ ہو۔

۴۔ طالب تصرف پر ٹیک نہ لگا بیٹھے کہ بس تصرف سے کام ہوتا رہے گا۔ میں کیا محنت کروں۔

۵۔ شیخ ضعیف الجثہ، ضعیف الاعصاب نہ ہو مریض نہ ہو

۴ اس میں زیادہ اشتغال نہ ہو کہ فاعل و متفعل دونوں کے لئے فتنہ ہے بعض ناواقف یوں سمجھتے ہیں کہ فیض پہنچانا شیوخ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ یہ محض غلط اور باطل خیال ہے جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت شریفہ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ کے بارے میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معاملہ میں نازل ہوئی ہے جب کہ آپ اپنے چچا ابوطالب کو اسلام کی ترغیب دے رہے تھے۔

اس حدیث شریف سے اس غلطی کی پوری اصلاح ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہدایت دینا نہ ہو۔ تو اوڑوں میں کب اس کا احتمال ہو سکتا ہے۔ پھر جب کہ نفع دینی ہی ہو جو اصل کام ہے شیخ کا مُسْتَقْلًا خارج از اختیار ہے تو دنیوی نفع استقلالاً اختیار میں کیسے ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگ اس خیال و دھوکہ میں بھی مبتلا ہیں کہ نَعُوذُ بِاللَّهِ اِذَا لَمْ يَكُنْ لَكَ حُدَايَا كَمَا لَكَ سَمِيحَةٌ هِيَ بَدَلَالَةُ النُّصْرِ اِسْمِ آیت سے اس کی بھی اصلاح ہو گئی۔

یہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک لمبی حدیث

دلیل و ثبوت تصرف

شریف میں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میری یہ حالت دیکھی جو مجھ پر غالب تھی آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف سے میری یہ حالت ہوئی کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں تو

یہ ہاتھ مارنا جس سے یہ حالت پیدا ہوئی تَصْرُف ہے۔
خاطر قلب پر جو وارد ہوتا ہے اس کو خاطر کہتے ہیں۔ اس کی چار قسمیں
 ہیں۔

۱۔ خاطر حق ۲۔ الہام ۳۔ ہاجس ۴۔ وِسْوَاس۔
 اول اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ دوسرا فرشتہ کی طرف سے تیسرا نفس
 کی طرف سے چوتھا شیطان کی طرف سے۔

اگر نیک بات دل میں آوے اور اس کے خلاف پر عمل نہ
علامت کر سکے تو وہ خاطر حق ہے اور اگر خلاف پر عمل کر سکے تو الہام
 ہے۔ اور اگر بُری بات دل میں آوے تو اگر شہوت، غضب، تکبر، ریاء
 وغیرہ صفات نفس کی طرف رغبت ہو تو وہ ہاجس ہے۔ اور اگر کسی گناہ
 کی طرف میلان ہووے تو وہ وِسْوَاس ہے۔ اسی کو بعض نے دوسری
 طرح بھی بیان کیا ہے۔

مُخَالَفَتِ شَيْخٍ

حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ عَادَى لِيْ وَ لِيَا فَقَدْ اَذْنَتْهُ بِالْحَرْبِ کہ جو میرے
 دلی سے عداوت کرے میں اس سے لڑائی کا اعلان کرتا ہوں۔ جب

عام ولی کے ساتھ عداوت جو کہ وہ خلاف و مخالفت کر کے مخالف ہوتا ہے اس سے منجانب اللہ تعالیٰ لڑائی کا اعلان ہے جو کہ سخت ترین وعید ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے اپنے شیخ کی مخالفت پر، اس کا کیا اثر ہوگا۔

بیان اثرات مخالفت شیخ | ایک اثر مخالفت شیخ کا یہ ہوگا کہ شیخ سے محبت و عقیدت میں فتور واقع ہوگا

(۲) شیخ کو آزر دگی ہوگی۔ اس کا اثر، گو آخرت میں کچھ نقصان نہ ہو مگر دنیوی نقصان کا سخت اندیشہ ہے اور روحانیت میں ضعف آنے کا امکان چنانچہ حضرت ابن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت تھے ابن منصور اسرار کو ظاہر کر دیتے تھے۔ ضبط نہ کرتے تھے اور سمجھتے تھے ضبط سے یاہر ہے مگر حضرت جنید جانتے تھے کہ یہ ضبط کر سکتے ہیں عاجز نہیں ہیں بہت کریں تو ضبط کر سکتے ہیں اسلئے ضبط کرنے کا حکم فرماتے تھے اور تمہیل نہ دیکھ کر ناراض و کڈرتے خوش نہ تھے تو اگرچہ شیخ کی ناراضگی اور تکدر سے آخرت میں مؤاخذہ نہ ہو چونکہ مؤاخذہ گناہ پر ہے ہاں نبی کی ناراضگی سے گناہ ہوتا ہے لیکن شیخ کی ناراضگی سے گناہ نہیں ہوتا مگر شیخ کی ناراضگی سے دنیا میں چین نصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابن منصور کو کبھی چین نصیب نہ ہوا۔ حتیٰ کہ انا الحق کہنے پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور ہوا جو کچھ ہوا۔

اس لئے محققین مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ دنیوی وبال ان پر ان

کے شیخ حضرت جنید کے تکدر سے آیا۔ گو وہ آخرت میں معتوب نہ ہوں کیوں کہ وہ اپنے خیال میں معذور تھے۔ (۳) ایک اثر یہ ہوگا کہ شیخ کی

تعلیم سے زائد مجاہدہ کرے گا جس کا نتیجہ چند روز میں گہرا کروہ قلیل
تعلیم کیا ہوا بھی چھوٹ جاوے گا۔ چنانچہ جنہوں نے ایسا کیا ہے ان کا حال
ایسا ہی ہوا ہے۔

دلیل بخاری و مسلم شریف میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وآلہ وسلم نے اعمال میں سے اتنا اختیار کرو کہ اکٹاؤ نہیں کیوں کہ
اللہ تعالیٰ نہیں اکٹاتا جب تک تم نہ اکٹاؤ۔

پس بیعت میں جلدی نہ کرو۔ خوب پرکھ لو پر کھالو، شیخ کی علامات
جاچنچ لوجب یقین ہو جاوے اور دل میں ایسی محبت و عقیدت

ہو کہ سمجھے سارے جہاں میں میرے لئے میری تلاش میں ان سے زیادہ
کوئی ناصح، خیر خواہ نہیں ہے۔ تب ہے بیعت نافع اور بالطف۔

انتباہ لہذا بے شرع پیر سے بیعت نہ کرے اور بیعت ہو گیا
پھر بعد میں پیر کا بے شرع ہونا مبتدع، بدعتی ہونا ظاہر ہوا

گناہوں پر اصرار ہے تو اس پیر کو چھوڑ دے کیوں کہ جب وہ پیر خود اصل
ہیں تو تم کو کس طرح واصل کرے گا۔ شیخ کامل وہی ہے جو جامع ہونا ظاہر

و باطن کا اور جب ایسا پیر ہو پس جس کا ہو گیا اسی کا ہو کر رہے۔
باطن شیخ حدیث شریف میں ہے کہ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ النَّاسَ

اپنے محبوب کے ساتھ ہے ابھی گذرا ہے کہ جس کا
ہو گیا۔ پس اسی کا ہو کر رہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

گفت عالم از مہجباں دوز نیست • لیک بیرون آمدن دستور نیست

اس میں تعلیم ہے کہ اگر شیخ سے محبتِ کامل ہو تو ظاہری دُوری
فیض سے مانع نہیں ہے۔ یہ حدیث شریف اس کی مُؤید ہے یہی محبت
معیّتِ روحانی ہے۔ مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جس کو تعلیم کی حاجت
نہ رہی ہو صرف تقویتِ نسبت میں مشغول ہو ورنہ بدون قربِ جسمانی کام
چلتا نہیں معذوری میں مجبوری ہے۔ جیسے بُدِ مکانی میں آمد و رفت مشکل
ہے تو پھر مکاتبت کا بخلوں اہتمام و التزام قائم مقامِ معیّتِ جسمانی و قربِ
جسمانی کے ہوگا۔

بِحَقِّ رَبِّهِ خَلَقَ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا رَبِّي فِي أَحْسَنِ
صُورَةٍ۔ (ترمذی شریف) کہ میرا رب میرے پاس ایک اچھی صورت
میں آیا یہی وہ چیزیں ہیں صوفیاء کی اصطلاح میں بایں عنوان تبیر پائی
جاتی ہیں جن سے ظاہر ہیں کسی قدر متوشش ہو جاتا ہے۔ لیکن مراد کی
وضاحت کے بعد ایسی اصطلاحات کی گنجائش ہے۔ چنانچہ صوفیاء فرماتے
ہیں کہ حق تعالیٰ بلا حلول اپنی ذات و صفاتِ خلق میں ظہور فرماتے ہیں
تس طرح کاتب کا ظہور مکتوب میں اور متکلم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے پس

خلق منظر اور حق ظاہر ہے اس کی نظیر فی احسن صُورَةٍ ہے۔ اور اِنّی رَبِّیْ
میں رَبِّیْ کہہ دینا غایتہ تعلق ظاہر و منظر میں ہونے کا بیان ہے کہ منظر سے
انکار منظر کا محال ہے۔ یہ دونوں مسئلے عقلی ہیں۔ عنوان و تعبیر میں ذرا
مُوحِش میں حقیقت میں کوئی تَوَتُّش نہیں البتہ تجلی اور اتحاد کو عرفی معنی
میں یا لَنُوی معنی میں محمول کرنا جائز نہیں جیسا کہ جاہل صوفی اس سے
اپنے عقائد خراب کر لیتے ہیں اس کی تفصیل در ہمہ اوست، میں ہو چکی

اِس کا یہ مطلب نہیں کہ
صوفی کا کوئی مذہب نہیں

الصُّوفِی لَا مَذْهَبَ لَهُ

روہ کسی مذہب کا پابند نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ صوفی محتاط ہوتا
ہے اور ہر مسئلہ میں حتی الامکان احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے
ورع و تقویٰ اسی کا نام ہے۔

اس پر فقہا کا قول و لیل کے کہ رِعَايَةُ الْخِلَافِ وَالْخُرُوجُ
مِنْهُ اَوْلَىٰ مَالِكٍ يَرْتَكِبُ مَكْرُوَةً مَذْهَبَهُ لِيَعْنِي اِخْتِلَافُ
سے نکلنا مستحب ہے۔ جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب
نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ۔

خِلَافَتُ وَسَّجَادَةُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ ابقارِ فیض اور اجبرائے سلسلہ کیلئے اپنے

اتباع و مریدین میں سے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین کر دیتے ہیں ایک کو یا متعدد کو، کبھی حیات میں اور کبھی اپنے وفات کے بعد میں۔

دلیل | ایک عورت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی آپ نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا اس نے عرض کیا کہ اگر آپ کو تشریف فرمانہ پاؤں۔ مراد یہ تھی کہ آپ کی وفات ہو جاوے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے نہ پائے تو ابو بکر کے پاس چلی جانا۔ ر بخاری و مسلم و ترمذی، اس حدیث میں اس کی اصل ثابت ہے۔

انتباہ | خلافت و سجادہ نشینی کا طریق جو اب متعارف ہے کبھی شیخ ہی کی حیات میں اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جس کو خاص دیکھا خواہ وہ خاص ہونا و نبوی اعتبار سے ہو اور گو اس میں اس کی کوئی اہلیت نہ ہو اس کی دستار بندی کر دیتے ہیں یہ بالکل طریق کی بے قدری اور فساد اور طالبین کی رہزنی ہے اور عوام کی اضاعت دنیا و دین ہے۔

دلیل | حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں خلافت ایسے شخص کے لئے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام، مسلمانوں کی توقیر کی طرف ہو۔ ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو۔ اس حدیث شریف سے نا اہل کو خلیفہ بنانے کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔

انحراف مرید پر اسے زجر و تنبیہ

اکثر بزرگوں کے واقعات ایسے ہیں کہ مرید کی کسی خلاف وضع حرکت پر اس کو نکال دیا۔ یا اس سے بولنا چھوڑ دیا۔ کام لینا چھوڑ دیا یا کوئی مناسب سزا دیدی۔ جس سے مقصود تنبیہ کرنا ہوتا ہے۔ عداوت عیاذاً باللہ ہرگز منشاء نہیں ہوتا۔

دلیل | حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب اور دوسرے دو صحابیوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے غزوہ تبوک سے رہ جانے

پر مسلمانوں کو ان یتیموں کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ اس حدیث شریف سے اس عمل کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے۔

تیز مزاجی | بعض بزرگ زیادہ لطیف المزاج ہوتے ہیں اور اس لطافت کی وجہ سے ان کو نامناسب امور زیادہ ناگوار

ہوتے ہیں۔ اور یہ ناگواری ان کے بشرہ سے ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض اوقات یہ تیز مزاج کا، حد غضب تک پہنچ جاتا ہے جس سے بعض تنگ نظروں کو ان حضرات اہل اللہ پر بدخلقی کا شبہ ہو جاتا ہے اور یہ خیال ان کے ساتھ بدخلقی کا خود ایسے سمجھ والے کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ چونکہ بدخلقی تو وہ ہے جو حد شرع سے متجاوز ہو

جادے۔ تیزی بذاتِ خود تو مذموم نہیں۔ نفسِ غضب تو قبح نہیں۔
بزرگوں پر اعتراض کرنے میں بہت جلدی نہ کرنا چاہیے۔

کارپا کاں راقیاس از خود مگیر

ع

دلیل تیزی کی | سند دہلی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ تیزی جو کہ لطافتِ طبیعت کے سبب سے ہو۔ وہ صرف میری
اُمت کے صلحاء و ابرار میں ہوتی ہے اور اسی کو باین عنوان بھی ارشاد
فرمایا کہ کوئی شخص ایسی تیزی کا رجوا بھی بیان ہوئی، صاحبِ قرآن سے
زیادہ شایاں نہیں ہے اس قرآنِ پاک کی عزت کے سبب جو اس کے
جوف میں ہے۔

ترکِ مباحثہ | بزرگوں کے طریق و عادت سے ہے کہ مکالمات
و مخاطبات میں جب کوئی ان سے الجھتا ہے تو باوجود
حق پر ہونے کے طرح دے کر سکوت فرماتے ہیں۔ الجھن سے گھبراتے
ہیں کیوں کہ تفسیح اوقات خیال فرماتے ہیں۔

دلیل | رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ناحق پر ہو
اور بحث مباحثہ چھوڑ دے اور حق کو قبول کر لے۔ اس کے
لئے جنت کے کنارے پر ایک محل بنایا جائے گا اور جو شخص حق پر ہو
اور پھر بھی بحث و مباحثہ چھوڑ دے کہ فریقِ مخالف مانتا تو ہے نہیں جھگڑنے
میں فضول وقت برباد ہوتا ہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ شاید اپنے اندر کوئی

نفسانیت پیدا ہو جاوے۔ اس کے لئے وسط جنت میں محل بنایا جائے گا جو کہ جنت کے کنارے والے سے اچھا ہوگا۔ اور جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اس کے لئے اعلیٰ جنت میں بنایا جائے گا۔ (ابن ماجہ شریف)

زنگین لباس پہننا

بعض بزرگوں کی عادت ہے کہ سر سے پاؤں تک زنگین کپڑے پہنتے ہیں اگر یہ ریاء نہ ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ زنگین کپڑے میلے کم ہوتے ہیں اور بار بار دھونا دھلوانا نہیں ہوتا اور صوفیاء کو مشغولی غیر مطلوب کی طرف ہونے سے بچنے کا خاص اہتمام ہوتا ہے کہ ان کا اصل شغل، شغل بحق ہے اس لئے زنگین کپڑے استعمال کرتے تھے اور یہ فعل ان کا مستند الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

دلیل | ترمذی، ابوداؤد، نسائی میں روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یہ حدیث شریف زنگین لباس پہننے کی دلیل ہے گو داعی بیباں دوسرا ہو مگر مصلحت پر مبنی ہونا تو امر مشترک ہے اور قیاس کیلئے اسی قدر

کافی ہے۔

بعض درویش اکثر حالات میں کبیل وغیرہ اوڑھے رہتے
صوف پہننا ہیں۔

بیماری و مسلم و ترمذی، ابو داؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی
دلیل اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک کبیل بہت دبیر اور ایک لنگی موٹے
 کپڑے کی نکال کر دکھلائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 نے ان ہی دو کپڑوں میں وفات پائی۔

کیا عجب ہے کہ صوفی کا لقب اسی سے ہوا ہو۔ گو اس
انتباہ لقب ہونے میں دوسرے اقوال بھی ہیں۔ اگر تصنع و
 ریاء کے طور پر نہ ہو۔ تو یہ حدیث شریف اس کی اصل ہے۔

چلہ

اکثر بزرگوں سے چلہ کشی کا اہتمام منقول ہے۔ اس پر یہ حدیث
 شریف دلیل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے
دلیل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس روز

تک اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص کے ساتھ خلوت اختیار کرے تو علم کے چشمے اس کے قلب سے جوش زن ہو کر اس کی زبان سے ظاہر ہونگے۔

ضبط اوقات و اہتمام مجلس خاص در خلوت اور دربان کا مقرر کرنا

بزرگوں کا عموماً معمول ہے کہ اپنے اوقات منضبط رکھتے ہیں جن میں کچھ وقت خلوت کا بھی ہوتا ہے اور کبھی کسی خادم کو بھی بٹھا دیتے ہیں کہ لوگوں کا ہجوم نہ ہو اور کبھی اسی وقت خاص میں خواص کو کسی خصوصیت سے اجازت دے دیتے ہیں۔

اہل باطل، مخالفین، حاسدین ان معمولات پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اور بزرگوں پر شبہ ترفع یا تریح وغیرہ کا کرتے ہیں۔ ایسے تمام شبہات ناواقفی سے ہوتے ہیں۔ حدیث شریف ان معمولات کی دلیل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس آنے کی تمہارے لئے یہی اجازت ہے کہ تم پردہ اٹھا دیا کرو اور میری مخفی بات سن لیا کرو جب تک میں منع نہ کروں (ابن ماجہ)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے دولت خانہ پر تشریف لاتے تو اپنے اوقات کے تین حصے فرماتے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے نوافل وغیرہ کی مشغولی میں صرف فرماتے

اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے بولنے چاہئے، بات چیت وغیرہ میں صرف فرماتے۔ ایک حصہ آرام کے لئے۔ اپنے اس حصے میں سے ضروری کاموں اور لوگوں کے لئے نفع پہنچانے میں تقسیم فرمادیتے یعنی کچھ وقت اپنے لئے صرف کرتے اور کچھ لوگوں کے کام میں سو اس حصہ کو جو کہ لوگوں کے لئے نکالنے تھے۔ خواص کے ذریعہ سے عام لوگوں پر صرف فرماتے تھے اور لوگوں سے کوئی چیز کسی کام کی اٹھا نہ رکھتے تھے اور آپ کی عادت شریفیہ امت کے حصہ وقت میں جو باہر صرف ہوتا تھا یہ تھی کہ اہل فضیلت کو ترجیح دیتے تھے (شامل ترمذی) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

دلیل کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں تھا ایک شخص آیا اور دروازہ کھلوا یا آپ نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اس شخص کو جنت کی بشارت دیدو۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی خوشخبری دیدی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اسی طرح حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تشریف لانا بھی حدیث شریف میں مذکور ہے۔ بخاری و مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔ ان احادیث شریفیہ میں ان سب باتوں کا صاف صاف فیصلہ ہے۔ حدیث اول میں خادم کے لئے اجازت ہونے اور عام لوگوں کو اجازت نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ حدیث ثانی میں ضبط اوقات

واہتمامِ خلوت اور صرف خواص کو آنے کی اجازت، ان کو آنے دینا بیان فرمایا حدیثِ ثالث میں دربان کا بھٹلانا صاف مذکور ہے۔
 رالبتہ کسی وقتی ضرورتِ شدیدہ کے وقت فقط ملاقات سے عذر کرنا
 برائے ہے۔

حدیثِ شریف کے علاوہ قرآن مجید کی آیات بھی دلیل ہیں۔
 وَإِذَا قِيلَ لَكَ جِئُوا فَاذْجِبْهُمْ أَوْ يَأْمُرُوكَ فَلَا كَافَّةَ لَكَ فَإِن جِئْتَهُمْ فَصَلِّ وَأَوْرَثِكُم مَّا رَزَقْنَاهُمْ مِن قَبْلُ وَإِن كُنْتُم مِّن شَاكِرِينَ
 واپس ہو جاؤ تو واپس ہو جایا کرو و معلوم ہوا کہ کسی وقت ملاقات سے
 عذر کر دینا جائز ہے۔ اسی طرح حدیثِ شریف انزلوا للناس
 مَنَازِلَهُمْ خَوَاصِّ كِتَابِ رَبِّكَ كَمَا رَزَقْنَاهُمْ مِّن قَبْلُ وَكَانُوا لَهَا
 كَاذِبِينَ
 گویا ایسے سب شبہات ختم ہو گئے۔

شیطان سے عدم امن۔ دوامِ بیداری۔ نگرانی و ہوشیاری

سالک مراتبِ سلوک میں، ولی مقاماتِ ولایت میں کتنا ہی بڑا
 کامل کیوں نہ ہو جاوے مگر اس کو شیطان سے بے فکر نہ ہونا چاہیے بلکہ
 ہمیشہ ہوشیار و بیدار رہے کہ کسی موقع پر اس کو لغزش میں نہ ڈالے۔
 حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
 حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے کھڑے
 ہوئے آپ نے فرمایا کہ دشمنِ خدا ہے تعالیٰ یعنی ابلیس آگ کا ایک شعلہ
 لایا تاکہ اس کو میرے منہ میں لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔

دلیل

دیکھئے اس خبیثت کی جرات کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی تک پہنچنے کا اس کو کیسے حوصلہ ہوا۔ لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام سے وہ گناہ نہیں کرا سکتا۔ اس لئے اصرارِ جسمانی ہی کی ہوس ہوتی۔

فکرِ اصلاحِ خود

ناقصین تو ناقصین، کاملین کو بھی فارغ و بے فکر ہو کر نہ بلٹھنا چاہیے مثل مبتدی کے اہتمامِ اصلاحِ اعمال اور اندیشہٴ تغیرِ احوال میں لگا رہنا چاہیے اسی میں خیر ہے۔ فرمانِ الہی ہے۔

وَلَيْلٌ خَدَّيْكَ تَعَالَى كَيْ يَكْرَهُ سِوَايَ ان كَيْ شَامِتْ هِي اَكْمَى

ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔

تقویٰ سے کبھی غفلت نہ ہو

شریعتِ مقدسہ نے اس کا خاص اہتمام فرمایا ہے اور اس پر بہت زور دیا ہے۔ چنانچہ سب سے آخری آیت قرآن پاک میں جو نازل ہوئی وہ تقویٰ ہی کے بارے میں ہے ارشادِ باری تعالیٰ

وَالْقَوَائِمَ مَا تَرْجِعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ تَمَّتْ فِي كُلِّ نَفْسٍ
مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔

فرماتے ہیں کہ اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ تعالیٰ کی پیشی
اور حضور میں لائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا پورا پورا دے
دیا جائے گا اور ان لوگوں پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جاوے گا۔ یہی تقویٰ
کمالِ ایمان ہے۔ اسی کو کہانے سے

غافل مرو کہ مرکب مردانِ راہ را در سنگلاخ بادیه پیا پیدہ اند
نومیدیم مباحث کہ زندانِ بادہ نوش ناگاہ بیک خروش منزل رسیدہ اند

فرما رہے ہیں کہ غافل ہو کر مت چل کہ بڑے بڑے شہسواروں
کے گھوڑے کے پاؤں سنگلاخ وادیوں میں قلم کر دیئے گئے اور نا امید بھی نہ
ہو جاؤ کہ زند بادہ نوش، شرابی لوگ ایک ہی مالہ آہ توبہ میں منزل پر
پہنچ گئے۔ کامیاب ہو گئے واصلِ مقصود ہو گئے۔

آیات و احادیث اور کلام اہل اللہ میں تکبر، ناز کو پوری
اِتِّبَاهِ | طرح توڑ دیا ہے کہ اپنی ہمت اور عبادت پر ناز نہ کرو
بڑے بڑے عابدین اس ناز کے باعث رائدہ درگاہ ہو گئے ہیں سب
سے پہلی مثال شیطان ابلیس ہی کی ہے۔ اور اسی طرح بالکل ناامیدی
بھی ختم کر دی گئی کہ بعض دفعہ بیدگنہ گار بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت
سے ایک آہ میں منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔ کیا نہیں معلوم کہ فضیل
بن عیاض جو کہ شیخ تھے حضرت ابراہیم بن ادہم کے۔ پہلے ڈاکوؤں

کے سردار تھے پھر آہِ توبہ و ندامت سے کیا ہو گئے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہوئے اور مجلس فقہ کے میں افراد میں سے یہ بھی ایک فرد ہوئے۔ بڑے اولیاء کرام میں سے ہوئے۔

بِشْرَحَانِي پہلے نہایت درجہ شرابی تھے کہ اکثر شراب خانہ میں رہتے تھے لیکن جب دل پر ندامت کی چوٹ پڑی تو بس آہِ سرد سے اس درجہ کے ہو گئے کہ چہرہ نر اور پرند کو حکم الہی ہوا کہ جہاں بشر کے قدم پڑیں وہاں تمہاری بیٹ، لید، گوبر نہ پڑے، اللہ اللہ اسی طرح جب عجبی بڑے سود خوار تھے کہ آج کی دنیا میں ایسا سود خوار شاید ہی کوئی ہو۔ لیکن جب دل پر خوفِ حق کی چوٹ پڑی اور توبہ ندامت کے ساتھ حسن بھری کے ہاتھ پر توبہ کر کے کس مرتبہ کو پہنچ گئے۔ اللہ اکبر! ایسے بہت سے واقعات ہیں تو ناز کیا اور ناامیدی کہاں۔ کمی ہے تو اپنی، غفلت ہے تو اپنی اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر

تجھ سے کیا ضد کھتی اگر تو کسی قابل ہوتا

اولیاء کرام کے اقسام اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے متعلق خدمت ارشاد

و ہدایت، اصلاحِ قلوب و تربیتِ نفوس اور تعلیمِ طرقِ قرب و قبول عند اللہ ہوتی ہے۔ یہ حضرات اہل ارشاد کہلاتے ہیں ان میں سے اپنے عصر و زمانہ میں جو اکمل و افضل ہو اور اس کا فیض اتم و اعظم ہو

اس کو قطب الارشاد کہتے ہیں اور یہ سب حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے حقیقی نائب ہوتے ہیں لوگوں کے قلوب میں انوار و برکات ان کی وجہ سے آتے ہیں۔ البتہ ان کے برکات سے متمتع ہونے کی شرط اعتقاد ہے ان کا طرز، طرز نبوت ہوتا ہے۔

دوسرے وہ جن کے متعلق خدمت و اصلاح معاش اور امور دنیویہ کا انتظام اور بلیات کا دفع ہوتا ہے کہ وہ اپنی بہت باطنی سے باذن الہی ان امور کی درستی کرتے ہیں یہ حضرات اہل تکوین کہلاتے ہیں اور ان سب کی حالت مثل حضراتِ ملائکہ علیہم السلام کے ہوتی ہے جن کو مدبریت امر کہا گیا ہے حضرت خضر علیہ السلام اسی شان کے معلوم ہوتے ہیں۔

انتباہ حضراتِ اہل تکوین کے مقام و منصب کے لئے تصرفات عجیبہ کا ہونا لازم ہے جیسے حضرت خضر علیہ السلام کے تصرفات عجیبہ قرآن پاک میں مذکور ہیں بعینت حضرت موسیٰ علیہ السلام جس کی تفصیل آگے آرہی ہے بخلاف اہل ارشاد کے کہ ان کا خود صاحبِ خوارق صاحبِ کرامت ہونا بھی ضروری نہیں البتہ ان حضراتِ اہل ارشاد کی کرامات اور نوع کی ہوتی ہیں جن کا ادراک عوام الناس کو نہیں ہوتا بلکہ جو شخص اکثر اوقات ان کی خدمت و صحبت سے باخلاص و صدق مستفید ہوتا ہے اس کو معلوم ہوتے ہیں اور وہ امور ذوقی و جدانی ہیں۔

انتباہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نفع طریقت اہل ارشاد سے

ہوتا ہے تو پھر اہل تکوین کے کمالات و حالات بیان کرنے سے کیا فائدہ؟
 اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو فائدے ہیں۔ ایک علمی دوسرا
 عملی۔ علمی تو یہ کہ ایک کام کی بات معلوم ہو جاوے تاکہ علم ناقص نہ رہے
 عملی یہ کہ اکثر ایسے لوگ ظاہر صورت سے نختہ حال، شکستہ بال، ذلیل خوار
 ہوتے ہیں تو جب یہ معلوم ہو گا کہ ایسے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں تو
 اب وہ کسی کی تحقیر و توہین تو نہ کرے گا۔ خوب سمجھ لو۔

انتباہ قطب التکوین کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنے قطب ہونے
 کا علم ہو کیوں کہ وہ ایک عہدہ ہے جیسا کہ حسن میمندی جو سلطان
 محمود کا وزیر تھا اس کو تو اپنے وزیر ہونے کا علم تھا لیکن ایاز کو اپنے
 محبوب ہونے کا علم نہیں تھا، کیوں کہ محبوبیت کوئی عہدہ نہیں، قرب کی
 ایک قسم ہے۔ پس قطب الارشاد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اپنے قطب
 ہونے کو جان بھی لے۔

انتباہ ایک وقت میں قطب متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ
 ابن عربی نے لکھا ہے۔

انتباہ یہ اصحاب تکوین اکثر شریعت کے غیر مکلف ہوتے ہیں۔
 صیح الحواس تو ہوتے ہیں لیکن فاثر العقل ہوتے ہیں جیسے
 حیوانات اور جیسے بچے کہ ان کے حواس درست ہوتے ہیں مگر ناقص العقل
 فاثر العقل ہوتے ہیں اور مکلف ہونا شریعت کا، یہ عقل پر ہوتا ہے۔
 اور وہ ہے نہیں۔ محبوں اور مجذوب میں یہی فرق ہوتا ہے کہ محبوں کی عقل

اخلاطِ فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہو جاتی ہے اور مجذوب وہ ہے جس
 حقی عقل کسی وارد غیبی کے سبب زائل ہو جاوے لیکن دونوں میں فرق
 کرنا اور پہچاننا مشکل ہے پس سیدھی بات یہ ہے کہ مجذوب کے پاس
 بیٹھنے سے قلب کو آخرت کی طرف کشش ہو اور علامت یہ ہے کہ
 اس زمانہ کے اہل بصیرت محققین، جامع شریعت و طریقت اس شخص پر
 نگیر نہ کرتے ہوں۔ بلکہ اس کا ادب کرتے ہوں پس تم بھی اس کا ادب
 کرو اور اپنی زبان کو خلاف ادب سے روکو۔

انتباہ مجذوب سے نہ دنیا کا فائدہ ہے نہ دین کا۔ دین کا تو اس
 لیے فائدہ نہیں کہ وہ تعلیم و تذکیر و نصیحت پر موقوف ہے اور
 تعلیم و نصیحت ان سے حاصل نہیں ہوتی اور دنیا کا اس لئے فائدہ نہیں
 کہ وہ فائدہ دُعا سے ہوتا ہے اور مجذوب دعا کرتے نہیں کیوں کہ وہ
 لوگ صاحب کشف ہوتے ہیں ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں معاملہ
 میں اس طرح ہوگا تو اس کے موافق دُعا کرنا فضول ہے اور اس کے
 خلاف دعا کرنا تقدیر کا مقابلہ ہے۔ اس لئے وہ لوگ دعا نہیں کرتے
 البتہ کشف کے طور پر کبھی بطور پیشینگوئی کچھ کہہ دیتے ہیں کہ یوں ہوگا
 سو اگر وہ نہ بھی کہتے تب بھی اسی طرح ہوتا تو ان کے کہنے کے موافق
 ہو جانا۔ ان کے کہنے کے سبب سے نہیں ہوا۔ غرض مجذوب سے
 کسی طرح کا نفع نہیں ہوتا۔ بلکہ مجذوبوں کی فکر میں پڑنے سے ضرر ہوتا
 ہے وہ یہ کہ ایسے لوگ مجذوبوں کے پیچھے پڑنے والے شریعت

کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں۔ شریعت کی وقعت و عظمت ایسے لوگوں کے دلوں سے جاتی رہتی ہے۔ کیوں کہ وہ دیکھتے ہیں کہ مجذوب شریعت کی پیروی تو کرتے نہیں اور جو وہ کہتے ہیں وہی ہو جاتا ہے۔ پس شریعت پر عمل کرنا ضروری نہیں جانتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ مجذوب فاطر العقل ہونے کے سبب شریعت کے مکلف نہیں وہ تو معذور ہیں تو دیکھنے والوں میں تو عقل و سمجھ سب کچھ موجود ہے اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔ تو ایسے لوگ اپنا دین برباد کرتے ہیں تو یہ اتنا بڑا نقصان مجذوب کے پیچھے پڑنے سے ہوا اس لئے ان کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے البتہ ان کو برا بھلا بھی کہنا جائز نہیں۔

انتباہ مجذوبوں کی نگاہ و نظر کبھی تو چھوٹی چھوٹی معمولی معمولی باتوں پر ہو جاتی ہے اور نہ ہو تو بڑی سے بڑی بات پر بھی نہیں ہوتی۔ جذب کی وجہ سے ان حضرات پر استغراقی کیفیت غالب رہتی ہے اسی لئے ان کا فعل حجت نہیں مجذوبوں کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف معذور ہوتے ہیں گو وہ مقبول ہیں مگر کامل نہیں۔ کیوں کہ کمال اور ترقی اعمال سے ہے اور وہ اعمال سے محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسب اعمال سے ہے ارواح کو عالم ارواح سے عالم اجسام میں بھیجیے گی۔ عالم ارواح میں ارواح حامل احوال تھیں مگر حامل اعمال نہ تھیں چنانچہ ارواح میں یہ حال محبت ہی تھا۔ اس درجہ محبت ہی کی وجہ سے حمل امانت پر آمادہ ہو گئیں۔ اس حمل امانت کا منشا

صرف محبت اور عشق الہی ہی تھا۔ پس سالک متورع کا مقام مجذوب سے کہیں اعلیٰ ہے۔ چونکہ سالک عامل اعمال ظاہرہ و باطنہ ہے۔ اگر مجذوب کے حواس کئی درستی میں شبہ ہو تو ان کی دی ہوئی چیز کو بھی نہ لے۔ اگر لے تو اس کا حکم لفظ کا ہے۔

پہارۃ خاوادہ

- ۱ اول زیدیاں منسوب بخواجه عبدالواحد بن زید
- ۲ دوم عیاضیاں منسوب بخواجه فضیل بن عیاض
- ۳ سوم خاوادہ اڈھمیاں منسوب بخواجه ابراہیم بن ادھم
- ۴ چہارم خاوادہ ہیریاں منسوب بہ ابوہیرۃ البھری
- ۵ پنجم خاوادہ چشتیاں منسوب بخواجه مشاد علوی دینوری
- ۶ ششم خاوادہ عجمیاں منسوب بخواجه حبیب عجمی
- ۷ ہفتم خاوادہ طیفوریاں منسوب بہ سلطان العارین بایزید بسطامی ملقب بہ طیفور

- ہشتم خانوادہ کرخیاں منسوب بمعروف کرخی^۲
- نہم خانوادہ مقطیان منسوب بہ سری سقطی^۲
- دہم خانوادہ جنیدیان منسوب بہ سید الطائفہ جنید بغدادی^۲
- یازدہم خانوادہ گازرونیان منسوب بہ اسحق گازرون^۲
- دوازدہم خانوادہ طوسیہاں منسوب بشیخ علاؤ الدین طوسی^۲
- سیردہم خانوادہ سہروردیان منسوب بشیخ نجیب الدین سہروردی^۲
- چہاردم خانوادہ فردوسیہاں منسوب بشیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی^۲
- یہ خانوادے تو اصل ہیں اور ان سے آگے اور شاخیں نکلی ہیں اور

ان کے نام یہ ہیں۔

- اول خانوادہ قادریہ غوثیہ منسوب بحفرت غوث الاعظم^۲
- دوم خانوادہ لیسویہ منسوب بخواجه احمد لیسو^۲
- سوم خانوادہ نقشبندیہ منسوب بخواجه بہاؤ الدین نقشبند^۲
- چہارم خانوادہ نوریہ منسوب بشیخ ابوالحسن نوری^۲
- پنجم خانوادہ خفروییہ منسوب باحمد خفروییہ^۲
- ششم خانوادہ شطاریہ عشقیہ منسوب بشیخ عبداللہ شطار^۲
- ہفتم خانوادہ حسینیہ بخاریہ منسوب بسید جلال مخدوم جہانیاں بخاری^۲
- ہشتم خانوادہ زاہدیہ منسوب بخواجه بدر الدین زاہد^۲
- نہم خانوادہ انصاریہ منسوب بحفرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری^۲
- دہم خانوادہ صفویہ منسوب بشیخ صفی الدین^۲

یازدہم۔ خانوادہ عیدروسید منسوب بسید عبداللہ الملکی العیدروسی۔
دوازدهم۔ خانوادہ مداریہ منسوب بحضرت بدیع الدین مدار۔

فصل اقسام اولیاء

(اصحاب تکوین)

اس باب میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے
کہ وہ سب بارہ گروہ ہیں۔
اقطاب، غوث، امین، اوتاد، ابدال، اختیار، ابرار، نقباء،
نجباء، عمشد، کتومان، مفردان،
قطب العالم ایک ہوتا ہے اس کو قطب العالم و قطب
اکبر و قطب الارشاد و قطب الاقطاب و قطب المدار بھی کہتے
ہیں۔

اور عالم غیب میں اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے اس کے دو
وزیر ہوتے ہیں جو امین کہلاتے ہیں۔ وزیر بھین کا نام عبدالملک
وزیر یار کا نام عبدالتراب ہوتا ہے اور بارہ قطب اور ہوتے
ہیں سات تو سات اقلیم میں رہتے ہیں ان کو قطب اقلیم کہتے ہیں

اور پانچ یمن میں ان کو قطبِ ولایت کہتے ہیں۔
یہ عدد تو اقطابِ معلینہ کا ہے اور غیر معلین ہر شہر اور ہر
قریہ میں ایک ایک قطب ہوتا ہے۔ غوث ایک ہوتا ہے بعض
نے کہا ہے کہ قطب الاقطاب ہی کو غوث کہتے ہیں وہ اور ہوتا
ہے اور وہ مکہ میں رہتا ہے۔ بعض نے اس میں بھی اختلاف
کیا ہے۔

اوتاد چار ہوتے ہیں عالم کے چار رکن میں رہتے ہیں۔
ابدال چالیس ہوتے ہیں۔ بائیس یا بارہ شام میں اور اٹھارہ یا
اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔

اخیار پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں۔ اور ان کو ایک
جگہ قرار نہیں۔ سیاح ہوتے ہیں ان کا نام حسین ہوتا ہے
اور ابرار اکثر نے ان ہی ابدال کو کہا ہے۔
نقباء تین سو ہوتے ہیں۔ ملک مغرب میں رہتے ہیں۔
سب کا نام علی ہوتا ہے۔

نجباء ستر ہوتے ہیں اور مصر میں رہتے ہیں۔ سب کا
نام حسین ہوتا ہے۔ عمد چار ہوتے ہیں۔ زمین کے چاروں
گوشوں میں رہتے ہیں۔ سب کا نام محمد ہوتا ہے اور غوث
ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے اور فرد ترقی کر کے قطب وحدت ہو
جاتا ہے اور بکتوم تو بکتوم ہی ہیں۔

رُوحِ کابریان

بعد حمد و صلوات عرض ہے کہ بعض صاحبان رُوح کے متعلق معلوم فرمایا کرتے تھے اس لئے مختصراً سہل طریق سے کچھ لکھا جاتا ہے۔
 رُوح کے متعلق مختلف اقوال ہیں گو ان سب کے لکھنے کی دراصل ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ زمانہ ضلالت و گمراہی کا غالب ہے۔ اہل باطل اپنے خیالات باطلہ لوگوں کے ذہنوں میں ڈال کر راہِ حق سے پھلاتے ہیں یا کم از کم تردد اور شک میں پڑ جانے کی نوبت آجاتی ہے اس لئے وہ سب لکھے جاتے ہیں پھر ان میں جو صحیح اور حق ہیں۔ ان کو عرض کر دیا جائے گا۔

اقوال و مذاہب

رُوح کے بارے میں پانچ اقوال یا یوں کہئے کہ پانچ مذاہب ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ایک قول حکماء متقدمین کا ہے۔ دوسرا قول حکماء متاخرین کا ہے۔ تیسرا قول صوفیاء مکاشفین کا ہے اور چوتھا قول علماء متکلمین کا ہے۔ پانچواں قول اطباء کا ہے۔

تفصیل اقوال و مذاہب

اول قول حکماء متقدمین کا یہ ہے کہ رُوح جو ہر مجرّد قدیم ہے دوسرا قول حکماء متاخرین کا ہے کہ رُوح جو ہر مجرّد حادث بعد البدن ہے، بدن کی تیاری کے بعد رُوح پیدا کی جاتی ہے اور بدن میں رُوح ڈالی جاتی تاکم کی جاتی ہے۔

تیسرا قول صوفیاء مکاشفین کا ہے کہ رُوح جو ہر مجرّد حادث قبل البدن ہے۔ یعنی بدن پیدا ہونے سے قبل رُوح کا وجود و حدوث ہے۔

چوتھا قول علماء متکلمین کا ہے کہ رُوح جسم غیر عنفوی ہے۔ پانچواں قول اطباء کا ہے کہ رُوح جسم عنفوی (مادی) ہے۔ یہ پانچواں اقوال کیے یا پانچ مذاہب کیے بہر حال ان کا یہ تفسیری و تفصیلی بیان ہے۔

جو لوگ رُوح کو جو ہر مجرّد کہتے ہیں ان کے نزدیک رُوح مدبّر بدن ہے۔ اس کے قائلین حکماء و صوفیاء ہیں اور جو لوگ رُوح کو جو ہر مجرّد نہیں کہتے بلکہ جسم غیر عنفوی غیر مادی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ ایک جسم

لطیف ہے۔ جیسا کہ اکثر اہل کلام اور علماء ظاہر کا خیال ہے کہ کہتے ہیں کہ رُوح جسم لطیف ہے جو تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے۔ تمام بدن میں جاری و ساری ہے اور اسی سے جسم انسانی کی حیات ہے اور جو لوگ رُوح کو جسم عنصری و جسم مادی کہتے ہیں اور یہ اطبائے کا خیال ہے کہتے ہیں رُوح ایک بخار ہے جو غذا سے پیدا ہوتا ہے اور محل کے اختلاف سے مختلف افعال کا وہ مصدر ہوتا ہے یعنی اس سے مختلف افعال صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً قلب میں اس کے متعلق البقاء حیات ہے اس اعتبار سے اس کو رُوح حیوانی کہتے ہیں، کبد میں اس کے متعلق ہضم ہے اس اعتبار سے اس کو رُوح طبعی کہتے ہیں، دماغ میں اس کے متعلق احساس و ادراک ہے اس اعتبار سے اس کو رُوح نفسانی کہتے ہیں اور حکماء اس کو اپنی اصطلاح میں نفس ناطقہ کہتے ہیں ان پانچ مذاہب میں سے پہلا اور دوسرا مذہب باطل ہے۔ یعنی حکماء متقدمین کا رُوح کو قدیم ماننا بھی باطل ہے اور حکماء متاخرین کا رُوح کو حادث بعد البدن کہنا بھی باطل ہے رُوح کو قدیم ماننا اس لئے باطل ہے کہ اگر رُوح کو قدیم مانا جاوے تو جس مسئلہ عقلیہ کا یا نقلیہ کا علم رُوح کو تعلق بالبدن کے بعد ہوا ہے اس کے متعلق سوال ہوگا کہ قبل تعلق بدن رُوح کو اس مسئلہ کا علم قدیم تھا یا اس مسئلہ سے پہلے قدیم تھا یا دونوں حادث تھے کہ علم سے پہلے جبہل تھا یا جبہل سے پہلے علم تھا۔ تو اگر علم قدیم تھا تو اس پر زوال کا طاری ہونا اور عدم طاری ہونا

محال ہے پھر روح کا بدن سے تعلق ہونے کے بعد وہ علم کس طرح زائل ہو
 گیا جس سے روح کو جدید علم حاصل کرنے کی حاجت ہوئی؛ اور اگر جہل قدیم
 تھا تو ظاہر ہے کہ قدیم پر زوال طاری ہونا محال ہوتا ہے پھر اس جدید علم کے
 حصول پر وہ جہل کس طرح منعدم ہو گیا اور اگر علم و جہل دونوں حادث تھے
 تو ظاہر ہے کہ علم اور جہل کا مجموعہ بھی حادث ہو گا اور جو حادث ہوتا ہے وہ
 سابق میں معدوم ہوتا ہے تو اس طرح روح اس مسئلہ سے متعلق جو بعد
 کو حاصل ہوا ہے علم اور جہل دونوں سے خالی تھی اور ایسا ہونا محال ہے کیونکہ
 علم اور جہل دو متضاد اور متناقض چیزیں ہیں۔ تو ان دونوں سے خالی ہونا
 ارتفاع ضدین ارتفاع نقیضین ہو گا جو کہ محالات میں سے ہے اور یہ محال
 روح کو قدیم ماننے سے لازم آیا اور جو بات کسی محال کو مستلزم ہوتی ہے
 وہ بھی محال ہوتی ہے پس ثابت ہو گیا کہ روح کا قدیم ہونا محال اور باطل
 ہے تو مذہب اول جو حکماء متقدمین کا ہے کہ روح قدیم ہے یہ باطل ہو گیا
 ② اب رہا مذہب حکماء متاخرین کا جو روح کے بارے میں دوسرا
 مذہب ہے کہ روح حادث ہے لیکن حادث بعد البدن ہے یعنی جہم۔
 پہلے پیدا ہوا اور روح بعد کو پیدا ہوئی یہ مذہب بھی صحیح نہیں۔ پہلے
 مذہب کی طرح یہ بھی باطل ہے کیوں کہ صحیح بخاری کی حدیث شریف میں
 وارو ہے۔ اَلرَّوْحُ جُنُودٌ عَجْنَدَةٌ اس سے معلوم ہوا کہ ابدان سے قبل
 تمام ارواح مجتمع تھیں تو ثابت ہو گیا کہ ابدان سے تعلق کے قبل ارواح
 موجود ہو چکی تھیں۔ لہذا حادث بعد البدن ہونا باطل ہو گیا۔

تو مذہبِ اول اور مذہبِ دوم باطل ٹھہرے۔ اب رہے تین
 مذہب، تیسرا، چوتھا، پانچواں۔ یہ مذاہب صحیح اور حق ہیں۔ لہذا ان
 کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔ تیسرے مذہب کی دلیل کشف ہے
 اور کشف کسی دلیل شرعی کا مخالف نہ ہو تو محتمل صحت ہوتا ہے اور
 یہاں صوفیاء کا یہ کشف کہ ارواح ابدان سے قبل ہی موجود ہیں مخالف
 شرع نہیں ہے۔ اس لئے یہ محتمل صحت ہے۔ اس کے بطلان کا حکم
 نہیں کیا جاسکتا۔ خاص کر جب کہ موید بالشرع بھی ہو پھر تو صحت ہی کا
 حکم متعین ہے چنانچہ یہاں حدوث ارواح قبل الابدان کے مسئلہ میں
 حدیث بخاری الارواح جنود مجنونة اس کشف کی موید ہے اس لئے
 یہ حکم لگانا صحیح ہے کہ روح بدن کی تخلیق و تکوین سے پہلے ہی سے ہوتی ہے
 چوتھے مذہب یعنی روح کا جسم غیر عنقریب ہونے پر دلیل نصوص
 شرعیہ آیات قرآنیہ ہیں۔ چنانچہ سورہ سجدہ میں ہے ثُمَّ نَسُوهُ وَلَقَدْ نَفَخْنَا
مِنْ رُوحِهِ اس سے معلوم ہوا کہ روح جسم میں منفوخ یعنی پھونکی گئی ہے
 اور منفوخ کا جسم ہونا ضروری ہے اور وہ جسم مسٹوی کا غیر ہے اور مسٹوی
 جسم عنقریب ہے پس روح جسم عنقریب کا غیر ہوا تو روح کا جسم غیر عنقریب
 ہونا ثابت ہو گیا۔ اس کے علاوہ دوسری مخلوقات کے متعلق خالق برتر
 نے فرمایا کہ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ اور انسان کے بارے میں
 ارشاد ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِّن سُلٰلَةٍ مِّن طِينٍ اور جنات کے
 کے بارے میں ارشاد فرمایا خَلَقَ الْجَانَّ مِّن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ اور ملائکہ کے

متعلق حدیث مسلم شریف میں ہے مَخْلُوقٌ مِّنَ النَّوْرِ۔ تو ان لفظوں و
 ارشادات میں باوجود سوال نہ کئے جانے کے خود خدا نے مخلوق
 کا مادہ بیان فرمادیا لیکن روح کے بارے میں باوجود سوال کئے جانے
 کے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ارشاد فرمایا کوئی مادہ بیان نہیں فرمایا
 معلوم ہوا کہ اگر روح کسی عنصر سے نکون ہوتی یعنی کسی مادہ و عنصر سے
 پیدا کی ہوئی ہوتی تو جواب میں کسی عنصر کا ذکر فرمادیا جاتا مثلاً مِنَ السَّمَاءِ
 یا اس کے مثل اور کچھ فرمادیتے اور جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ روح
 کسی عنصر سے نکون نہیں ہے اور جسم ہونا پہلے ثابت ہو چکا تو پس روح
 کا قوام کسی لطیف مادہ سے ہے جسے نور یا اس سے بھی زیادہ لطیف
 وَاللَّطَفُ ہے۔ بہر حال روح کا جسم غیر عنصری ہونا ثابت ہو گیا۔

اگر کوئی معقولی فلسفی یوں کہے کہ جو تم نے بیان کیا ہے یہ امور خواص
 اجسام سے نہیں بلکہ خواص مادہ سے ہیں اور مادی ہونے کو جسم ہونا
 لازم نہیں چونکہ ممکن ہے جو ہر فرد ہو سو یہ سوال قِلَّتِ نَظَرٍ سے پیدا ہوا ہے
 دیکھئے روح کافر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
 تَفَرَّقَ مِنْ جَسَدِهِ تَفَرَّقَ۔ فرمایا اور تَفَرَّقَ انْقِسَامٌ کو مقتضی ہے
 اور جو مقتضی انقسام ہو وہ جو ہر فرد نہیں ہو سکتا لہذا روح جو ہر فرد
 نہیں ہو سکتی اسی روح کا نام حدیثوں میں نفس اور شمع بھی آیا ہے اور
 کتاب و سنت میں زیادہ بحث اسی روح سے کی گئی ہے اسی کے متعلق
 کیا گیا ہے۔ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ

مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا باوجود سوال کیے جانے کے جواب میں حقیقت بیان نہیں فرمائی۔ تو یہ نفی علم باللذہ کی ہے کہ تم تھوڑا علم دیتے گئے ہو۔ رُوح کی حقیقت سمجھنے کے لئے وہ کافی نہیں ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے احکام کا بھی علم نہیں دیا گیا چونکہ احکام رُوح کے علم کے لئے حقیقتِ رُوح جاننا ضروری نہیں علم بالوجہ بھی کافی ہے تو نفی علم باللذہ کی ہے اور اثبات علم بالوجہ کا ہے اور اس میں کوئی منافات نہیں تو جواب مِّنَ أَمْرِ رَبِّيٰ فرمانا اسی بنا پر ہے کہ اس جسم کی حقیقت واضح اور مبسُت نہیں چونکہ یہ نور سے بھی اَلطَّف ہے۔

پانچویں مذہب قولِ اطباء کہ رُوح جسمِ عنقریب ہے اُس کی دلیل مشابہہ ہے جو کہ شرعاً حجت ہے اور اگر یہ مشابہہ کسی دلیل شرعی کے ظاہرِ مُعارض ہو تو دلیل شرعی میں تاویل واجب ہوتی ہے لیکن یہاں ایسا ہے ہی نہیں البتہ ان تینوں مذاہب کو حق ماننے پر اشکال ہوتا ہے کہ ان میں آپس میں تنافی و تناقض ہے کیونکہ تجریدِ جسمیت کے منافی ہے تو مذہبِ اول مذہبِ ثانی کے منافی ہوا اور عنقریبِ غیر عنقریب کے منافی ہے لہذا مذہبِ ثانی اور ثالث میں بھی تنافی ثابت ہوگی۔ اور اول و ثالث میں تنافی کی وجہ وہی ہے جو اول و ثانی میں مذکور ہوئی یعنی تجریدِ جسمیت تو تینوں مذاہب آپس میں متنافی اور متناقض ہوئے پھر تینوں حق کس طرح ہو سکتے ہیں کیوں کہ اجتماعِ نقیضین محال ہے۔

لیکن درحقیقت کوئی تنافی اور تناقض نہیں ہے کیوں کہ یہاں یہ

کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے ساتھ تین چیزیں متعلق ہیں اور ایک ایک دلیل
 نے ایک ایک امر کا اثبات کیا ہے۔ اور اپنی اپنی اصطلاح میں اس کا
 نام رُوح رکھا ہے اور کسی نے باہم دوسرے سے کوئی تعارض نہیں کیا نہ
 اثباتاً نہ نفیاً۔ پس کوئی اشکال شبہ و غلبان کی بات نہیں رہی کلام محققین سے
 اسی طرح ثابت ہوتا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ بدنِ انسانی کے ساتھ
 تینوں متعلق ہیں اس طرح کہ رُوح جو کہ جوہر مجرود ہے اس کا تعلق بدنِ
 انسانی سے بواسطہ رُوحِ معنیٰ جسم غیر عنصری ہے اور رُوحِ معنیٰ جسم عنصری
 کا تعلق بواسطہ رُوحِ طبی یعنی جسم عنصری کے ہے یعنی اول کا تعلق بدن
 میں بواسطہ ثانی کے ہے اور ثانی کا فعل بواسطہ ثالث کے ہے موت کے
 وقت جب ثالث کا تعلق منقطع ہوتا ہے اور وہ بدن سے نکل جاتی ہے
 تو ثانی بھی نکل جاتی ہے اور اس ثانی کے نکلنے سے اول کا فعل اور تصرف
 بھی جدا اور منقطع ہو جاتا ہے اور بدن سے خروج کے بعد ثالث عناصر
 میں مل جاتی ہے چونکہ وہ اصل میں جزو عناصر ہے اور یہ قاعدہ کے کُلُّ
 شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے اور
 ثانی عالم برزخ میں باقی رہتی ہے جیسا کہ قبل تعلق بالبدن بھی وہاں
 ہی تھی اور اول چونکہ مجرود ہے اس لئے وہ کسی مکان میں نہیں ہوتی۔
 چونکہ مکان خواص مادہ و مادیات سے ہے اور قبل تعلق بالبدن بھی
 اسی طرح وہ کسی مکان میں نہ تھی اسی لئے۔ اس کو لامکانی کہتے
 ہیں اور مجازاً یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ لامکانی ہے لامکان میں رہتی ہے

اسی معنی اور اسی اعتبار سے حضرات صوفیاء کرام نے لطائف کی بحث میں
 رُوح کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ فوق العرش ہے اس کا یہ مطلب نہیں
 کہ وہ عرش کے اوپر رہتی ہے۔ بلکہ چونکہ عرش منتهی ہے امکانہ و مکاناً
 کا جو بالدلیل ثابت ہے اور رُوح مکانات سے مجرود ہے اس لیے فوق العرش
 غیر مکانی ہونے سے کنایہ ہے اور اسی لامکان کا لقب حدیثوں سے عماء
 بھی معلوم ہوتا ہے چنانچہ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت
 کیا۔ اَیْنَ اَیْمَانِ رَبَّنَا آپ نے فرمایا فی عماء اور یہ ظاہر ہے کہ مکان ذات
 باری تعالیٰ سے منفی ہے پس عماء لامکان ہی کو فرمایا اب معنی یہ ہوئے
 کہ وہ قبل خلق الخلق بھی مکان سے منزہ تھا جیسا اب منزہ ہے۔ فَمَنْ وَاٰلٰہ
 کَمَا کَانَ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ

مکنات میں مجرود ہونا تو ہے کیوں کہ شجر و انحص صفات ذات باری تعالیٰ
 سے نہیں۔ البتہ انحص صفات باری تعالیٰ وجود بالذات اور قدیم مطلق
 ہے۔ لہذا مکنات میں ایسے مجرود کا قائل ہونا جو ممکن اور حادث یعنی
 مسبوق بالعدم واقعی ہو اس میں کچھ حرج نہیں یعنی واقع میں سابق میں
 معدوم تھا۔ پس ثابت ہوا کہ ان تینوں مذہبوں میں باہم کوئی اختلاف
 و تعارض نہیں۔ اب یہ بتلانا باقی ہے کہ ثواب و عذاب کس رُوح کو
 ہو گا قبر میں بھی اور نہ ظہرت میں یعنی؟ سو رُوح طبعی تو بعد وفات
 عناصر میں مل گئی اس پر عذاب و ثواب ہونا کہیں مذکور نہیں رُوح
 شرعی کو ننانکہ لے جاتے ہیں جیسا کہ نصوص سے اس کا بقاء (باقی رہنا)

معلوم ہے۔ اس پر ثواب و عذاب کا ذکر نصوصِ قرآن و حدیث میں آتا ہے۔

رہی رُوحِ جسمِ غیرِ عنقریبی سو وہ بھی مُشاب و مُعاقب ہے
لیکن غیرِ عنقریبی کو ثواب و عقاب حسی ہوتا ہے اور مجرّد کو ثواب
و عقاب معنوی ہوتا ہے قبر میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اب رہی یہ بات
کہ ان دونوں رُوحوں کو تالم یا تنعم یعنی دُکھ سُکھ، اَلْم و سرورِ بدن کے
تعلق کے واسطے سے ہے یا بلا واسطہ ؟

سو نصوص سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعد موت کے رُوحِ جسم
غیرِ عنقریبی کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے اور وہ بدنِ دوسرا بدن ہے
جیسا کہ احادیث میں سبز رنگ کے پرندوں کے جوف وغیرہ میں ہونا آیا
ہے۔ غالب یہی ہے اور اس کو جسمِ مثالی کہتے ہیں جو کہ خاص خاص۔
صفات و کیفیات میں اس بدنِ عنقریبی کے مُشابہ ہے۔ بعض احادیث
سے اس کا زیادہ پتہ لگتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آدم
علیہ السلام کو ان کے پیدا کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے مٹھی کھول کر
دکھائی فَادِ اِیْمَا اَدَمُ وَ ذُرِّیَّتُہُ (ترمذی شریف) اور یہ ظاہر ہے کہ
آدم علیہ السلام عالمِ جس میں موجود تھے پھر مٹھی میں کون سے آدم تھے
معلوم ہوا کہ اس بدن کے علاوہ کوئی دوسری چیز بھی ہے جس کو آدم کہا
اور یہ بظاہر بدن مع الروح ہے پس معلوم ہوا کہ بدن تو یقیناً متعدد
ہوا اور رُوح ممکن ہے ایک ہی رُوح دونوں بدن سے متعلق ہو چنانچہ

حدیث معراج میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو آپ نے متعدد جگہ دیکھا تو ظاہر ہے کہ وہ ابدان مختلف تھے اور ایک ہی رُوح سب کی مرتبی تھی۔ اس لیے دوسرے بدن کو بھی اسی نام سے موسوم کیا گیا۔
 رہا یہ کہ ایک رُوح دو بدن کے ساتھ کس طرح متعلق تھی؟ سو اس کے چند طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک بدن میں ساری اور نافذ ہو اور دوسرے میں — روحانی قوت سے مُتَّصِف ہو۔ دوسرے یہ کہ دونوں بدن میں رُوح غیر عنصری کے کچھ کچھ اجزاء ہوں اور ان دونوں میں رُوح مُجَرَّد تفرق کرتی ہو کہ کبھی ان کو جمع کر دے کبھی متفرق کر دے۔ چنانچہ بعض اولیاء کو ایسے واقعات حیاتِ دنیا میں بھی پیش آئے ہیں۔ پس جب بدن کا متعدد ہونا ثابت ہو گیا تو بدنِ مثالی کا وجود ثابت ہو گیا۔

کیا عجب ہے کہ میثاق کے وقت یہی ابدان ہوں اور بعد موت سوال کے وقت رُوح بدنِ مثالی کے اندر ہو کر زمین کی طرف بھیجی جاتی ہو اور اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ کو ایک گونہ متعلق کر کے سوال اسی رُوح و بدنِ مثالی سے ہو پھر سوال کے بعد اسی رُوح کا آسمان کی طرف لے جانا یا جانا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سب ارواح ملتی ہیں اور برزخِ مؤمنین کا یہی مکان ہے جو کہ آسمان پر ہے جس کو علیین کہتے ہیں جیسا کہ برزخِ کفار کا ارضِ سفلی ہے۔ جس کو سجدین کہتے ہیں۔ رہا یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ سوالِ ملکین کے

صحیح جواب دینے پر کہا جاتا ہے۔ نَمُكِنُوْمَةُ الْعُرُوْثِ مِنْ جَسَدِ رُوْحِ كَابِطٍ بِقَبْرِ مَيِّتٍ هُوَ مَعْلُوْمٌ هُوَ تَابِعٌ لَهَا۔ سو غور کرنے سے اس کہنے میں نوم کا قبر میں ہونا لازم نہیں ہوتا جو علیین کی طرف جانے کے معارض ہو۔ گو مَن وَجْهٌ قَبْرِ مَيِّتٍ يَحْتَلِقُ رِجْلَهَا هُوَ۔ چونکہ نوم سے مراد راحت ہے اور یہ نہ منافی لقاء ہے نہ منافی کلام ہے۔ رہی ثبوت برزخ کی دلیل تو وہ اس آیت کریمہ میں ہے۔

الْبَارِئُ يُخْرِضُنَّ عَلِيْهَا غَدًا وَاَوْعَشِيَّاجٍ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ تَفْ ادْخُلُوْا اِلَّا فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (پا سوره المؤمن)

آیت کے جزو اول صبح و شام آگ کا پیش کیا جانا عالم برزخ ہی میں ہے کیوں کہ قیامت کے دن کا اشد عذاب اسی آیت کے دوسرے جزو میں مذکور ہے۔

یہاں تک رُوح کے متعلق موت اور ما بعد الموت عالم برزخ سے متعلق کلام ختم ہو گیا۔ اب رہا معاملہ آخرت کا سو لفظوں قرآن پاک و حدیث رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تصریح ہے کہ یہی بدنِ عُنْصُرِی زنده کیا جاوے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ كَمَا يَدَّبُّ النَّارُ اَوَّلَ خَلْقِ نَعِيْدُهُ اور اسی طرح حدیث شریف میں ہے اور اس بدن کے ساتھ رُوح یعنی جسمِ غیرِ عُنْصُرِی تو ضرور ہی متعلق ہوگی اور رُوحِ عُنْصُرِی، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی متعلق ہوگی کیوں کہ یہ بھی اجزائے بدن سے ہے۔

رہا یہ اشکال کہ اس بدن کو کسی نے کھالیا اور وہ اس کا جزو بدن ہو گیا تو پھر یہ کیسے اعادہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اجزاء کا جزو بدن ہونا ضروری نہیں کچھ اجزاء اس کھانے والے کے دستبردار سے ضرور محفوظ ہیں وہ سب اعادہ کئے جائیں گے۔

اب رہی رُوحِ مُجَرَّدِ اس کا تعلق قبر اور آخرت دونوں میں مثل تعلقِ دنیوی کے ہوگا دلیل وہی کہما بَدءِ نَا اَوَّلَ خَلْقٍ نَعِيْدُكَ کیوں کہ یہاں تشبیہ ہے اور تشبیہ کا تام ہونا اسی کو چاہتا ہے کہ رُوح کا تعلق قبر یعنی برزخ اور آخرت دونوں سے ہو پھر جنت اور دوزخ میں بھی یہی بدن جائے گا اور اسی کے واسطے سے رُوح کو الم، دکھ اور لذت و راحت ہوگی جیسا کہ جہان کیا گیا کہ رُوحِ مُجَرَّدِ کو ثواب و عقاب عقلی و معنوی ہوگا اور رُوحِ مَادِّی کو ثواب و عذاب حسی ہوگا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

خُلاصَہ

تمام تقریر کا خلاصہ :- یہ امور ہوئے بعض قطعاً بعض ظناً بعض
امکاناً۔

اُمراؤں۔ رُوح کے بارے میں پانچ مذہب ہیں احکامائے
متقدمین کا کہ رُوح مجرد قدیم ہے اور یہ قول باطل ہے۔
دوسرے حکماء متاخرین کا مذہب اور قول کہ رُوح جوہر مجرد حادث
بعد البدن ہے یہ بھی محض باطل ہے۔

تیسرا مذہب صوفیائے مکاشفین کا رُوح جوہر مجرد حادث قبل
البدن ہے یہ حق ہے۔

چوتھا مذہب علماء متکلمین کا کہ رُوح جسم غیر عنقریب ہے یہ بھی حق ہے
پانچواں مذہب اطباء کا ہے کہ رُوح ایک جسم عنقریب ہے یہ بھی مذہب
حق ہے۔

تنبیہ ۱۔ ۲، ۳، ۴، ۵، میں جو رُوح کے تین مصداق ہیں تینوں حادث
ہیں اور یہ تینوں بدنِ انسانی سے متعلق ہیں اس طرح
کہ ۳ بواسطہ ۲ کے اور ۲ بواسطہ ۱ کے۔

تنبیہ دوم ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، جسم اور مکانی ہیں اور ۳ مجرد غیر مکانی ہے ۴
موت کے بعد عناصر میں مل جاتی ہے اور ۵ برزخ میں رہتی

ہے اور ۳ بحالہ غیر ممکن ہے۔

مثاب اور مُعاقب برزخ میں ۳، ۲، ۱ ہیں ان کا نام و کثرت

تسلسلہ سوم

تکلیف اور لذت و راحت برزخ میں بواسطہ قسم مثالی کے ہوتے اور آخرت میں تینوں روحیں ۳، ۲، ۱ اسی بدنِ عُنُقوی سے متعلق ہوں گی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصّٰوَابِ

طُرُقُ سَلَامِ السَّلَامِ اَرْبَعَةٌ مَشَارِحُ كَرَامِ

چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ، اصولاً سب متحد ہیں کہ اصل مطلوب تصحیح اخلاقِ فاضلہ اور تکمیل تہذیبِ اخلاقِ حمیدہ بطلب رضا الہی ہے۔

تحصیل کے طُرُق و مَعَالِمَاتِ بَتَعَدُّ وِ الْفَاسِ خَلَقُ مُتَعَدِّدٌ وَ مُتَكَثِّرٌ اَلْبَتَّہُ تَرْتِیْبُ تَحْصِیْلِہِ فِیْ كَسِی كَسِی قَدْرُ فَرْقِہِ ہے۔ چشتیہ، نقشبندیہ، اخلاق کو مقدم اور خاص الخاص توجہ اس پر مرکب

فرماتے ہیں۔

نقشبندیہ ہر ذکر کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے سلاسلِ قادریہ، سہروردیہ بھی ذکر پر زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ لیکن اب طریقِ مکتبہ نے تصحیح اخلاق کے ساتھ ساتھ اذکار بھی تعلیم کئے جاتے ہیں اور یہ اذکار مختلف صورتوں کے ساتھ نسخہ ناموں کے ساتھ ہیں۔ کوئی ذکر لسانی ہے، کوئی ذکر قلبی ہے۔ کوئی پاسِ انفاس کی شکل میں ہے۔ کوئی حبسِ دم کی صورت میں ہے۔ کوئی شغل کی صورت میں ہے اور کوئی مراقبہ کی صورت میں۔

ان سب کے طرق میں بعض صورتیں متحد اور بعض صورتیں مختلف ہیں لیکن مطلوب ایک ہی ہے۔ یعنی القَطَاعِ عَنِ المَخْلُوقِ، تَوَجُّهٌ اِلَى المَخْلُوقِ، تَصَوُّرِ حَقِّ ذَاتِ عِبَادَتِ، بلکہ یادداشتِ بہرِ فِطْرَتِ الٰہی بِنَحْوِیَّتِ الٰہی بَاشَوَاقٍ وَ ذَوْقِ وَ اُنْسٍ وَ مَحَبَّتِ۔

ذکر سے اُنْسٍ وَ مَحَبَّتِ، نَزْمِیَّتِ وَ تَمَنُّیَّتِ، صَفَائِیَّتِ شَفَافِیَّتِ نکھار پیدا ہوتا ہے اور یہ نکھار و نزمیت مطلوب ہے۔

اور اشغال سے بلکہ یادداشت اور مراقبات سے معرفت و خشیت و رِسُوخِ احسان مطلوب ہے۔ پھر جوانِ مطلوبات کے ذرائع و وسائل ہوں گے وہ بھی مطلوب ہوں گے اس لئے ذکر، فکر، اشغال، مراقبات کے طرقِ مطلوب ہیں۔

انتباہ ہر اب رہی یہ بات کہ کس کے لئے کیا طریق نافع ہے یہ

شیخ صاحب فن کی رائے پر ہے چونکہ طالب اصلاح اور شیخ کا تعلق طبیب اور مریض کا سامنے اسی لئے حضرت شیخ ابن عربی نے لکھا ہے کہ شیخ کو تدبیر اطباء کی سی چاہیے جیسے کہ یہ لکھا ہے کہ شیخ میں سیاست بادشاہوں کی سی اور علم انبیاء کا سا ہونا چاہیے۔ بہر حال سلاسل اربعہ اصول میں سب متحد ہیں اور طرق میں کہیں متحد اور کہیں مختلف اور مجملہ طرق، اذکار اشغال مراقبات بھی ہیں چونکہ طریق ذکر چشتیہ اسی کتاب میں سابقاً آچکا ہے اس لئے یہاں ترک کر دیا گیا ہے۔

طریق ذکر نقش بندۂ

جب طالب صادق اس جماعت میں سے کسی کے پاس جاتا ہے تو استخارہ کرنے کو فرماتے ہیں۔ استخارہ میں اشارہ مل جانے پر اس کی طرف مشغول ہوتے ہیں۔ اس طرح کے انسان کے اندر چھ لطفے ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر اسی کتاب میں ہے ان کو یہاں تک ذکر کرنے میں سعی کرتے ہیں کہ خود ذکر سے شناسا ہو جاوے اور بتوجہ خود مرید کے لطیفہ میں ذکر کے القاء کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس کا یہ طریق اختیار کرتے ہیں۔ کہ مرید سے زبان کو تالو میں لگواتے ہیں اور بغیر زبان ہلائے قلب سے اسم ذات اللہ کو ادا کرتے ہیں اور اپنے قلب کے منہ کو مرید کے دل پر تصور کرتے ہیں اور غیر خدا کے خیال کو اس کے دل میں آنے

سے روک کر اس کے قلب کو اپنی طرف انجذابِ قلب سے متوجہ کرتے ہیں تاکہ اس توجہ کے اثر سے اس کے لطیفہ میں حرکت پیدا ہو کر ذکر جاری ہو اس طرح کم و بیش ایک گھنٹہ مرید کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

قلبِ صنوبری، قلبِ حقیقی کا نشین ہے اس کو حقیقتِ جامع

بھی کہتے ہیں۔ اور خدا کی عادت جاری ہے کہ جب مرید اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو منبہء فیض سے قلبِ حقیقی کے واسطے سے اس کو فیض ہوتا ہے یہ لطیفہ قلب کی مشق کی نوعیت ہے جب یہ مشق کامل ہو جاتی ہے اور فناءِ قلبی حاصل ہو جاتی ہے تو باقی لطف کی الگ الگ مشق کرائی جاتی ہے۔ فنائے لطائف یہی ہے کہ لطائف میں مستغرق ہو جائے اور اس میں تکلف کی ضرورت نہ ہو۔

یہ طریق تو اسم ذات اللہ کا تھا اس کے سوائے نفی و اثبات کی بھی تعلیم کی جاتی ہے اس کا طریق یہ ہے کہ آنکھیں اور ہونٹ بند کر کے سانس ناف کے پیچھے سے اٹھا کر قلب میں روکے اور لا کوناف سے نکال کر گٹھے تک پہنچا کر الہ کو گلے سے لطیفہ روح تک لا کر لا اللہ کی دل پر ایسی ضرب لگائے کہ اس کا اثر تمام لطیفوں پر پہنچے اور غیر اللہ کی نفی اور اللہ کی ذات کے اثبات کا تصور کرے۔ پہلے ایک سانس میں اسی طرح ایک دفعہ کرے اور تدریجاً ترقی دیتا ہوا اکیس مرتبہ تک پہنچائے اور طاقِ عدو کا، مدوشد کا خیال رکھے تاکہ اثر ظاہر ہو۔

انتباہ : ذکر کا اثر یہ ہے کہ نفی کے وقت غیر کے وجود کی بالکل

نفی ہو جاوے اور اثبات میں انجذابِ الہی کا ظہور ہو کہ مذکور یعنی اللہ کا ذکرِ اسمِ دل پر غالب ہو کر محبوبِ حقیقی میں محو ہو جاوے۔

یہ دو طریق نقش بندیہ کے ذکر کے سلسلہ میں عرض کئے گئے اس پر دوسرے لطائف کو قیاس فرمائیں کہ جس لطیفہ

کی مشق مقصود ہو اسی لطیفہ پر جس دم کرے اس طرح کہ ناف کے نیچے سے سانس کھینچ کر جس کا شغل منظور ہو اس پر ٹھہرے اور جس قدر ممکن ہو اسمِ ذات میں اس کے معنی اور اس مقامِ لطیفہ کو نور اور واسطہ کے ساتھ ساتھ منہمک ہو جاوے اور اسم کو ذات کا غیر نہ سمجھے۔ بعض صحابان ان مقامات کا ذکر بغیر جس دم کرتے ہیں اور ذکر وہی اسمِ ذات ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ نفی و اثبات میں جو تعلیم نقش بندیہ کے طریق کی اوپر بیان کی گئی۔ احقر بعض اوقات ذی قوائے قویہ کو اس کی تعلیم کرتا ہے۔ آنکھ اور سوراخ کان کے بند کرنے کے ساتھ الحمد للہ تعالیٰ باطن کے لئے بیحد نافع ہوا۔

طریقِ قادریہ

سلسلہ قادریہ میں ذکرِ نفی و اثبات معمولی آواز کے ساتھ تعلیم کیا جاتا ہے۔ جس کا طریق یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ کو پوری طاقت سے بدن کے اندر سے کھینچ کر الا اللہ ہی دل پر ضرب لگاتے ہیں اسی طرح خلوت میں روز و شب مشق کرتا رہے اور بار بار حسبِ ضرورت جس قدر بھی

ہو سکے کرتا رہے اور ہر سو کے بعد ایک بار مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ کہے اور ایک ہی نشست میں ایک ہزار ایک سو گیارہ بار ورد کرے
 یہ بہتر ہے۔ اس طرح کرنے سے ذاکر کو ایک خاص محویت اور جذب
 بالطف ہوگا۔

اس کے بعد نفی و اثبات کی اس طرح تعلیم کرتے ہیں کہ رول قبیلہ
 دوزانو با ادب بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے پوری طاقت سے لا کوناف
 کے تپے سے کھینچ کر باہر لائے اور اپنے شانہ دکنڈھے تک پہنچا
 کر اِلٰہِ کو اُمِّ الدَّمَاعِ سے نکلے اور اِلَّا اللّٰهُ کی بہت زور سے
 قلب پر ضرب لگائے لَا اِلٰہَ کَتَمَ وقت خیال کرے سوائے خدا کے
 نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی مقصود ہے نہ کوئی موجود ہے تاکہ غیر کی ہستی
 کا خیال جاتا رہے اور اِلَّا اللّٰهُ سے موجود مطلق کے اثبات کا خیال
 کرے۔ اس کے علاوہ ذاکر اسم ذات یکضربی، دوضربی، سہ ضربی
 چہار ضربی کی تعلیم و مشق کرتے ہیں۔


یکضربی میں لفظ اللّٰہ کی پوری طاقت سے دل پر ضرب لگاتے
 ہیں پھر دوا بٹھہر کر اتنا کہ سانس بٹھہر جاوے تب ضرب لگاوے
 اسی طرح مشق کرے۔

دوضربی میں پہلی بار ضرب دائیں گھٹنے پر دوسری قلب پر
 سہ ضربی اول دائیں گھٹنے پر دوسری بائیں گھٹنے پر تیسری ضرب دل پر
 چہار ضربی میں پہلی دوسری دائیں گھٹنے پر تیسری سامنے چوتھی ضرب دل پر لگائے۔

انتباه یکفری، دو ضربی، سه ضربی میں دو زانو بیٹھے اور چہار ضربی میں چہار زانو بیٹھے۔ یہ طریق ذکر تھا اور پاس انفاس وہی عام طریق پر ہے۔ آنا فرق ہے کہ لفظ ہو کو خیالی طریقہ سے کہنچ کر آسمان پر لے جائے۔

شغل قادر یہ اسم ذات خفیہ

ان اذکار کے بعد شغل اسم ذات خفیہ کی تعلیم کرتے ہیں اس طرح پر کہ زبان کو تالو سے ملائے اور جس قدر ہو سکے قلب سے اللہ اللہ کہے اور رات دن یہی تصور رکھے تاکہ پختگی پیدا ہو اور ذکر میں کوئی زحمت نہ ہو بلکہ ذکر کی ایک کیفیت اضطراری ہو جاوے۔

شغل اسم ذات :- اس کا طریقہ یہ ہے کہ کاغذ پر قلب صنوبری کی سرخ یا نیلی تصویر کہنچ کر اس میں اللہ شہری یار و پہلی صورت سے لکھ کر اس پر نظر رکھے یہاں تک کہ یہ نام دل پر منقوش ہو جاوے یا لفظ اللہ کی صورت دل پر لکھے اور اس کی طرف متوجہ رہے۔ تصویر یہ ہے 

شغلِ دورہِ قادریہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ادب سے دوزانو ہو کر قبلہ رو بیٹھے
آنکھیں بند کرے زبان کو تالو سے لگا کر اَللّٰهُ سَمِيعٌ کا بحضورِ قلب
تصور کرے اور ناف سے خطِ نورانی نکال کر وسطِ سینہ یعنی مقام
لطیفہٴ برّ تک پہنچائے اور اَللّٰهُ بِصِيْرٍ کو سینہ سے نکال کر دماغ
تک پہنچائے جو کہ بین الحاجبِ وَاُمِّ الدِّمَاغِ مقامِ لطیفہٴ اُتخفا ہے
اَللّٰهُ عَلِيْمٌ کو اُمِّ الدِّمَاغِ سے نکال کر عرش تک پھر اس عروج کے
بعد عرش سے نزول کرے کہ اَللّٰهُ عَلِيْمٌ کو عرش سے دماغ تک اَللّٰهُ
بصِيْرٌ کو دماغ سے سینہ تک اور اَللّٰهُ سَمِيعٌ کو سینہ سے ناف
تک لائے۔ اس دورہ کے بعد پھر ناف سے شروع کرے۔ اسی
طرح تدریجاً عروج و نزول کے ساتھ مشغول رہے۔

اس شغل کی کیفیات بہت مشغول ہونے سے معلوم
انتباہ ہوتی ہیں۔ اس شغل کے فوائد و ثمرات حاصل ہونے
کے بعد مراقبہ کی تلقین و تعلیم فرماتے ہیں۔

بیانِ مراقباتِ قادریہ

مراقبہٴ احسان۔ مراقبہٴ فنا۔ مراقبہٴ نور، مراقبہٴ موت۔ ان مراقبات
کے بعد مراقبہٴ توحیدِ افعالی۔ مراقبہٴ توحیدِ صفاتی۔ مراقبہٴ توحیدِ ذاتی ہیں۔

(مراقبہ توحید ذاتی سے محققین نے منع کیا ہے۔)

طریق مراقبہ

مُراقبہ رقیب سے مشتق ہے اور رقیب عربی میں نگہبان، محافظ کو کہتے ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ دل کو ماسوائے اللہ کی یاد سے اور غیر حق سے محفوظ رکھنا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تِس آیت یا کلمہ کا مراقبہ منظور ہو اس کو زبان سے کہے اور اپنے کو ذلیل و حقیر و کمترین سمجھ کر باادب قبلہ رو دوڑا نو بیٹھے اور غیر خدا سے دل صاف کر کے اس کے معنی کے تصور میں منہمک ہو جاوے اسی کے متعلق حدیث شریف میں مَا الْإِحْسَانُ ہے۔

مُراقبہ فناء
وَالْإِكْرَامِ - یہ آیت گویا مراقبوں کا اصل ہے

اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کو بالکل مردہ اور خاک خیال کرے اور آسمان کو شکافدار اور تمام دنیا کو نیست و نابود مثل قیامت کے دن کے تصور کرے اور خدا کی ذات کو موجود و باقی تصور کرے اس درجہ کی جب تک محویت نہ پیدا ہو جاوے اسی شغل میں مشغول رہے اور اس کے حاصل ہونے کے بعد دوسرے مراقبوں میں مشغول ہو۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ . خیال کرے کہ
دوسرا مراقبہ نور جس طرح اللہ کا وجود ہر جگہ ہے اسی طرح اس کا

نور تمام عالم میں ہے اور اس میں مستغرق ہو جاوے۔ اسی طرح
تیسرا مراقبہ موت اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفْسُونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ
 اور اِنَّ مَا تَكُونُوا يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ

وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بَرٍّ أَوْ فِي سَيِّدَةٍ . جب ان مراقبات سے فائدہ حاصل
 ہو اور الوار و کیفیات ظاہر ہوں تو پھر مراقبہ توحید کیا جاتا ہے اور یہ
 مراقبہ توحید چند طریق پر ہے۔

اَوَّلُ تَوْحِيدِ اَفْعَالِي : اس کا طریقہ ہے کہ تمام دنیا کے
 حرکات و سکنات کو خدائے تعالیٰ کے افعال کا منظر جانے۔ ظاہری کام
 کرنے والوں کو آلہ، اور اللہ تعالیٰ کو فاعل حقیقی خیال کرے تو غیر کی
 فاعلیت کا خیال جاتا رہے گا اس پر پوزی طرح پابندی کرنے پر عجیب ثمر
 یعنی بہتر اخلاق ظاہر ہوں گے۔

دوسرا مراقبہ توحید صفاتی : اپنے اور تمام دنیا کے
 وجود کو اللہ تعالیٰ کے صفات کا عکس سمجھے اور اسی خیال میں مستغرق
 ہو جاوے۔ یہاں تک حدیث شریف كُنْتُ لَهُ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ کا
 مصداق ہو جاوے۔

اس کے فوائد بھی اس قدر ہیں کہ لکھے نہیں جا سکتے مُخْتَصراً
انتباہ عرض ہے کہ اپنے جسم کو وسیع تصور کرے کہ زمین سے عرش

تک تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام عالم کا وجود اپنے وجود میں پاتا ہے اور اس کی تکثیر سے ہر چیز کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے اور موجودات واقیہ کے حالات منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں ہی نہ کھڑ جاوے اور جو اوزار ظاہر ہوں ان پر سے گذر جاوے کہ وہ سب حجاب ہیں وجود ذات مطلق کے بلکہ دربار الہی میں عجز و انکسار کے ساتھ دعا کرے کہ اس سے نکل جاوے کہ بعض بے رنگ و لطیف نور پا کر اس پر کھڑ جاتے ہیں عرض اصلی سمجھ کر، لیکن یہ سب حجابات ہیں ان پر توقف نہ کرے خدا کی مدد شامل حال ہے تو یہ پردے با آسانی طے ہو کر ذات مطلق کی معرفت کا بفضلہ تعالیٰ نور حاصل ہوگا۔ عجیب حالات اور انکشاف ذات و صفات، حقائق کو نہ منکشف ہوتے ہیں اس کو اصطلاح میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اور اس کی انتہا نہیں۔ اس کو مقام سلوک و معرفت کا منتہا خیال کیا جاتا ہے۔

سائل کو چاہیے کہ اول تو کبھی بھی اور بالخصوص ابتداء میں
انتباہ | ایسے امور کی تحقیق و تلاش و جستجو میں کاوش نہ کرنا چاہیے
 کیوں کہ ایسے امور متوسط درجے کے نالکین سے واقع ہوتے ہیں۔ منہی
 دنیا کی چیزوں کی طرف کہ یہ سب مخلوق میں متوجہ نہیں ہوتے اسی لئے
 ان سے ایسے واقعات کم واقع ہوتے ہیں۔
 یہ بھی خوب سمجھ لیں کہ عارف کے تمام مشکوفات کا صرح اور

واقع کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ واقعات کا کشف قطعی چیزوں سے
 کئے جن میں غلطی کا بھی احتمال ہے اور گائے بالکل خلاف واقعہ بھی
 ہوتے ہیں۔ بس استقامت اور ہر امر میں ہر عمل میں کمال اتباع
 سنت پر مستقیم ہو۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
 عَلَيْهِمْ كَا مُصَدَّقٍ هُوَ

ذکر

(صوفیائے کرام کے بیان میں ذکر کا بہت جگہ اور جگہ جگہ ذکر
 آتا ہے۔ لہذا اس کی حقیقت معلوم ہونا چاہیے۔ سوا صیلا ح
 صوفیاء میں ذکر اس کو کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی یاد میں
 تمام غیر خدا کو بھول جاوے اور حضور قلب سے اللہ تعالیٰ کا قرب
 نزدیکی اور مصیبت حاصل کرے اسی کو حدیثِ قدسی میں فرمایا ہے۔
 اَنَا مَعَ عَبْدِي اِذَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَاةً

کہ نبی میرا بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور میرے نام سے اس
 کے ہونٹ ملتے ہیں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اور فرمایا ہے۔

اَنَا جَلِيسٌ مِّنْ ذَكَرِنِي كَمَا جَوَّجْتُ كَوِيَا دَكْرَتَايَ تُوْمِيْنَ اِسْ كَا هَمْنِيْنَ
 وَجَلِيْسٌ هُوْتَا هُوْن - نِيْرَحِقْ تَعَالِيْ نِيْ اِيْتِيْ كَلَامِ پَاكِ مِيْنَ بِيْهِ فَرِيَايِيْ
 بِيْتَجُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا هُ خَدَا كِيْ صَبْحِ وَّ شَامِ تَسْبِيْحِ كَرُوْ - حَا صِلِ يِه
 نَكَلَا كِه لِيْسِ پُوْرِيْ تُوْبَةٍ سِيْ يَادِ اِلٰهِيْ مِيْنَ اِسْ طَرَحِ مَهْمَكِ هُوْ كِه اِيْتِيْ
 نَفْسِ سِيْ بِيْهِ بِيْخِرْ هُوْ جَايِيْ اُوْرَ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اِلٰهَ قِيَامًا وَّ قُنُوْدًا
 وَّ عَلٰى جُنُوْبِيْهِمْ كَا مَصْدَقِ هُوْ جَايِيْ ذَكْرِ اِسْ كِيْ زَنْدِغِيْ هُوْ جَايِيْ

اِتْبَاه

یوں تو ذکر کی بہت قسمیں ہیں، بہت صورتیں اور بہت
 طریق ہیں۔ لیکن عزیزان من مقصود ذکر سے مطلوب کا

حاصل ہو جانا ہے۔ لہذا جس عمل سے یہ نفع حاصل ہو جائے وہی ذکر
 کہا جا سکتا ہے خواہ وہ نماز و روزہ ہو یا ورود شریف ہو یا کلمہ شریف
 کا ورود ہو یا تلاوت ہو یا استغفار ہو یا سُبْحَانَ اِلٰهٍ وَ بِحَمْدِهِ سُبْحَانَ
 اِلٰهِ الْعَظِيْمِ ہو یا اِلٰهَ اِلٰهٍ ہو یا اور دعائیں ہوں۔ لیکن یہ
 مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ذکر اپنے کو
 مشانہ دے بسو طالب خدا اس کے ذکر میں اس طرح مہمک ہو جاوے
 کہ اپنے کو اور تمام غیر اللہ کو بھول جاوے۔ لہذا طالب اس
 درجہ فنا کو ذکر میں مہمک ہو کر پہنچ جائے گا تو اخلاقِ حسنة یعنی
 زہد، توکل، خلوت، قناعت، صبر و حلم، رضا و تقویٰ انشاء اللہ
 تعالیٰ خود بخود حاصل ہو جائیں گے اور اس پر انوارِ الہیہ کی اس قدر
 تجلیاں ہوں گی کہ اس کے حواسِ خمسہ مغلوب و مستور ہو جائیں گے

اور ذکر و ذاکر دونوں فنا ہو جائیں گے اور صرف مذکور یعنی اللہ
 رہ جائے گا۔ بس مصداق ہوگا۔ شَهِدَا اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
 کہ اللہ نے گواہی دی کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں وہی ہے
 وہی۔ اس ذکر کی تلقین و تعلیم شیخ کرتا ہے اور ذکر کے لئے افضل
 ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے۔ اَفْضَلُ الذِّكْرِ
 لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہ سب ذکروں میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَفْضَلُ ہے اسی واسطے اکثر مشائخ
 بھی اسی ذکر کی تعلیم فرماتے ہیں جس کے مختلف طریق ہیں جن کا بیان ^{لفصل}
 سابق میں آچکا ہے اور اس کے ساتھ بوقت تعلیم و تلقین توجہ کے
 مختلف طریق ہیں، آسان طریق لکھا جاتا ہے۔

توجہ کا آسان طریقہ

مُرید کو با وضو و نماز موڈ بٹھائے اور پہلے اس کی طرف
 توجہ کرے تاکہ اس کا ذہن با آسانی اذکار و اشغال کو قبول کر سکے
 وہ اس طرح کہ مُرشد پہلے خود تمام خیالات سے خالی ہو جائے پھلینے
 دل کو اس کے دل کے مقابل کرے اور اللہ تعالیٰ کے اسم ذات اللہ
 کی ضرب لگائے۔ اور یہ خیال کرے کہ اس ذکر کی کیفیت میرے
 واسطے سے اس کو حاصل ہو رہی ہے اور یہ ذکر اس کے دل میں بہریت

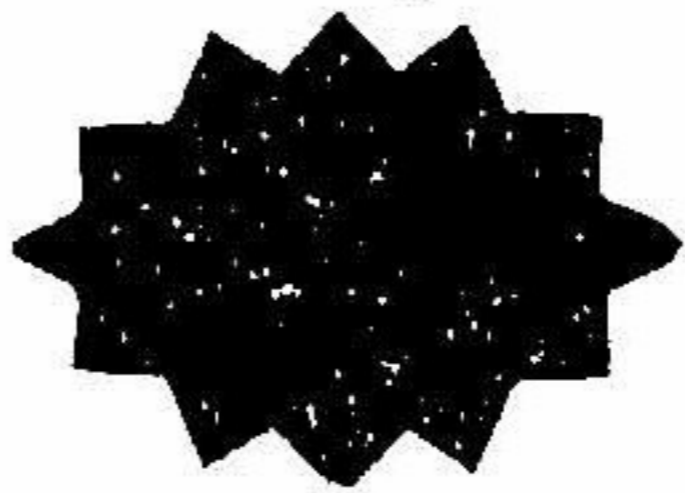
کر رہا ہے اور یہ ضربیں ایک سو ایک بار ہوں تاکہ شوق اور ذکر کی
 حرارت اس کے قلب پر اثر کرے اور اس کا قلب ڈا کر ہو جائے
 اور قلب ذکر سے حرکت کرنے لگے تو اس طرف کچھ التفات نہ کرے
 حتیٰ کہ کثرتِ ذکر سے بلا اختیار جسم کا کوئی حصہ، کوئی عضو ہاتھ پاؤں
 سر حرکت کرنے لگتے ہیں۔ بعض دفعہ ذکر کا نور تمام جسم کو گھیر لیتا ہے
 مختلف قسم کے انکشافات ہوتے ہیں اور عجیب قسم کے واقعات
 ظاہر ہوتے ہیں۔ کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے کبھی متحیر عالم حیرت میں
 ہوتا ہے لیکن سالک کو چاہیے کہ کسی طرف بھی متوجہ نہ ہو بس ذکر و
 فکر میں بحاسبہ و مجاہدہ مشغول رہے یہ سب جو کچھ ظہور میں آتا ہے صورتیں
 ہوں یا صوتیں ہوں انوار ہوں یا واقعات، ظلمات ہوں یا انکشافات وغیرہ
 سب مخلوق میں اور سالک کا ویرہ خالق برتر اور ہمہ تن توجہ ذاتِ تحت
 پر ہے اس کو نظر پر خلق کیسی۔ بس سیر کرتا ہوا بلا التفات چلتا چلا جائے
 یہاں تک کہ واصل بحق، سرستِ ذاتِ خاص ہو جائے اور فنائے تام
 ہو جائے کہ تمام خواہشاتِ نفسانی فنا ہو کر بس مرضیاتِ حق کا تابع ہو
 جاوے۔ فنائے نفس کے یہی معنی ہیں کہ خواہشاتِ نفسانی تابعِ مرضیاتِ
 الہی ہو جائیں تَخْلَقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ کا مصداق ہو جائے صِبْغَةَ اللَّهِ
 اللہ کے رنگ میں رنگ جائے کہ اپنی ہستی کی رنگ و بو نہ رہے۔ بس
 بِي يَسْمَعُ وَبِي يَبْصُرُ وَبِي يَنْطِقُ وَبِي يَبْطِشُ وَبِي يَمِشِي وَبِي يَمْقِلُ کا
 منظر ہو جاوے۔ یعنی میرے ہی ذریعہ سے سنتا اور دیکھتا اور بولتا

اور پکڑتا اور چلتا اور ادراک کرتا ہے اور ہمارا ایت شینا الا ورایت
 اللہ فیہ کا مصداق ہو جاوے کہ میں کوئی چیز نہیں دیکھتا۔ جس
 میں خدا کا جلوہ دکھائی نہ دے بس یہ حال ہو جاتا ہے کہ

علم حق در علم صوفی گم شود

ایں سخن کے باور مردم شود

یعنی خدا کا علم اس کے علم میں غائب ہو جاتا ہے یعنی دونوں
 علم مخلوط ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے کہنے کو ہر شخص یقین نہیں کر سکتا۔



اصطلاحاتِ یازدہ و جب الحفظ

ہر جماعت کی کچھ اصطلاحات ہوتی ہیں جو کہ وہ بعض تفصیلات کا اجمال اور ابہام ہوتی ہیں۔ انہی میں سے نقشبندیہ کی کچھ اصطلاحات ہیں۔ جو کہ وہ دوسرے سلاسل میں بھی مطلوب ہیں جیسا کہ بعد وضاحت معلوم ہو جائے گا۔ وہ اصطلاحات یہ ہیں۔

ہوشِ دروم، نظرِ بر قدم، سفرِ در وطن، خلوتِ در انجمن، یادِ کرو
بازگشت، نگہداشت، یادداشت، وقوفِ زمانی، وقوفِ عددی، وقوفِ قلبی۔

سب گیارہ ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہیے اور اپنا مطمح نظر جاننا چاہیے
ان کو یاد رکھنا بہت آسان ہے۔

یہ کہ اپنے سے باخبر اور ہوشیار رہے تاکہ غفلت
سے سانس نہ آئے یہ تفرقہ نفسی کو دفع کرتا ہے۔

ہوشِ دروم

یہ کہ ہر جگہ آمد و رفت میں پاؤں پر نظر رکھے تاکہ
نظر پراگندہ اور منتشر نہ ہو جاوے اور جمیعتِ خاطر

نظرِ بر قدم

حاصل ہو۔ ابتداء میں دل نظر کے تابع ہوتا ہے اور نظر کی پابندی
دل پر اثر ڈالتی ہے۔

یہ کہ سالک انسانی طبیعت میں سفر کرے یعنی صفاتِ ذمیہ
سفرِ دروِطن کو اچھے اخلاق میں بدل دے یہی تَخَلُّقُ اِبَاخَلَاقِ اللہ کے معنی ہیں

یہ کہ ظاہر میں خلقت کیساتھ رکے اور باطن میں اللہ
خلوتِ درِ انجمنِ تعالیٰ کے ساتھ یعنی ہر حال میں حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول

رہے، خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے

اس سے ذکرِ لسانی و قلبی مراد ہے کہ خدا کی یاد میں غفلت
یا د کرو کو دور کرے۔

یہ ہے کہ جتنی بار کلمہ طیبہ زبان سے ادا کرے اتنی بار دل
بازگشت سے دعا کیا کرے کہ بارِ الہا تو اور تیری رضا میرا مقصود

ہے اور میں نے تیرے ہی لئے دنیا اور آخرت کو چھوڑ دیا تو مجھے اپنی
نعمتوں اور اپنی بارگاہ کی رسائی عنایت فرما۔ ذکر میں اس سے غفلت
نہ کرنا چاہیے یہ بہت بڑی شرط ہے۔

مراقبہ قلب کو کہتے ہیں یعنی دل کو غیر کے خیال سے
نگہداشتِ خالی رکھے کہ ایک سالس میں سو مرتبہ کلمہ طیبہ کہے تو

غیر کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ اسماء و صفاتِ باری تعالیٰ سے بھی غافل ہو
جاوے اور وحدتِ مطلق اور وراذ الوراذ کو مد نظر رکھے۔

یہ کہ ہر حالت میں اور ہر وقت میں خدا کی طرف
یا دداشت

موجہ رہے، بعض حضور قلب کو یادداشت کہتے ہیں کہ بھجبت ذاتی
خدا کا شہود، اس کا وجود دل پر غالب ہو، اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں اور
یہ مقام کہ پوری توجہ خدا کی طرف ہو پوری فنا اور قلبے کامل کے بغیر حاصل
ہیں ہوتا ہے۔

وقوفِ زمانی | یہ ہے کہ انسان ہر حالت میں اپنے سے باخبر رہے کہ
خدا کی اطاعت کرتا رہے اور اس پر شکر کرے اور

کوئی گناہ ہو گیا ہو تو عذر خواہی و توجہ کرے یا پاسِ انفاس کا خیال
رکھے کہ حضور میں گذرتا ہے یا غفلت میں اسی طرح بسط و قبض میں شکر
اور استغفار میں رہے اسی کو مجاہدہ کہتے ہیں۔

وقوفِ عددی | یہ ہے کہ نفی و اثبات میں طاق عدد کا خیال رکھے۔
ذکر قلبی میں عدد کی رعایت کرے اس سے پریشانی خاطر
دفع ہوتی ہے۔

وقوفِ قلبی | ذکر کرنے والا خدا سے باخبر اور واقف رہے یا خدا کے حضور میں
دل کو اس طرح حاضر رکھے کہ غیر خدا سے کوئی تعلق نہ رہے۔

انتباہ | محققین نے فرمایا ہے کہ اگر طالب میں ذکر قلبی قرار نہ کرے
اثر نہ کرے تو اسے ذکر سے روک کر ووقوفِ قلبی کا مرشد
امر فرماوے تاکہ ذکر جلد اثر کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معمولاتِ سالک

(جو اس طریق میں لے کر مفید ہیں)

تہجد : چار، آٹھ، بارہ رکعت حسب گنجائش وقت آخر شب میں
بہ مجبوری وقت عشاء کم از کم چار رکعت۔

دوازدہ سبح : خواہ تہجد کے وقت یا بعد عشاء نماز فجر یعنی دو سبح
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی اس کو نفی اثبات بھی کہتے ہیں۔ چار سبحِ إِلَّا اللَّهُ
کی، چھ سبحِ اللَّهُ اللَّهُ کی، ایک سبحِ اللَّهُ اللَّهُ کی۔

فجر کی سنت اور فرض کے درمیان اکتالیس بار سورہ فاتحہ
مع بسم اللہ ہر بار۔

بعد نماز فجر : سورہ یسین شریف، بقدر فرصت تلاوت قرآن
پاک، کم از کم پاؤ پارہ اور جن کو جتنی سورتیں یاد ہوں انہیں کو پڑھ
لیا کریں، اور ایک منزل مناجات مقبول مع حزب البحر یا جس

وقت فرصت ہو اور یا سحیٰ یا قیوم لا الہ الا انت اسئلک
ان تجیب قلبی بنور معرفتک ابدایا اللہ۔ اکتالین بار قبل از
ذکر تین بار کم از کم۔

اشراق :- دو یا چار رکعت۔

چاشت :- اشراق کے بعد ہی یا کچھ دیر ٹھہر کر دو یا چار یا چھ رکعت۔
بعد ظہر :- سورہ انا فتحناک اور بقدر فرصت اسم ذات یا پانچ
تسبیح اللہ اللہ۔

بعد عصر :- سورہ عم یتساءلون آیت کریمہ لا الہ الا انت
سبحانک انی کنت من الظالمین ۵ ایک تسبیح۔
بعد مغرب :- او ایمن چار یا چھ رکعت اور بقدر فرصت اسم ذات،
سورہ واقعہ۔

بعد عشاء :- سورہ ملک، سورہ المر السجدۃ، استغفار اس طرح
سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم ۵ استغفر
اللہ العظیم الذی لا الہ الا هو الٰحی القیوم والتوب
الیہ۔ ایک تسبیح یا ستر بار اگر نیند کا غلبہ ہو یا تکان ہو
تو اکیس بار۔

محاسبہ یعنی اعمال کا سوچنا :- یعنی رات کو سوتے وقت اپنے اعمال
کو سوچ کر طاعات پر شکر کرنا معصیت پر نادم ہونا اور نفس کو معصیت
پر حق تعالیٰ کی ملامت اور عذاب کو سنانا اور عہد کرنا کہ آئندہ گناہ

کے پاس نہ جاؤں گا اور دن میں اس عہد کا خیال رکھنا لیٹے، بیٹھے، چلتے پھرتے کلمہ شریف کا ورد اس طرح کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ورد رہے، سانس ٹوٹنے پر مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ملا لیا کریں۔

ہر نماز کے بعد آیت الکرسی اور تسبیح فاطمہ ۳۳ بار سُبْحَانَ اللَّهِ ۳۳ بار الْحَمْدُ لِلَّهِ، ۳۳ بار اللَّهُ أَكْبَرُ یا ظہر، مغرب، عشاء میں بشرط فرصت تیسرا کلمہ یعنی سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ کی ایک تسبیح اور فجر اور عصر میں تسبیح فاطمہ۔

ان کلماتِ طیبات کا معمول مقرر کر لینا

يَا اللَّهُ	يَا رَحْمَنُ	يَا عَزِيزُ	يَا لَطِيفُ	يَا رَحِيمُ
يَا حَفِيفُ	يَا كَرِيمُ	يَا رَقِيبُ	يَا وَكِيلُ	يَا قَوِيُّ
يَا وَكِيْلُ	يَا فَتَّاحُ	يَا وَهَّابُ	يَا رِزَّاقُ	يَا بَاسِطُ
يَا مُعِزُّ	يَا وَاسِعُ	يَا مُقِيتُ	يَا وَدُودُ	يَا غَفُورُ
يَا نَوَّابُ	يَا رَوْفُ	يَا مُجِي	يَا مُمِيتُ	يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ

بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

اگر فرصت ہو تو بجائے متفرق وقتوں کے اسم ذات کرنے کے لئے ایک دو وقتوں میں چھ ہزار یا بارہ ہزار اسم ذات کر لیا جائے تو یہ زیادہ اور جلد نافع ہے۔

شغل پائس انفاس | حضور و زیادتی شوق اور ملکہ یادداشت کے لئے پائس انفاس بہترین اور تمام اشغال

میں آسان شغل ہے جس کا طریق یہ ہے کہ جس طرح آدمی بے تکلف سانس لیتا ہے۔ اس کو تھوڑا سا آمدورفت میں زور دے یعنی کھینچے، اور بقوت چھوڑ دے اندر کے سانس میں اللہ اور باہر کے سانس میں ہو کا تصور کرے۔ اول اول خلوت میں اس عمل کو آنا کرے کہ گرمی آجائے اور آواز پیدا ہو جاوے۔ پھر اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر حال میں اس کا تصور جمائے رکھے، اول دھیان کی ضرورت ہے پھر بے دھیان جاری ہو جاتا ہے جو صاحبان کم زور ہوں ان کو یہ شغل طبعی سانس کے آمدورفت میں ہی کافی و نافع ہوگا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

نفل روزے | بقدر ہمت رکھے، مثلاً ایام بیض ہر ماہ ۱۳، ۱۴، ۱۵، بالخصوص

نوٹ: مریدین اپنے شیخ کی تجویز کے موافق معمولات پر التزام فرمائیں اور ان میں سے جس چیز کو معمول بنانا چاہیں شیخ سے استفسار کر لیں اور جو مرید نہیں ہیں وہ ان میں سے جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں اپنی فرصت اور قوت کے موافق معمول بنائیں مگر ذکر نہ آواز سے مگر نہ قلب کے جھٹکے سے اور شغل پائس انفاس بھی نہ کریں۔

شش عید کے چھ روزے ذی الحجہ کے ۹ نوروزے یا صرف ایک روزہ عرفہ کا محرم کے دو روزے۔ نویں۔ دسویں یا دسویں، گیارہویں شعبان کی پندرہویں تاریخ کا۔

اسمائے کتب برائے مُطالَعہ طَالِبِیْن

طریقِ مُطالَعہ ہر کتاب کو تین مرتبہ دیکھا جائے اور اپنے حال کو اس پر جانچتے رہیں اور بدوں مطالعہ اور بعد مطالعہ جو کچھ اپنے حالات ہوں نہایت صدق و خلوص کے ساتھ اپنے شیخ کی خدمت میں اطلاع کا اہتمام رکھیں اور اس کی تعلیم پر التزام رکھیں کیوں کہ مرید کی جانب سے یہ عہد ہوتا ہے کہ وہ شیخ سے کوئی خطرہ قلبی یا حال باطنی پوشیدہ نہ رکھے گا اور اس کی تعلیم پر بلا چون و چرا بلا شک و شبہ با اعتماد کامل و اعتقادِ جائزہ عمل کرے گا۔

کتابیں یہ ہیں۔

قصد البسیل، آداب الشیخ والمرید، اصول الوصول، حقوق الاسلام، فروع الایمان، صفائی معاملات، حیوۃ المسلمین، آداب المعاشرت، شوق وطن، جزاء الاعمال، تبلیغ دین، تعلیم الدین، بہشتی زیور مع بہشتی گوہر، ملفوظات و مواعظ حضرت رحمۃ اللہ علیہ، نشر الطیب زاد السعید،

اصلاح الخیال، اور شریعت و تصوف، تعلیمات اسلام،
تبلیغ دین کے طعام کے باب میں اس کے مطابق عمل نہ کیا
تنبیہ

خاص ذکر و شغل کرنے والوں کو نصیحت

ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا
اہتمام کرو۔ اس سے دل میں بڑا نور پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص
کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو صبر کرو، جلدی
سے کچھ کہنے سننے مت لگو، خاص کر غصے کی حالت میں بہت
سنہلا کرو، کبھی اپنے کو صاحب کمال مت سمجھو، جو بات
زبان سے کہنا چاہو پہلے سوچ لیا کرو، جب خوب اطمینان
ہو جاوے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے
کہ اس میں دین یا دنیا کی ضرورت یا فائدہ ہے اس وقت زبان
سے نکالو، کسی برے آدمی کی بھی بُرائی مت کرو، نہ سناؤ، کسی لیے
درویش پر جس پر کوئی حال درویشی کا غالب ہو اور کوئی بات تمہارے
خیال میں دین کے خلاف کرتا ہو اس پر طعن مت کرو، کسی مسلمان

کو گو وہ گنہگار یا چھوٹے درجے کا ہو حقیر مت سمجھو، مال و عزت
 کی طمع و حرص مت کرو، تقویٰ، گنڈوں کا شغل مت رکھو اس
 سے عام لوگ گھیر لیتے ہیں۔ جہاں تک ہو سکے ذکر کرنے والوں کے ساتھ
 رہو اس سے دل میں نور، ہمت و شوق بڑھتا ہے۔ دنیا کا کام
 بہت مت بڑھاؤ، بے ضرورت اور بے فائدہ لوگوں سے زیا وہ
 مت ملو اور جب ملنا ہو تو خوش خلقی سے ملو اور جب کام ہو
 جاوے تو ان سے الگ ہو جاؤ، خاص کر جان پہچان والوں سے
 بہت بچو، یا تو اللہ والوں کی صحبت ڈھونڈو یا ایسے معمولی لوگوں
 سے ملو جن سے جان پہچان نہ ہو۔ ایسے لوگوں سے نقصان کم ہوتا
 ہے۔ اگر تمہارے دل میں کوئی کیفیت پیدا ہو یا کوئی علم عجیب
 آوے تو اپنے پیر کو اطلاع کرو۔ پیر سے کسی خاص شغل کی
 درخواست مت کرو۔ ذکر میں جو اثر پیدا ہو سوائے اپنے پیر
 کے کسی سے مت کہو۔ بات کو بنایا مت کرو بلکہ جب تم کو
 اپنی غلطی معلوم ہو جاوے فوراً اقرار کر لو، ہر حالت میں اللہ
 پر بھروسہ رکھو اور اسی سے اپنی حاجت عرض کیا کرو اور دین پر
 قائم رہنے کی درخواست کرو۔

سائلک کے لئے

ضروری نصائح

نصیحت نمبر ۱

پہلا قدم مرید کا اس طریق میں صدقہ (یعنی خلوص) پر ہونا چاہیے تاکہ اُصلِ صحیح پر مبنی ہو کر بنا برِ صحیح قائم ہو، اس لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ لوگ اصاعتِ اصول کے سبب (دولت) وصول سے محروم رہتے ہیں۔ پس ابتداءً تصحیح اعتقادِ فیما بین اللہ و بینہ یعنی اس کے اور اس کے خدا کے درمیان سے ہونی واجب ہے یعنی ایسے اعتقاد سے) جو پاک ہو، ظن اور شبہ سے اور خالی ہو گمراہی سے بدعات سے اور ثابت ہو برائین اور دلائل قطعیہ سے۔

نصیحت نمبر ۲

اور جب مرید اپنا اعتقاد اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستحکم کرے پھر اس پر واجب ہے کہ بقدر ضرورت، علم شریعت حاصل کرے

خواہ خود بذریعہ درس تدریس، تحقیق کر کے خواہ علماء سے پوچھ کر اتنا دہ علم، کہ اپنے فرض کو ادا کر سکے اور اگر فقہاء کے فتوے مختلف ہوں تو احوط کو اختیار کرے اور ہمیشہ اختلاف سے بچنے کا قصد کرے۔

نصیحت نمبر ۳

اس کے بعد مرید کو لازم ہے کہ کسی شیخ سے ادب حاصل کرے (یعنی تہذیب اخلاق کراوے) کیوں کہ اگر اس کا کوئی استاد نہ ہوگا تو وہ کبھی فلاح نہ پائے گا۔

نصیحت نمبر ۴

پھر جب سلوک کا ارادہ کرے تو ان تمام امور مذکورہ کے بعد اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی جناب میں اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور ظاہری و باطنی صغیرہ و کبیرہ سب گناہوں کو چھوڑ دے اور سب سے اول اہل حقوق کو راضی کرنے کی کوشش کرے جو رسالک، اہل حقوق کو راضی نہ کرے گا اس پر یہ طریقہ کچھ بھی نہ کھلے گا اور سالکین کا یہی طریقہ ہے۔

نصیحت نمبر ۵

پھر اس کے بعد تعلقات و مشاغل کے حذف کرنے میں سعی کرے کیوں کہ اس طریق کی بناء فراغ قلب پر ہے اور جب علالت سے نکلنے کا ارادہ کرے تو ابتداء خروج عن المال سے کرے کیوں کہ

مال ہی ایسی چیز ہے کہ وہ حق سے پھیر کر اپنی طرف مائل کر لیتا ہے، اور کوئی مرید ایسا نہیں پایا گیا جو اس طریق میں دنیا کا تعلق لے کر داخل ہوا ہو اور اس کو اس تعلق نے جلد ہی پھر اس چیز کی طرف نہ کھینچ لیا ہو۔ جس سے وہ نکلا تھا۔

ف مُراد مال کا وہ درجہ ہے جو حدودِ شرعیہ سے خارج ہو، یا ضرورت سے زائد اس میں انہماک ہو۔

نصیحت نمبر ۶

پھر جب مال کے تعلق سے خارج ہو لے تو واجب ہے کہ جاہ سے بھی خارج ہو کیوں کہ جاہ کو مد نظر رکھنا بھی بڑا سدا راہ ہے اور جب تک مرید کے نزدیک خلق کا قبول اور رد برابر نہ ہو جائے اس سے کچھ ظہور پذیر نہیں ہو سکتا، بلکہ سب سے زیادہ مُضر چیز اس کے لئے لوگوں کا اس کو وقت کی نگاہ سے دیکھنا اور بابرکت سمجھنا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عام لوگ اس قصہ سے متعارف ہیں حالانکہ ابھی تک اس نے اپنی ارادت بھی صحیح نہیں کی پھر اس کو بابرکت سمجھنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ لہذا جاہ سے نکلنا مریدین پر واجب ہے کیوں کہ یہ اُن کے لئے سم قاتل ہے۔

نصیحت نمبر ۷

پھر جب مال اور جاہ سے نکل چکے تو اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و ثوق کے ساتھ کرے کہ اپنے شیخ کے کسی

مشورہ کی مخالفت نہ کرے گا کیوں کہ مرید کا اپنے شیخ کے ساتھ خلاف کرنا ابتداء امر میں نہایت درجہ ضرر رساں ہے کیوں کہ جو حال ابتداء میں ہوتا ہے وہی آئینہ ہوتا ہے، اس کی ساری عمر کی حالت کا اور اس عہد کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے شیخ پر قلب سے بھی اعتراض نہ کرے۔

ف : ابتداء کی قید سے یہ شبہ نہ ہو کہ انتہا میں خلاف جائز ہو بلکہ وجہ اس قید کی یہ ہے کہ انتہا میں تو بوجہ بصیرت کے خلاف کا احتمال ہی نہیں، ابتداء ہی میں اس کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا السداد کیا گیا۔

نصیحت نمبر ۸

پھر اُس پر واجب ہے کہ اپنے راز کو چھپا دے یہاں تک کہ اپنی گھنڈی پر بھی ظاہر نہ ہونے دے یعنی اپنے خاص دوست سے بھی جس کو خاص قریب ہو ظاہر نہ کرے، مگر اپنے شیخ سے پوشیدہ نہ کرے اور اگر کسی نے اپنے ایک سانس کو بھی اپنے شیخ سے پوشیدہ کیا تو بلاشبہ اُس نے شیخ کے حقِ صحبت میں خیانت کی اور اگر شیخ کی مخالفت اس کے کسی مشورہ میں واقع ہو گئی اور اس پر متنبہ ہو گیا خواہ خود یا شیخ کی تنبیہ سے، تو لازم ہے کہ فوراً اس کے سامنے اس امر کا اقرار کرے پھر جو سزا بھی اس کی مخالفت اور قصور پر وہ تجویز کرے اس کو رنجوشی کے ساتھ تسلیم کرے۔ خواہ وہ کسی سفر

مکی تکلیف کا حکم دے یا جو مناسب سمجھے اور شیوخ کے لئے روا نہیں ہے کہ مریدین کی زلالت سے درگزر کریں، اس لئے کہ یہ اللہ کے حقوق کو ضائع کرنا ہے۔

ف : (درگزر سے مراد تنبیہ نہ کرنا ہے) باقی بعد تنبیہ کے اگر سزا معاف کر دیں جب بدون سزا کے اصلاح کی کامل اُمید ہو اس کا مضائقہ نہیں۔

نصیحت نمبر ۹

اور جب تک مرید ہر علاقے سے مجرور نہ ہو جائے اس کے شیخ کے لئے جائز نہیں ہے کہ اذکار میں سے کچھ بھی اس کو تلقین کرے بلکہ واجب ہے کہ پہلے اس کی آزمائش کر لے، پھر جب اس کا قلب مرید کے عزم کی پختگی کی شہادت دے تو اس وقت اس پر یہ شرط لگا دے کہ جو گونا گوں تقلبات قضا و قدر کے اس طریق میں اس کو پیش آویں گے اس پر راضی رہے گا اور اس سے عہد کر لے کہ وہ اس طریق سے منہ نہ موڑے گا۔ خواہ اس کو کچھ بھی پیش آئے ضرر، ذلت، فقر، امراض و آلام اور قلب سے سہولت کی جانب مائل نہ ہوگا اور فاقوں کے ہجوم اور ضرورت کے وقت رخصت کو تلاش نہ کرے گا اور تن آسانی کو اختیار نہ کرے گا، اور کسل کو اپنا شعار نہ بناوے گا رخصت اور سہولت وہ مذہوم ہے جو کسل کے سبب یا اپنی رائے سے ہو اور جو شرعی مصلحت سے ہو

اور شیخ کی رائے سے ہو، وہ مذموم نہیں۔

نصیحت نمبر ۱

اور جو ابتداء میں مُرید فقراء اور اصحابِ طریق کے مجمع میں بیٹھے تو یہ اس کے لئے سحتِ مُضر ہے اور کسی کو ایسا ابتلاء پیش آجائے تو اس کو یہ طریق اختیار کرنا چاہیے کہ شیوخ کا احترام کرے اور اصحاب کی خدمت کرے اور ان کی مخالفت کو ترک کرے اور ایسا کام کرے جس میں فقراء کی راحت ہو اور یہ کوشش کرے کہ کسی شیخ کا قلب اس سے متوحش نہ ہو اور واجب ہے کہ فقراء کی صحبت میں فقراء ہی کو اپنے نفس کے مقابلے میں صاحبِ حق قرار دے اور ان میں سے ہر ایک کا حق اپنے ذمے واجب سمجھے اور ان میں سے کسی کے ذمے اپنا کوئی حق واجب نہ سمجھے۔ اور واجب ہے کہ مرید کسی کی مخالفت نہ کرے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ حق اس کے (یعنی میرے) ساتھ ہے تو ساکت ہو جائے اور ہر ایک کے ساتھ اپنی موافقت ظاہر کرے۔ یہ مطلب نہیں کہ باطل میں دوسرے کے ساتھ ہو جائے بلکہ یہ مطلب ہے کہ اظہارِ حق کے بعد خصومت کی صورت اختیار نہ کرے کہ اس میں اضاعتِ وقت اور تکدرِ قلب ہے، اور دوسرے امور معاشرت میں اس اختلاف سے اثر نہ لے، اور ہر وہ مُرید جس میں الاعتدال سے زیادہ (ہنسنے اور سہٹ دھرمی کرنے اور جھگڑنے کی عادت ہو اس

سے اس طریق میں) کچھ نہ ہو سکے گا۔

نصیحت نمبر ۱۱

اور مرید کے آداب میں سے ظاہری کثرت اور ادب نہیں ہے بلکہ یہ جماعت تو اپنے کو خطرات سے خالی کرنے میں اور اپنے اخلاق کا معالجہ کرنے میں اور اپنے قلوب سے غفلت دور کرنے میں مشغول ہے نہ کہ تکثیر اعمال خیر میں۔ اور جو چیز ان کے لئے لابیڈی ہے، وہ فرائض اور سنن مؤکدہ کی پابندی ہے۔ باقی زاید اعمال جیسے نفل نمازوں کی کثرت، سوا س کی نسبت ذکر قلبی کا دوام ان کے لئے اکمل حالت ہے

نصیحت نمبر ۱۲

اور جب مرید دوام ذکر کا التزام کرے اور خلوت کو راجحیت پر ترجیح دینے لگے تو اگر اپنی خلوت میں بحالت نوم یا بحالت یقظ یا بین النوم والیقظ ایسے امور پائے جو اس کے قبل نہ پاتا تھا (مثلاً، بطور خرق عادت خطاب سنے یا بطور خرق عادت) کسی حقیقت معنویہ کا مشاہدہ کرے تو چاہے کہ اس کی طرف التفات بالکل نہ کرے اور نہ اس پر کچھ اطمینان کرے اور نہ اس کے مثل دوسرے حالات کے اصول کا منتظر رہے۔ کیوں کہ یہ سب حق تعالیٰ سبحانہ سے دتوجہ کی، پھرنے والی چیزیں ہیں، البتہ شیخ سے ان سب باتوں کا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ بیان کر کے اس کا قلب ان امور سے فارغ ہو جائے، اور شیخ پر واجب ہے کہ اس کے راز کی

حفاظت کرے اور دوسرے شخص سے اس کی بات کو پوشیدہ رکھے اور اس کی نظر میں ان باتوں کی تصنییر کرے یعنی کم درجہ ہونا ظاہر کرے کیوں کہ یہ تمام امور امتحانات ہیں اور ان پر اطمینان کرنا دھوکہ دہی پڑنا ہے۔ پس مرید کو ایسے امور اور ان کی جانب التفات کرنے سے ڈرانا چاہیے اور اس کی ہمت کو اس سے بالاتر مقام پر پہنچانا چاہیے۔

نصیحت نمبر ۱۳

اور احکام مرید میں سے یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے جائے قیام پر کوئی رشیخ (مرتب نہ پائے تو اس کو ایسے شخص کی طرف ہجرت کرنا چاہیے جو اس کے زمانے میں ارشادِ مریدین کے منصب پر رہن جانب اللہ) مامور ہو، اور اس کے پاس جا کر قیام کرے اور اس کی چوکھٹ سے ناوقتِ اجازت جدا نہ ہو۔

نصیحت نمبر ۱۴

اور مرید کو یہ نہیں چاہیے کہ مشائخ کے معصوم ہونے کا اعتقاد رکھے بلکہ یہ واجب ہے کہ اُن کو اُن کے احوال پر چھوڑ کر اُن کے ساتھ حسنِ ظن رکھے یعنی اگر اُجیاناً ان کا کوئی قول یا فعل حدود سے خارج معلوم ہو تو اتنی ہی بات پر اُن سے تعلق قطع نہ کرے۔ بشرطیکہ ایسے امور کی کثرت نہ ہو اور مرید کو ایسے امور کا حکم نہ دے ورنہ شائستگی کے ساتھ اُن سے جدا ہو جائے)

نصیحت نمبر ۱۵

اور اس طریق کی دشوار ترین آفات میں سے امارہ کی صحبت ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اس میں کچھ بھی مبتلا کیا تو تمام شیوخ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ایسا شخص ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اہانت کی اور اس کو رسوا کیا۔

نصیحت نمبر ۱۶

اور مرید کے آفات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے نفس میں اخوانِ طریقت پر حسدِ خفی داخل ہو اور اگر اللہ عز و جل نے اس کے ہم مشربوں میں سے کسی کو اس طریق میں کوئی خاص امتیاز عطا فرمایا ہو اور خود اس سے محروم ہو تو اس امر سے اس کو متاثر ہو۔ اور (ایسی حالت میں اس شخص کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اور سب مقسوم ہو چکے ہیں۔)

نصیحت نمبر ۱۷

اور مریدین کے آداب میں سے یہ ہے کہ حدارت کے درپے نہ ہوں اور نہ اس بات کے کہ ان کا کوئی شاگرد اور مرید ہو کیوں کہ مرید جب بشریت کے فنا ہونے کے قبل اور آفات مرید کے زائل ہونے سے پیشتر مراد ہو جائے تو وہ حقیقت سے محجوب ہے اس کا مشورہ اور تعلیم کسی کو نافع نہ ہوگا۔

نصیحت نمبر ۱۸

اور اس طریق کی بناء اور مدار آداب شریعت کی حفاظت پر ہے اور ہاتھ کو حرام و مشتبہ کی طرف بڑھنے سے محفوظ رکھنے پر اور حواس کو ممنوعات و شرعیہ سے بچانے پر اور انفاس کو غفلتوں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنے پر اور اس پر کہ ایک رادفی، تل کو جس میں شبہ ہو ضرورتوں کے وقت بھی حلال نہ سمجھے، اور عدم اضطراب اور راحتوں کے وقت تو ذکر ہی کیا ہے اور مرید کی شان سے یہ ہے کہ ترک شہوات میں مجاہدہ دائمی کرے، کیوں کہ جس شخص نے اپنی شہوت کی موافقت کی، اپنی صفوت و برگزیدگی کو معدوم کیا اور سب سے بدتر خصلت مرید کی یہ ہے کہ جس شہوت کو اللہ تعالیٰ کے واسطے چھوڑ چکا ہو، پھر اس کی طرف رجوع ہو جائے۔

نصیحت نمبر ۱۹

اور مرید کی شان سے بلکہ اس مسلک کے جتنے سالک ہیں سب کا طریقہ یہ ہے کہ عورتوں کی نرمی (اور ملاطفت کو) قبول نہ کریں، جب اس نرمی کا قبول کرنا بھی منع ہے تو اس کی کھیل کے اسباب اختیار کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے اور شیوخ کا یہی مسلک رہا ہے اور اسی کے موافق ان کے احکام جاری ہوئے ہیں اور جو اس کو ایک چھوٹی بات سمجھا۔ اس کو عنقریب ایسے امور کا سامنا ہوگا جس سے وہ رسوا ہو جائے گا۔

نصیحت نمبر ۲۰

اور مُریدین کی شان سے یہ بھی ہے کہ طالبانِ دنیا سے دُوری اختیار کریں۔ کیوں کہ اُن کی صحبت وہ زہر ہے جس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ اس شخص کا اتباع نہ کیجئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور اہلِ زہد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے کھٹلی سے مال خرچ کرتے ہیں۔ اور اہلِ صفا اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل کرنے کے لئے قلب سے مخلوق کو رُعموماً اور شناساؤں کو رخصوصاً خارج کرتے ہیں۔

دیگر نصائح

نصیحت نمبر ۱

عبادت کر کے عذور کرنے والے سے گناہ گار توبہ کرنے والا بہتر ہے۔

نصیحت نمبر ۲

خدا تعالیٰ سے دل لگ جانے کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی کسی چیز سے دل بستگی اور دل چسپی نہ ہو۔

نصیحت نمبر ۳

موت کو تیکے کے نیچے رکھ کر سوؤ اور جب اٹھو زندگی کی امید زیادہ مت رکھو۔

نصیحت نمبر ۴

گناہ کو چھوٹا نہ سمجھو، بلکہ گناہ کو بڑا جانو، جس نے گناہ کو چھوٹا سمجھا گویا اس نے خدا تعالیٰ کو چھوٹا سمجھا۔

نصیحت نمبر ۵

نفس کی ہر وقت نگہبانی رکھو۔

نصیحت نمبر ۶

گناہ سے بچنا عبادت سے زیادہ اہم ہے۔

نصیحت نمبر ۷

حلال روزی تھوڑی، حرام روزی کثیر سے ہر طرح بہتر ہے،

عزت قناعت میں ہے، راحت زہد میں ہے۔

نصیحت نمبر ۸

صبر قوی یہ ہے کہ اپنے حقے پر راضی ہو۔

نصیحت نمبر ۹

مردانگی کی بات یہ ہے کہ علم دین سکھے اور عمل کامل کہ جس کے

ساتھ اخلاص ہو اور قناعت پوری اور صبر جمیل۔

نصیحت نمبر ۱۰

جو آدمی خدا کا حکم اپنی مراد کے مقابلے میں ترک کرے اس سے

بھیڑ اچھی ہے کہ چروائے کی آواز اس کو چیرنے سے باز رکھتی ہے۔

نصیحت نمبر ۱۱

نیک کام سے بہتر نیک کی صحبت بد کام سے بدتر بد کی صحبت

نصیحت نمبر ۱۲

مدرفت کی بات یہ ہے کہ اپنے اندر ذرہ برابر عجب و غرور نہ پائے۔

نصیحت نمبر ۱۳

جو نظر نصیحت و عبرت لینے کے خیال سے نہ ہو وہ سر اسر غفلت اور باعثِ ذلت ہے، آزادی خواہش نفسانی کو پاؤں کے نیچے رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ حد ترک کر دینے سے محبت الہی حاصل ہوتی ہے۔

نصیحت نمبر ۱۴

جب بات کہو تو کہو، خواہ غصے میں ہو یا خوشی میں

نصیحت نمبر ۱۵

موت کے وقت تین قسم کے آدمی حسرت سے جدا ہوتے ہیں ایک وہ جو مال جمع کرتے کرتے آسودہ نہ ہوا تھا، دوسرے وہ کہ وہ چیز حاصل نہ کی کہ جس کا وہ آرزو مند تھا، تیسرے وہ کہ جس نے آخرت کا سامان تیار نہ کیا تھا۔

نصیحت نمبر ۱۶

ایسے مصاحب کی صحبت سے پرہیز کرو جس سے تمہیں آخرت کا فائدہ نہ ہو، اہل زمانہ دنیا داروں کی دوستی بازاری فالودہ کے مانند ہے کہ خوش رنگ اور بد مزہ ہوتا ہے۔ حضرت حسنؓ کا ارشاد ہے کہ ہرگز راگ گانامست سنو، اگرچہ تم مردوں میں مردانگی کا درجہ رکھتے ہو

نصیحت نمبر ۱۷

جو شخص بہ نسبت خدا کی یاد اور مناجات کے لوگوں کے ساتھ

بات کرنا بہت پسند کرتا ہو اس کا علم تھوڑا، دل اندھا، عمر برباد۔

نصیحت نمبر ۱۸

جو شخص دنیا کو دوست رکھتا ہے، ادنیٰ بات یہ کہ اس کے دل سے حق تعالیٰ اپنی مناجات اور ذکر کی لذت لے لیتے ہیں۔

نصیحت نمبر ۱۹

جو شخص دنیا میں خواہشِ نفس کا طالب ہوتا ہے۔ شیطان اس کی تلاش سے بے فکر ہو جاتا ہے، کیوں کہ وہ شخص خود بے راہ ہے تو کیا ضرور کہ شیطان اس کی تلاش کرے تاکہ اسے بے راہ بناوے

نصیحت نمبر ۲۰

حضرت شیخ محمد واسع بہت بڑے اولیاء میں سے گذرے ہیں ان سے ایک شخص نے نصیحت چاہی، آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی وصیت کرتا ہوں جس کی بدولت تو دنیا کا بادشاہ بن جاوے اور آخرت میں چین پانے والا وہ وصیت یہ ہے کہ تو دنیا میں زندہ کو اختیار کر اور کسی شخص کے ساتھ حرص و طمع نہ کر اور تمام مخلوق کو خدا کا محتاج سمجھ، پھر ضروری ہے کہ تو سب سے بے نیاز اور مستغنی ہو جائے گا، اور یہی بادشاہ بنا ہے۔

نصیحت نمبر ۲۱

آدمی پر خرابی چھ چیزوں سے آتی ہے۔
۱۔ آخرت کے کام میں نیت کی کمزوری۔

- ۲- شیطان کے حکموں کی فرماں برداری۔ وکوشش کرنا۔
- ۳- باوجود موت کی نزدیکی کے اُمیدچی و رازی کا غالب ہونا۔
- ۴- خدا تعالیٰ کی رضا پر مخلوق کی رضا مندی کو اختیار کرنا۔
- ۵- خواہش نفسانی کی پیروی کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کرنا۔
- ۶- گذشتہ بزرگوں کی بھول چوک کو اپنے لئے حجت قرار دینا اور ان کے ہنروں کو دفن کر دینا۔

نصیحت نمبر ۲۲

خدا نے تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ خدا نے تعالیٰ کے محبوب کی پیروی، اخلاق، افعال، احکام اور سنتوں میں کرے۔

نصیحت نمبر ۲۳

یہ دس خصلتیں ایسی ہیں کہ جو دنیا میں آخرت میں کام بنائیں۔
 بات حق بصدق۔ باخلق بانصاف۔ بالنفس بقہر۔ بابزرگان بخدمت
 باخوروان بشفقت۔ باور و لیاں لبجاوت بادوستاں بہ نصیحت
 بادشمتاں بحلم۔ باجاہلاں بجموشی۔ باعالماں بتواضع۔

نصیحت نمبر ۲۴

مخلوق میں رہو اور جدا رہو۔ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ اور دل خالق کے ساتھ تاکہ غفلت نہ ہو جائے کہ جس کے سبب مخلوق کی موافقت اس طرح کر بیٹھو کہ جس میں مخالفت و ناراضی خالق کی ہو جائے۔

نصیحت نمبر ۲۵

حق تعالیٰ کی قربت و محبت کی پہچان یہ ہے کہ جس قدر چیزیں
اللہ تعالیٰ کی محبت سے باز رکھنے والی ہوں ان سب کو چھوڑ دے۔

نصیحت نمبر ۲۶

توبہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ توبہ انابت (۲) توبہ استجابت

توبہ انابت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے
گناہوں سے توبہ کرے۔

توبہ استجابت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی شرم سے توبہ کرے یعنی
اس سے شرمندہ ہو کہ خدا تعالیٰ بہت بزرگ و برتر ہیں جو عبادات
میں کرتا ہوں ان کی بزرگی کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔

نصیحت نمبر ۲۷

ہر عضو کی توبہ ہے، دل کی توبہ یہ ہے کہ حرام کے
چھوڑنے کا قصد اور نیت کرنا۔ آنکھ کی توبہ یہ ہے کہ حرام کی ہوئی
چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھنا۔ کان کی توبہ یہ ہے کہ بے ہودہ باتوں
کا نہ سنا، ہاتھ کی توبہ یہ ہے کہ منع کی ہوئی چیزوں کی طرف نہ
بڑھانا، پاؤں کی توبہ یہ ہے کہ منع کردہ چیزوں کی طرف نہ چلنا
پیٹ کی توبہ یہ ہے کہ حرام چیزوں کا نہ کھانا ان سے دور رہنا شرمگاہ
کی توبہ یہ ہے کہ فحش کام زنا و بدکاری سے دور رہنا۔

نصیحت نمبر ۲۸

کمینڈ وہ شخص ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ سے بے خبر ہو اور پھر اس کو دریافت نہ کرے۔

نصیحت نمبر ۲۹

حضرت شیخ بابرید بسطامی قدس سرہ العزیز سے لوگوں نے کہا آپ بڑے صاحب کرامت ہیں کہ پانی کی سطح پر چلتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ کرامت نہیں۔ لکڑی کے ذرا ذرا سے ٹکڑے پانی پر چلتے ہیں، لوگوں نے کہا اچھا یہ تو کرامت ہے کہ آپ ہوا میں اڑتے ہیں آپ نے فرمایا، یہ بھی کچھ کرامت نہیں، ذرا ذرا سے بھنگے ہوئے اڑتے ہیں۔ لوگوں نے کہا، یہ تو ضرور بڑی کرامت ہے کہ ایک رات میں مکہ معظمہ جاتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ بھی کچھ نہیں، کیوں کہ جا دوگر ایک رات میں ہندوستان سے کوہ دیانند تک پہنچتے ہیں۔ پھر لوگوں نے کہا اچھا آپ ہی فرمائیے کہ کار سرواں اور کرامت کیا ہے؟ فرمایا کہ کرامت یہ ہے کہ دل سوائے خدا کے عزوجل کے کسی میں نہ باندھے۔

نصیحت نمبر ۳۰

اپنے شیخ سے ایسا معاملہ کرو جیسا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں کچھ مخالفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ ہوئی اور ایسا شیخ چاہیے جیسا کہ حضرت جنید کا ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم کو دانتوں میں لیوے

اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو بائیں ہاتھ میں ، اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں چلے تاکہ نہ شبہ کے گڑھے میں گرے اور نہ بدعت کی تاریکی میں پھنسے۔

نصیحت نمبر ۳۱

خدا نے تعالیٰ کی نظر میں عزیز ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ کو اپنا نفس ذلیل و خوار نظر آوے اور خدا تعالیٰ کی نظر میں ناپسندیدہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ کو اپنا نفس عزیز نظر آوے اور اپنے عیوب پوشیدہ۔

تصالح متفرقة

دوازدہ کلمات

امیر المؤمنین یعسوب الدین امام المشرق والمغرب حضرت علی
کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے خدائے تعالیٰ کی کتاب (توریت شریف)
سے بارہ کلمات منتخب کئے ہیں، اور ہر روز میں ان میں تین بار غور
کرتا ہوں۔

اور وہ کلمات حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو ہرگز کسی شیطان اور حاکم
سے نہ ڈر جب تک کہ میری بادشاہت باقی ہے۔

نمبر ۲

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو کھانے پینے کی فکر نہ کر
جب تک میرے خزانے کو تو بھر پور پاتا ہے اور میرا خزانہ ہرگز
خالی اور ختم نہ ہوگا۔

نمبر ۲

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان جب تو کسی امر میں عاجز ہو جائے تو مجھے پکار تو البتہ مجھے پائے گا اس لئے کہ تمام چیزوں کا دینے والا اور نیکیوں کا دینے والا میں ہوں۔

نمبر ۳

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تحقیق کہ میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں، پس تو بھی میرا ہی ہو جا اور مجھ ہی کو دوست رکھ۔

نمبر ۴

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو مجھ سے بے خوف نہ ہو جب تک کہ تو پل صراط سے نہ گذر جائے۔

نمبر ۵

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان میں نے تجھ کو خاک، لطفہ، علقہ اور مضافہ سے پیدا کیا اور بکمال قدرت پیدا کرنے میں عاجز نہیں ہوا۔ تو پھر دوڑوٹی دینے میں کس طرح عاجز ہوں، پس تو دوسرے سے کیوں مانگتا ہے؟

نمبر ۶

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان میں نے تمام چیزیں تیرے لئے پیدا کی ہیں اور تجھ کو اپنی عبادت کے لئے لیکن تو اس چیز میں پھنس گیا جو تیرے ہی لئے پیدا کی تھی اور غیر کی وجہ سے مجھ سے

دوری اختیار کر لی۔

نمبر ۸

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تمام چیزیں اور ہر شخص اپنے لئے کوئی چیز طلب کرتا ہے اور میں تجھ کو تیرے لئے چاہتا ہوں اور تو مجھ سے بھاگتا ہے۔

نمبر ۹

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہو جاتا ہے اور تم کبھی میری وجہ سے اپنے نفس پر ناراض نہیں ہوتا

نمبر ۱۰

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تجھ پر میری عبادت ضروری ہے اور مجھ پر تجھے روزی دینا مگر تو اپنے فریضے میں اکثر کوتاہی کرتا ہے اور میں تجھے روزی دینے میں کبھی کمی نہیں کرتا۔

نمبر ۱۱

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو آئندہ کی روزی بھی آج ہی طلب کرتا ہے اور میں تجھ سے آئندہ کی عبادت نہیں چاہتا۔

نمبر ۱۲

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان جو کچھ میں نے تجھ کو دیدیا ہے اگر تو اس پر راضی ہو جائے تو ہمیشہ آرام و راحت میں رہے گا اور اگر تو اس پر راضی نہ ہو تو میں تجھ پر دنیا کی حرص مسلط کر دوں گا کہ وہ تجھ کو در بدر پھرانے لگے کی طرح دروازوں پر ذلیل کر لے اور پھر بھی توشے مقدر کے علاوہ کچھ نہ پائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

تہذیب شریعت و تصوف

مخترمان اصحاب سلوک کی خدمت میں یا ادب گذارش ہے کہ سلوک اپنی ذات میں نہایت لطیف اور نہایت و نراکت کو لئے ہوئے ہے جس کو میرے مرشد حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ سلوک نہایت لطیف چیز ہے اور لطیف بھی کیا؟ رُوح سے لطیف اور کونسی رُوح؟ فرمایا فرشتے کی رُوح، اس رُوح سے بھی لطیف ہے۔ تو ایسی لطیف چیز کے ساتھ کس درجہ حُسن سلوک چاہیئے احسن سلوک ہو، اور کیوں نہ ہو کہ اسی کا نام شرع شریف کی اصطلاح میں بلسانِ جبرئیل علیہ السلام احسان سے تعبیر کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ما اَلْاِیْمَانُ اور ما اَلْاِسْلَامُ سے سوال کرنے پر ایمان و اسلام کی حقیقت و باہتت ترکیبہ دریافت ہونے پر ان کے ساتھ حُسن سلوک کا سوال کیا کہ ما اَلْاِحْسَانُ آپ نے فرمایا اِنَّ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا نَدَّ تَرَاةً فَاَنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاةً فَاِنَّهٗ يَرَاكَ کہ آپ نے جو ایمان کی حقیقت سے سوال کیا ہے اور وہ قلبی تصدیقی چیز ہے اور اسلام سے

سوال کیا ہے جو جوارج و اعضا سے متعلق خارجی عملی چیز ہے ان دونوں عبادتوں کا اس طرح کرنا ہو کہ تو جس ذات اللہ کی عبادت کر رہا ہے اس طرح عبادت کر کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ حال ابھی نہیں ہے جو کہ وہ کائناتاً نیک ہے تو یہ تو ہے کہ وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے یعنی تیری یہ عبادتیں گویا مُعَانِيَةٌ اور مُشَاهَدَةٌ کے طریق سے ہوں مُعَانِيَةٌ و مُشَاهَدَةٌ کے ساتھ ہوں کہ جس کو سُلوک کی اصطلاح میں فناء کہتے ہیں۔

پس جب یہ مطلوب ہے تو اس کے حصول کے طرق ضرور ہوں گے اُن طرق کا اختیار کرنا ضروری ہو گا وہ طرق اس راہ کے تجربہ کار صاحب علم و وحی، صاحب ذوق و وجدان سے تعلیم لیتے ہوں گے۔ تجلوس و صدق و بقاء اپنی رائے، اپنا علم، اپنا تجربہ، اپنا ذوق، اپنا شوق، یعنی اپنے سب جذبات خیالات فناء کرنا ہوں گے۔ پس جب سالک کو تجلوس و صدق و بقاء یعنی خدا کی راہ پر چلنے اس کے صراطِ مستقیم پر کامرین ہونے کی توفیق ہوتی ہے تو منجانب اللہ اس سے سالک کا قلب الوارِ ہدایت سے منور کر دیا جاتا ہے اور ضلالت و گمراہی سے صاف کر دیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ **يَهْدِي اللهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ** کیوں کہ طالبِ حق کی اول نعم درست ہوتی ہے تب ہی تو وہ طالبِ حق ہو کر داخلِ سُلوک ہو یا یہ بصیرت ہے۔ پھر وہ احکام کو قبول کرتا ہے یہ ہدایت ہے پھر ہدایت کا ثمر یعنی قُرب و قبولِ عنایت ہوتا ہے یہ رحمت ہے اس کا ذکر اس آیت شریفہ میں ہے۔ **بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ**

اس نور کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی طرف سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے اپنے معاصی کو یاد کر کے عنانِ استغفار ہاتھ میں لے کر غفورِ رحیم و قبلہ حاجات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پس اس وقت وہ جانتا ہے اس کو اس کی بصیرت رہبری کرتی ہے کہ یہ راہ بلا کسی مرشدِ کامل کی درگاہ کی جنبہ سانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اب وہ اس کی تلاش میں بے چین ہوتا ہے اور وہ جامعِ شریعت و طریقت کی غلامی کو فخر سمجھتا ہے۔ پس وہ توفیق و فضلِ الہی سے ایسے مرشد کو پالیتا ہے اور اس کی چوکھٹ پر جا پڑتا ہے تاکہ شیطانی وساوس اور ہوائے نفسانی سے بتوجہ شیخ بتوفیق خداوندی محفوظ رہ سکے اور اپنے امراضِ باطنی کے لئے اسی حکیم صادق کے تعلیم کئے ہوئے نسخہ کو استعمال کرے کیوں کہ جب تک اندرونی امراضِ حسد، بخل، غرور، تکبر، کینہ، ریا، حُبِ جاہ، حُبِ مال، حُبِ دنیا، غصہ، حرص و طمع وغیرہ کا السدا و ازالہ نہ ہو جائے گا اور ان کی جگہ اخلاص، علم، حلم، سخاوت، خاکساری، تحقیرِ نفس، کم خوری، کم آرام طلبی، کم گفتگو، قناعت، صبر و شکر، توکل، تسلیم و رضا، توفیق، یقین وغیرہ، محبتِ الہی، خوفِ الہی، شوقِ اتباعِ سنت، اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ پیدا ہوں گے اس وقت تک دُصول و قُبول الی اللہ تعالیٰ نہیں ہو سکتا۔ انہیں فرانس کی خاطر مرشد کے سامنے زانوئے ادب طے کرنا ضروری کیا گیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ

الصَادِقِينَ اور دوسری جگہ فرمایا وَ اتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اور سچوں کے ساتھ رہو یعنی جو صادق العلم صادق القول صادق العمل، صادق الحال ہوں ان کے ساتھ رہو اور فرمایا کہ جس کا میلان میری طرف ہو اس کا اتباع ہو۔

ان دونوں آیتوں میں صیغہ امر کا ہونے سے معلوم ہوا کہ یہ حکم و جوبی حکم ہے اسی لئے بیعت کرنا اور مرشدِ کامل کی جبہ سائی اور دامن پکڑنا ایسا عمل ہے جو حضرت رسالتِ نابِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف بھی منسوب ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يٰۤاٰيُوۡنُكَ اِنَّمَا يٰۤاٰيُوۡنُ اللّٰهَ اور فرمایا اذِ يٰۤاٰيُوۡنُكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ نِيۡرَ پيشوا اِيۡاِنِ اسۡلَامِ كَا اِرۡشَادِ ہے کہ جو شخص رب العالمین کی ہم نشینی کرنا چاہتا ہے اس کو حضراتِ صوفیاء کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے اس کو مولانا روم نے اس طرح فرمایا ہے

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا ۛ گونشیند در حضور اولیاء

اور یہ گویا ترجمہ ہے اس حدیثِ قدسی کا جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّا عِنْدَ الْمُنۡكَسِرَةِ قُلُوۡبُهُمۡ کہ میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے قلوب منکسر ہوتے ہیں چوں کہ یہ ظاہر ہے کہ یہ حال حضراتِ صوفیاء ہی کا ہوتا ہے کہ ہر وقت انکسار، افتقار اور فنایت اور لاشیئیت کی کیفیات ان پر غالب رہتی ہیں اس لئے ان کے دل دنیا

سے افسردگی اور شکستگی لئے ہوئے رہتے ہیں۔ جیسے کوئی دینی صدمہ اور نقصان اٹھائے ہوئے ہو تو افسردگی کی کیفیت اس پر ہر وقت غالب رہتی ہے اس لیے اگر کوئی کچھ گرم و سرد کہہ دیتا ہے تو یہ خاموش رہتا ہے کیوں کہ اس کا ہر وقت اسی نقصان و صدمہ کی طرف دھیان لگا رہتا ہے ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ حضرات صوفیاء پر ہر وقت حق تعالیٰ کی معرفت کا اثر یعنی رعب عظمت و جلالت اور ہیبت و دہشت روز قیامت ان پر مستولی اور غالب رہتی ہے اس لیے ان کو کوئی کچھ بھی کہہ لیتا ہے مگر انہیں غصہ نہیں آتا۔ وہ کسی پر غصہ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی طبیعت میں اس کی طرف سے کچھ کھٹاس اور نفرت رکھتے ہیں بلکہ صاف دل رہتے ہیں اور بدستور برا کہنے والے سخت الفاظ کہنے والے کے ساتھ وہی خوش اخلاقی اور ملاطفت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ عرض حضرات صوفیاء کرام کے قلوب ہمہ وقت تجلیات الہیہ النوار ذات سبحانی سے منور و متجلی رہتے ہیں۔ ہر وقت خدائے تعالیٰ کے ساتھ اور خدائے تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان حضرات کی ہم نشینی خدا ہی کی ہم نشینی ہوتی ہے۔

اور چونکہ ہمارے شیوخ نابین رسول ہیں اس لیے ان کا ادب احترام خدمت ضروری ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ کہ شیخ اپنی جماعت میں ایسا ہوتا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں ہوتا ہے۔ پس جو شخص اپنے تمام اوقات کو شیخ

کامل کی خدمت میں صرف کبر دے گا اور اپنے نفس کا اختیار کلی شیخ کو دے دیتا ہے اس کے متعلق قومی امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اس کو ضرور مقصود حاصل ہو جائے گا۔

عزیزانِ من! ہر مرض کا علاج جداگانہ ہے اس وجہ سے امراضِ قلبی میں طبیبِ روحانی حاذق یعنی شیخ وقت ہر مرض کو علیحدہ علیحدہ دوا، معالجہ، طرق و تدابیر تعلیم فرماتا ہے لیکن اس موقع پر مختصر سا اصولاً و اجمالاً طریقِ سلوک لکھا جاتا ہے یوں تو سلوک کے طریقے لاتعداد ہو گئے ہیں مگر ان سب میں تین راستے بہت قریب کے ہیں اور بیشتر اشخاص ان کے متحمل ہیں۔

وہ یہ ہے کہ تمام شرعی فرائض پہلا طریقہ صلحاء و اختیار کا ہے

واجبات اور سننِ موکدہ نماز

روزہ تلاوتِ قرآن پاک اور حسبِ موقع زکوٰۃ، حسبِ موقع حج، حسبِ موقع جہاد، سب ہی کچھ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس طریق میں منزلِ مقصود تک رسائی دیر میں ہوتی ہے۔

دوسرا طریق مجاہدات و ریاضات کا ہے

وہ یہ ہے کہ ان امورِ مذکورہ طریقہ اولیٰ کے

علاوہ تمام اخلاقی غلطیوں کو تباہیوں کو، خوبوں، اچھائیوں سے تمام غلط کاریوں، بد اخلاقیوں کو اخلاقِ حمیدہ، اخلاقِ فاضلہ سے بدل دے یہ وہ طریق ہے جس میں اکثر فائز المرام ہوتے ہیں۔ واصلِ بحق ہوتے ہیں

اور یہ طریق ابرار کا ہے۔

تیسرا طریقہ شطاریہ کا ہے | وہ یہ ہے کہ تمام علاقہ دنیا سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور انسانی صحبتوں سے

جُدا رہتے ہیں ان کا مصلح نظر سوائے درد و اشتیاق کے ذوق و شوق ذکر و شکر کے کچھ نہیں ہے ان کی نظر میں کشف و کرامات تک کچھ مستحسن نہیں بس اپنے اوقاتِ عزیز کو مَوْتُو اَقْبِلْ اَنْ تَمُوْتُو اِکْمَلْ اِسْتِقَامَتِیْنِ مِیْنِ صِرَافِ کَرْتِیْنِ، یہ طریق پہلے دو طریقوں سے جلد مقصدِ حقیقی قریب آگئی، واصل بحق ہونے میں بفضلِ حق اکمل و اتم ہے اس سے سالک جلد تر مقصد تک پہنچ جاتا ہے۔

مَوْتُو اَقْبِلْ اَنْ تَمُوْتُو اِکْمَلْ اِسْتِقَامَتِیْنِ مِیْنِ صِرَافِ کَرْتِیْنِ

منہرہ کے شروع میں ذکر کی جا چکی ہے ضمناً پھر یہاں بیان کی جاتی ہے۔ اور وہ ذرا لُح اس طریق میں معنی مَوْتُو اَقْبِلْ اَنْ تَمُوْتُو اِکْمَلْ اِسْتِقَامَتِیْنِ مِیْنِ صِرَافِ کَرْتِیْنِ، تو بہ یعنی کوئی مطلوب سوائے خدا کے نہ ہو جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

دوسرے: زہد یعنی دنیا و مافیہا سے کچھ تعلق نہ رکھے جیسا کہ بوقتِ موت ہوتا ہے۔

تیسرے: توکل یعنی اسبابِ ظاہری کو ترک کر دے۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

چوتھے: قناعت یعنی نفسانی و شہوانی خواہشوں کو ترک کر دے جیسا کہ

موت کے وقت ہوتا ہے۔

پانچویں، عزالت یعنی لوگوں سے کنارہ کشی اور القطار اختیار کرے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

چھٹے، توجہ یعنی خدا ہی کی طرف توجہ کرے اور اغراض کو اسی سے متعلق رکھے۔ جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے۔

ساتویں، صبر یعنی تمام نفسانی لذات کو چھوڑے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے

آٹھویں، رضا یعنی اپنے نفس کی رضا مندی چھوڑے اور اللہ کی رضا پر رضا

مندرجہ اور اس کے ازلی احکام کا پابند ہو جاوے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے

نویں، ذکر یعنی اللہ کے ذکر کے سوا تمام اذکار کو ترک کر دے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے

دسویں، مراقبہ یعنی اپنی تمام قوت و اختیار کو چھوڑ دے جیسا کہ موت کے وقت ہوتا ہے

پس ہر طالب کو چاہیے کہ پہلے اتباعِ شیخ سے تمام بجا خلاقیتوں

سے جو کہ لوازمِ مادیت سے ہیں اپنے کو صافی بنائے اور محفوظ رکھے اور

اپنے کو کمالات و محاسن و مکارمِ اخلاق کا جامع بنائے اور دل میں

سوائے خدا کے کسی کے خیال کو جگہ نہ دے حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کی

توفیق عطا فرمائیں۔ صَلَّى اللهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ۝

الحق محمد بن عبد الله عنده

تمت بالخیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکتوباتِ ثلاثہ

مکتوب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- نعمۃ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد
- (۱) اِنَّ النَّفْسَ لَا مَارَةَ بِالْمَسْوٰءِ
- (۲) لَا اَقْسَمُ بِالنَّفْسِ الْوٰرِثَةِ
- (۳) یٰ ایتھا النفس المطمئنۃ

مخلص محبت من عزیز مکرم بندہ سلمہ اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آن عزیز پر واضح ہو کہ صاحب ارادت
وسالک پر نفس کی کیفیات سے واقف ہونا اور علامات سے
شناسا ہونا اور شناخت رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ ہمہ وقت اس پر

نظر ہو اور نگرانی سہل تر ہو۔ اس سے تغافل ہو کر خدا نخواستہ
تغلب نہ ہو۔

عزیزِ من! نفس تو ایک ہی ہے لیکن اس کی کیفیات تین

طور پر ہیں۔

۱۔ نفسِ امارہ ۲۔ نفسِ لوامہ ۳۔ نفسِ مطمئنہ

نفس کی اصل جبلت امارہ ہونا ہے پھر لوامہ ہو جاتا ہے
پھر مطمئنہ بن جاتا ہے۔

نفسِ امارہ کو امارہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ برائیوں
کا حکم کرتا ہے اور اس کی یہ عادتِ خبیثہ یہاں تک

ہے کہ معمولی شہوتِ دنیوی کے عوض آخرت ہی کو بیچ دیتا ہے
چنانچہ اس کے خصائص سے یہ ہے۔

نفسِ امارہ کی صفات اور اوصاف
نجل، حرص، حسد، جہل، کبر، شہوت
غضب، غفلت، طمع، کذب، ریا،

لیفٹ، بد خلقی، لالچی امور میں مشغولی۔ استہزائے زبان و ہاتھ سے ایذا
رسانی۔ کینہ۔ طویل طویل خواہشات اور غیبت۔ یہ سب اس کے
خصائص و صفات سے ہیں۔

نفسِ امارہ کی جبلت کے باعث اس طرح
ظلمات میں رہتا ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز ہی

نہیں کرتا بلکہ عزیزِ من! شیطان کا اس کے اعزاز میں وسیلہ اور آلہ کار

بنائے۔ میرے مخلص عزیز! تمہارے دو دشمنوں میں یہ بڑا دشمن کے
اس سے بہت ہی زیادہ ہوشیار اور بیدار رہنا چاہیے جس کا طریق یہ ہے

طریق اصلاحِ نفسِ امارہ (۱) علمِ شریعت سے واقفیت (۲)
ہر آن اپنے نفس کا محاسبہ (۳) اس کو

موت سے عذابِ قبر سے، قیامت کے ہولناک حالات سے ڈرتے رہنا
(۴) اپنے لئے عجز و ذلت، انکسار و مسکنت اور خضوع اختیار کرنا
نوافل اور قسم قسم کی نیکیوں کے ذریعے تقرب الی اللہ کو بفرع و ابتہال لازم
پکڑنا تاکہ اللہ تعالیٰ اس نفسِ امارہ کی طبعی ظلمت سے نکال دیں۔

عزیز من! ایسا ہرگز نہ ہو کہ گھبرا کر اور ملول ہو کر دعا کرنا چھوڑ
انتباہ دو۔ یا کامیابی اور فتح کو بعید سمجھ کر مست اور تنگدل
ہو جاؤ۔ کیوں کہ یہ چیزیں مرید کے رشتہ ہی کو منسوخ کر دینے والی
ہیں۔ بلکہ جو چیزیں تعلیم کی گئی ہیں ان میں نہایت تندہی اور چستی سے
لگو اور مولیٰ محبوب حقیقی سے غافل کرنے والی چیزوں سے اعراض کرو۔
لا یعنی امور میں مشغولی کو ترک کرو۔

پس اس مرتبہ نفسِ امارہ میں یہ سب کام تمہارے کرنے کے
ہیں۔ تاکہ نفسِ امارہ سے رہائی ہو۔ یہ نفسِ امارہ کا بیان تھا۔

نفسِ لوامہ کو لوامہ اس لئے کہتے ہیں کہ نفس جب
کسی برائی میں واقع ہوتا ہے تو صاحبِ نفس کو

ملامت کرتا ہے۔

خصائص و صفات نفس لوامہ

بلاامت، ہومی، مکر، عجب، ریا،
ظلم، غیبت، کذب، غفلت،

حُب جاہ، حُب شہوت، اس نفس لوامہ کے ساتھ کبھی محض صفات نفس
امارہ کے بھی پائے جاتے ہیں۔

فرق درمیان امارہ و لوامہ

باوجود بعض صفات میں مشارکت
کے امارہ اور لوامہ میں یہ فرق ہے

کہ لوامہ حق کو حق، باطل کو باطل، فاسد کو فاسد اور قبیح کو قبیح سمجھتا
ہے۔ اور یہ نسبت پہلے کے زیادہ سمجھتا ہے کیوں کہ اس مرتبہ میں
اس کو ملکوتی روشنی سے جس کو اللہ تعالیٰ سالک کے قلب میں روشن
فرماتے ہیں کچھ روشنی مل جاتی ہے جس کے باعث سالک مجاہدہ کے
ذریعے صفات ذمیہ و ردیہ سے خلاصی نجات پائے اور اخلاق حمیدہ
سے متعلق و متصف اور آراستہ و مزین ہو جائے۔ لیکن ابھی تک
وہ خلاصی نہیں پائے ہوتا۔ البتہ شرع شریف کی متابعت کی رغبت
اس میں پیدا ہو چکی ہوتی ہے اور اس کے لئے مجاہدہ کا خیال بھی پیدا
ہو جاتا ہے اسی لئے اس مرتبہ میں اس سے کچھ اعمال صالحہ بھی ہوتے رہتے
ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، تلاوت، کچھ تسبیحات وغیرہ
لیکن ان اعمال صالحہ میں رذائل کی بھی آمیزش ہوتی رہتی ہے۔ جیسے
ریا، عجب، طلب مدح ہونا، اپنے اعمال صالحہ پر مخلوق کی تعریف و ثنا
کی خواہش کا ہونا۔ اب اس حالت پر پہنچ کر نگرانی کے ساتھ اپنی برائیاں

اپنے عیوب کا استحضار ہوتا رہتا رہے اور اس سے تغافل انقطاع کا سبب ہو جاتا ہے۔

پس اس سے خلاصی پانے کیلئے دو کام کرنے ہوتے ہیں (۱) ایک مجاہدہ (۲) دوسرے کثرتِ ذکر۔

طریقِ خلاصی

اب اس مقام پر تہجدی افعالی کا ظہور ہو گیا تو عجب وریا کا خاتمہ ہو جائے گا کیوں کہ سالک اس وقت کسی

طریقِ ترقی

عمل کو اپنا سمجھے ہی گا نہیں تو عجب کس عمل پر کرے گا۔ وہ تو۔

عزیز من! ہمہ وقت اپنے خالق و مالک کی حمد و شکر میں لگا رہے گا

اور خوف کرتا رہے گا کہ اگر شکر میں کوتاہی ہوئی تو یہ نعمت ہی سلب

نہا نہ ہو جائے۔ پس عجب وریا تو نہ ہو گا البتہ اس مقام پر خواطر و وساوس

کئی کثرت ہو جاتی ہے جس کی مدافعت و علاج بے التفاتی ہے اور

ذکرِ جہر میں کثرت اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا رہتا ہے۔ شیطان و انس

میں سے ہر اس چیز سے جو اللہ سے قطع کر دے۔ یہ تھا نفسِ لوامہ

کے متعلق۔

نفسِ مطمئنہ یہ ہے کہ بتوفیقہ تعالیٰ نفسِ امارہ اور نفسِ لوامہ

مجاہدہ و ریاضت اور کثرتِ ذکر اور تریحِ خلوت بجلوت

کے ذریعہ بنگرانی و نگہداشتِ نفسِ رجوع الی اللہ ہوتا رہا تو ایک کیفیت

سکینہ و طمانیت کی راسخ ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اس کو مطمئنہ کہا جاتا ہے

خصائص و صفاتِ مطمئنہ | جو۔ توکل۔ خشیت و تدلل۔ عبادت۔

نفسِ مطمئنہ

رضا و شکر۔ انس و شوق۔ شریعت کا طبیعت بن جانا۔ طاعت کی طرف رغبت جبلت ہونا۔ معصیت سے نفرت فطرت ہو جاوے غیر اللہ سے غنائے تمام ہو جاوے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو اس طرح کہ آپ کی اتباع کے بغیر حین نہ ہو فنائیتِ کاملہ۔ احسانِ تام۔

یہ مقام مقام تمکین اور عین الیقین ہے اور ایمانِ کامل کا مقام ہے۔ اس وقت

نہایت آثارِ نفسِ مرطمنہ

اس مقام پر پہنچ کر تمہارے باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کچھ اور ہی انداز کی ہو جائیگی جو اس سے پہلے کی محبت سے جدا ہی نوعیت کی ہوگی۔

عزیز من ! یہ یاد رکھنا اور باخبر رہنا کہ اس مقام پر پہنچ کر دعویٰ کمال کا کبھی نہ آوے یعنی یہ سمجھنا کہ نفس سے چھٹکارا ہو گیا ہے کیوں کہ اس وقت نفس کے اثر سے مامون ہو جاؤ گے اب اس کے اثر سے غافل ہو جاؤ گے حالانکہ عزیز من ! دشمن سے غافل نہ ہونا چاہیے اگرچہ کتنا ہی دوستی کا دعویدار ہو۔ پڑھا ہوگا۔ سنا ہوگا۔

دشمن اگرچہ دوستانہ گوید ••• دام داں و گرچہ زوانہ گوید

پس جب اپنے نفس میں طمانیت کا مقام نصیب ہو جاتا ہے تو اس

خلاصہ خصائص آثارِ نفسِ مرطمنہ

کئی خاصیت یہ ہے کہ اتباع کتاب و سنت ہر بن رگ و پے میں
سرایت کر جاتی ہے۔ بس شریعت تمہارے لئے میرے عزیز! طبیعت
بن جائے اس کا یہ اثر ہے کہ تم کو رحمت و لطف خاص الہی کا ہاتھ
پورے طور پر جذب کرے گا۔ یہی وہ یحبکم اللہ ہے یہ جذب
اس جذب سے متاثر ہے جو ابتدائے سلوک میں پیش آتا ہے۔ اس
لئے یہ جذب کمال اتباع کا باعث ہوا ہے۔

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ۔ کا کامل مصداق
ہو جاتا ہے۔

عزیز من! اب لسانِ سر سے یہ ندا دی جائے گی کہ

یا ایٹھا النفس المطمئنة (اے نفسِ مطمئنة)

بس اب یہ اثر ہو گا کہ اس طرف سے نسیان طاری ہو گا اور
ادھر سے غیبت اور ادھر تمہارا قلب جمالِ حق کے مشاہدہ میں دوام
مشغول ہو گا کہ نہ اس سے تھکے گا اور نہ اس کو اس سے سیری ہو گی۔

میرے عزیز مخلص! اب اس مقامِ عینِ یقین
تاثر نفسِ مطمئنة سے بھصولِ کمالِ ایمان یہ حال ہو گا کہ مخلوق

کی آنکھیں زیارت سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ کلام کی جانب سامعین
کان لگاتے ہیں۔ یہ اس لیے اب وہ اس مقام پر ہوتا ہے جیسا کہ
حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”میں اس بندہ کی آنکھ
ہو جاتا ہوں کہ اس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں کہ

وہ اس سے کلام کرتا ہے۔ میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں کہ وہ اس سے پکڑتا ہے۔ میں اس کا قدم ہو جاتا ہوں کہ وہ اس سے چلتا ہے اور میں اس کا دل ہو جاتا ہوں کہ وہ اس سے سوچتا ہے“

عزیزِ من ! اس مقام میں زبانِ حقائقِ اشیا اور اسرارِ شریعت کئی ترجمان ہوتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں القاء فرماتے ہیں اور یہ کسی کتاب کے مطالعہ یا سننے کا مرہونِ منت نہیں ہوتا بلکہ میرے عزیز ! اس کے باطن میں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آتی ہے
 اَنَا سِرٌّ اَيُّهَا الْجَبِيْبُ وَاَنْتَ سِرٌّ فِقْرٌ عَيْنًا وَ
 طِبُّ نَفْسًا۔

عزیزِ من ! یہ ہیں نفسِ مطمئنہ کے خصائص اور اس کے آثار و صفات و تاثرات۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے میرے عزیزِ مخلصِ محبِّ صادق کو اس سے نوازیں۔

اتقر محمد بن مسیح اللہ عنہ

۵، محرم ۱۳۸۵ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ
اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنْتَ تَدْرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَدْرَاهُ فَاِنَّهٗ
یَبْرَاکُ۔

صدیق صادق عزیز مخلص بندہ سلمہ اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے عزیز! نسبت کا حاصل
کرنا فرض ہے۔ اور جو چیز فرض ہو اس کے حاصل کرنے میں اس طریق کا
معلوم کرنا بھی فرض ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ معلوم کیا جائے کہ نسبت
کی حقیقت کیا ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریق کیا ہے؟ اس لئے
اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت حکیم الامت نور اللہ
مرقدہ سے جو پہنچا ہے پیش ہے۔

نسبت کی حقیقت | نسبت کے معنی تعلق اور لگاؤ کے ہیں اور مراد
بے بندہ کا خاص تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور

وہ بے قبول و رضا کا تعلق جیسے کہ عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے
پس معلوم ہوا کہ فاسق اور کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتا۔

علامت نسبت | نسبت کی علامت یہ ہے کہ صاحب نسبت کی

صحبت میں رغبت الی الآخرة اور نفرت عن الدنيا کا اثر ہو اور اس کی طرف
دینداروں کو زیادہ توجہ ہو بہ نسبت دنیا داروں کے۔

نمرہ نسبت مع اللہ بالذات و بالا صل اللہ تعالیٰ ہی سے تعلق ہو
اور کسی سے بالذات تعلق نہ ہو۔ پس جب

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے تعلق نہ ہوگا تو پھر کسی شے کے فوت ہونے سے
کوئی خاص قلق بھی نہ ہوگا۔

تحقق نسبت کی شرط نسبت کے متحقق ہونے کے لئے کامل رضائے
حق شرط ہے مطلق رضا کافی نہیں۔ مطلق

رضا تو ہر فعل حسن پر مرتب ہوتی ہے اگر کوئی مؤمن ارتکاب معصیت
کا کرے اور اس کے بعد طاعت نماز وغیرہ بجالائے تو گو گناہ پر ناراضگی
مرتب ہوگی مگر نماز وغیرہ طاعت و عبادت پر رضا بھی مرتب ہوگی
اس طرح افعال قبیحہ و اعمال حسنہ پر اپنی اپنی جگہ برابر ناراضگی اور رضا
مرتب ہوتی رہتی ہے۔ جو کہ نفس لوامہ کی حالت ہے، لیکن اس سے
نسبت کا تحقق نہیں ہوتا۔ بلکہ نسبت کے تحقق کے لئے رضائے تام شرط
ہے۔

مثال رضائے تام رضائے تام کی عزیز من ! بالکل ایسی
مثال ہے جیسے مریض کی حالت میں عارضی

افاقہ ہو جائے گو وہ بھی غنیمت ہے لیکن اس کا نام صحت نہیں۔
اسی طرح گاہے طاعت کا معصیت کے ساتھ شمول ہونا اس

کا نام نسبت مع اللہ نہیں۔ لہذا حصول نسبت کے ترتیب و تحقق کے لئے یہ ترتیب ہے جس پر رضائے تام مرتب ہوگی جو کہ وہ شرط ہے نسبت کے حصول کی۔

تفصیل ترتیب حصول نسبت | علم دین بقدر ضرورت ہونا۔
اول دو نفل بہ نیت توبہ

پھر تکلف بمقاومت نفس اعمال ظاہرہ و اعمال باطنہ کی اصلاح۔ بالخصوص اعمال باطنہ اخلاق کی اصلاح جو کہ نہایت اہم اور زیادہ دشوار ہے۔ ایک معتد بہ کافی مدت تک اہتمام و التزام سے مواظبت رکھنا یہاں تک کہ وہ اعمال ظاہرہ و باطنہ حال بن جائیں کہ بسہولت آوا ہوں اور رسوخ پیدا ہو جائے جس کو مقام کہتے ہیں۔ اسی سہولت کے لئے تمام اذکار اشغال۔ مراقبات۔ مجاہدات۔ ریاضات مقرر کئے گئے ہیں۔ باقی اصل چیز اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ ہی ہے۔ اسی پر نسبت حقیقی ترتیب ہوتی ہے۔ جب بندہ مومن اعمال ظاہرہ و باطنہ پر مداومت کرتا ہے تو حق تعالیٰ کو اس کے ساتھ رضائے دائمی کا تعلق ہو جاتا ہے۔ پس یہ حقیقت ہے نسبت مع اللہ کی۔

عزیزین! صرف ذکر و اتم یا دوام حضور یا ملکہ یا دوام و اشتغال مذکورہ و مشق سے بدوں اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ نسبت کی حقیقت نہیں البتہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ کی مداومت کے ساتھ حصول نسبت میں یہ چیزیں معین بہت ہیں۔ کیوں کہ عزیزین! جس کو ہر وقت

حق تعالیٰ کا وہ بیان ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونا مستبعد ہے
غرض نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو تبارہ کے ساتھ ایک خاص تعلق

خلاصہ

رضا کا ہو جانا اور وہ مرتب ہوتا ہے اصلاح اعمال صالحہ باطنہ و ظاہرہ پر
غرض نسبت کی خاصیت ایک خاص انجذاب ہے جس کے
لوازم میں سے بفضلہ تعالیٰ سہولت طاعت و عبادت ہے
اور دوام ذکر و حضور دائم ہے۔

تعلق نسبت
عزیز من! یہ ہے وہ نسبت مع اللہ جو عادت پھر کبھی
زائل نہیں ہوتی جیسے بالغ ہونے کے بعد صفت بلوغ

کبھی زائل نہیں ہوتی، اسی کو صوفیائے کرام نے فنا کے عنوان سے
تعبیر کر کے فرمایا ہے۔ اَلْفَانِي لَا يَرُدُّ۔ کہ فانی واصل کبھی مردود نہیں ہوتا

عدم منافات بعد مصیبت اتفاقاً
میرے عزیز صادق!
یہ وہم نہ ہو کہ بعد حصول

واصول نسبت بھی بعض صحابہ اور اولیاء اللہ سے مصیبت کا صدور
ہوا ہے پھر رضائے الہی کا تحقق کہاں رہا اور نسبت مع اللہ کہاں رہی؟

عزیز من! ایسا اتفاق نہ رضائے وائمی کے خلاف ہے نہ نسبت
مع اللہ کے منافی۔ خوب سمجھ لو۔ گہری دوستی کے بعد بھی اتفاقاً
گاتے شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن تدارک کے بعد پھر ویسا ہی
تعلق ہو جاتا ہے بلکہ درحقیقت اس شکر رنجی اور ناراضی کے زمانہ
میں بھی دوستی کا اصل تعلق بدستور قائم رہتا ہے اور وہ زائل نہیں ہوتا
وہ شکر رنجی و ناراضی محض عارضی ہوتی ہے اس کو خوب سمجھ لیں اور دل

میں جمالیں۔

نظر | اس کو یوں سمجھیں جیسے تکمیل صحت کے بعد ضروری نہیں کہ کبھی اس حالت میں زکام بھی نہ ہو۔ اتفاقاً بد پرہیزی ہو اور اس بد پرہیزی سے نقصان نہ ہو۔ ضرور نقصان ہوگا لیکن یہ محض عارضی ہوگا۔ تدارک کے بعد پھر وہی حالت صحت عود کر آئے گی۔

دوسری مثال سمجھئے کہ درسیات سے فراغ کے بعد باوجود کمال علمی اور ذمی استعداد ہونے کے کبھی کسی مقام پر اٹکتے ہی نہیں؛ بلکہ گاہے گاہے بعد فراغ کے اٹکتا ہے لیکن ذرا توجہ سے اس سے نکل جاتا ہے۔ اس کو خوب سمجھ لیں۔

پس واصل بحق صاحب نسبت سے اتفاقاً معصیت کا صدور نہ رضائے دائمی کے خلاف۔ نہ نسبت مع اللہ کے منافی۔ اللہ تعالیٰ اعزیز کو دوام رضا و نسبت حقیقہ سے نوازیں۔

والسلام

خلاصہ روح سلوک

الجاهد من جاہد نفسه

۱۔ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں۔ یہ اہل طریق کے یہاں ثابت ہے۔ اور جب یہ مسلم تو مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا نہ رکھنا چاہیے کیوں کہ یہ بھی حجاب ہے اس لئے کہ اس تقاضا سے

تشویش ہوتی ہے اور تشویش جمعیت و تفویض کو قطع کرنے والی ہے اور جمعیت و تفویض ہی شرطِ وصول ہے۔ آنحضرتؐ اس کو خوب راسخ کر لیں اور جمالیں۔

۲۔ مجاہدہ مطلوب ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

مجاہدہ حقیقیہ ، مجاہدہ حکمیہ

۱۔ مجاہدہ حقیقیہ یہ کہ ارتکاب و استدامتِ اعمالِ صالحہ ہو اور اجتناب عن المعاصی ہو۔

۲۔ مجاہدہ حکمیہ یہ کہ ان مباحات کو ترک کرنا جو معاصی کی طرف مفضی ہوں۔

مجاہدہ کی حقیقت یہ ہے کہ معاصی کو بہقاومت نفس مطلقاً ترک کرنا اور یہ مقاومت و مخالفت

حقیقتِ مجاہدہ

نفس واجب و فرض کے اور مباحات میں تقلیداً مخالفت ہو اور یہ مقاومت و مخالفت مستحب ہے مگر یہ مخالفت ایسی ہے کہ مخالفت واجبہ کا حصولِ کامل اس مخالفتِ مستحبہ پر موقوف ہے۔

مثال مجاہدہ مستحبہ میں تقلیل کی

کم کھانا۔ کم سونا۔ کم ملنا۔ کم باتیں کرنا۔ زیادہ عمدہ لباس نہ پہننا۔

آنحضرتؐ آنحضرتؐ مخلص و صادق کو اللہ تعالیٰ وصول و رضا

اور نسبت کی دولت سے نوازیں۔ آمین

احقر محمد مسیح اللہ عنہ

۲۰ محرم ۱۳۸۵ھ یکشنبہ

مکتوب ۳

ایک شخص نے متوسلین میں سے حضرت والادامت برکاتہم سے تبلیغ میں جانے کی اجازت چاہی۔ اس کے جواب میں حضرت والانے یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں حدود شرع میں رہتے ہوئے تبلیغی سفر میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائی اور کبھی متوسلین یا غیر متوسلین میں سے جو حضرات اجازت طلب کرتے ہیں تو ان کو ان ہی حدود کی پابندی کے ساتھ اجازت مرحمت فرماتے رہتے ہیں۔

مکرم بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تبلیغی سفر یا اجتماع وگشت میں اس

طرح جائیں کہ گھر پر جو ذریعہ معاش اس کو سنبھالنے والا کوئی دوسرا معتبر آدمی موجود ہو تاکہ سلسلہ معاش خراب نہ ہو جائے۔ مثلاً کاشتکار اپنی کھیتی باڑی اور اپنے جانوروں کو گھاس دلانے کے لئے کوئی معتبر شخص چھوڑ کر جائے۔ اسی طرح تاجر کے لئے کہ اس کی دوکان کو کوئی سنبھالنے والا شخص موجود ہو۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ بیماری یا موت کی حالت میں بھی تو ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جن میں سلسلہ معاش خراب ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ یہ حالات تو غیر اختیاری ہیں جن کا بندہ مکلف نہیں ہوتا اس کا بھی خیال رکھیں کہ جب جائیں تو گھر پر رات کے لئے کوئی دوسرا شخص محرم معتبر موجود ہو اور دن میں باہر کے کام کے لئے کوئی آدمی ہو تاکہ روزانہ کی بازار وغیرہ کی ضرورتیں تنگی نہ ہو۔

قرض لے کر جانا نہ ہو۔ اگر کچھ تھوڑا سا قرض لینا بھی ہو تو اس کی ادائیگی
 کی صورت و ذریعہ اپنے پاس لیٹن غالب موجود ہوتا کہ قرض تو اہوں کے
 تقاضے سے دولت و ثمر مندی نہ ہو۔

بن کی ملازمت ہو ان کو بخوشی اجازت ہو۔ جتنے دن رخصت
 ہو یا گھر جتنے دن کو کہہ کر جائے اتنے دن میں ہی واپسی ہوتا کہ گھر والوں
 کو تسویش نہ ہو اور اگر اتفاقاً رکنا یا ر و کنا معمولی چند دن کے لئے تو گھر
 پر ڈاک وغیرہ سے اطلاع کر دی جائے تاکہ گھر والوں کو انتظار و تکلیف
 کما پریشانی نہ ہو۔

علماء اور علم وین کی خدمت کو سب سے اعلیٰ و افضل و اقدم
 خدمت سمجھیں۔ علماء کی عظمت قلب میں بہت زیادہ ہو اور تبلیغ کا
 کام نہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع و اعتراض نہ ہو۔

والسلام

اتقر محمد بن عبد اللہ عفی عنہ

حضرت مسیح الامت کے خلفاء و مجازین

مجازین بیعت — ہندوستان

- ۱- جناب مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنوی مرحوم شیخ الحدیث
جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد۔
- ۲- جناب مولانا نادر حسن صاحب مرحوم ضلع بہار نیپور۔
- ۳- جناب قاضی القضاة مولانا سید عابد علی وجدی الحسینی دارالقضاة
موتی مسجد بھوپال۔
- ۴- جناب سید حسین صاحب ریٹائرڈ ممبر بورڈ آف ریونیو
جنامنزل ۳۴۱ - سرسینگر دودھ پور علی گڑھ
- ۵- جسٹس انوار احمد صاحب ریٹائرڈ ہائی کورٹ پٹنہ۔
- ۶- جناب مولانا عبد الرحیم صاحب مدرسی۔
- ۷- جناب ماسٹر محمد عیسیٰ خان صاحب موضع حمید پور برائے بھوپور
ضلع اعظم گڑھ۔
- ۸- جناب مولانا قاری عبد الرحیم صاحب میواتی مدرس جامعہ
مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفرنگر یوپی۔

۹۔ جناب مولانا محمد قمر صاحب ۳۳۶، اٹالہ الہ آباد ۳۔

مجازینِ صحبت — ہندوستان

- ۱۔ جناب صوبیدار حاجی دوست محمد خان صاحب مرحوم مہندر گڑھ ریاست پٹیالہ۔
- ۲۔ جناب حافظ جمیل احمد صاحب مرحوم چترتھاول ضلع مظفرنگر یوپی۔

مجازینِ بیعت — پاکستان

- ۱۔ جناب حاجی محمد فاروق صاحب بیت الاشرف باعجمیات سکھر
- ۲۔ جناب الحاج مولانا حافظ ڈاکٹر ہومیو پیتھ محمد نور احمد خان صاحب بنگلہ نمبر ۳۳ سی۔ بلاک "اے" یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد سندھ
- ۳۔ جناب مفتی محمد وحید صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرف آباد سندھ والہ یار ضلع حیدرآباد سندھ۔
- ۴۔ جناب ڈاکٹر عبد الغفار شیخ صاحب بی ایس سی۔ ایم بی بی ایس۔ براج روڈ سکھر۔
- ۵۔ جناب کرنل ارشد ایاز صاحب چوہدری کواٹرز ملتان روڈ لاہور۔

۴۔ جناب ڈاکٹر رہومیو پیٹھ (عقیل الدین احمد صاحب ۷۸ء) نے
ماڈل ٹاؤن لاہور۔

۷۔ جناب عبدالرحیم صاحب بلکی کراچی۔

۸۔ جناب قاضی عبدالحمی صاحب مرحوم اوکاڑہ۔

۹۔ جناب حکیم عزیز الدین صاحب مرحوم کراچی۔

۱۰۔ جناب انعام الحق صاحب مرحوم راولپنڈی۔

۱۱۔ جناب حاجی محمد بشیر احمد صاحب زمیندارہ بوٹ شاہ لیہ۔

۱۲۔ جناب عزیز الدین صاحب منڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات۔

۱۳۔ جناب حاجی محمد اسماعیل صاحب منڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات۔

مجازین صحبت — پاکستان

۱۔ جناب اکرام الحق صاحب راولپنڈی۔

۲۔ جناب خلیل احمد صاحب موئی بازار نواب شاہ۔

مجازین بیعت — جنوبی افریقہ

۱۔ جناب مولانا منشی موسیٰ یعقوب صاحب راوت انانڈا

ویرلم نٹال۔

- ۲- جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب کتھرا دا ویرلم نٹال۔
- ۳- جناب مولانا عبدالحق صاحب ڈلیسانی پورٹ ایلزبتھ کیپ پراونس
- ۴- جناب مولانا احمد صادق صاحب بہتر دربن نٹال۔
- ۵- جناب مولانا عمر حبی صاحب دربن نٹال۔

مجازین صحبت۔ جنوبی افریقہ

- ۱- جناب ڈاکٹر عبدالقادر ہنسنا صاحب لیڈی اسمتھ نٹال۔
- ۲- جناب الحاج محمد یوسف صاحب کتھرا دا ویرلم نٹال۔
- ۳- جناب الحاج محمد بننا صاحب جزیرہ رمی یونین۔
- ۴- جناب مولانا محمد ہاشم صاحب راوت، والسال ریو کے
- ۵- جناب مفتی رشید میاں صاحب واٹرفال ٹرانسوال۔

شجر طیبہ حسیہ امدادیہ اشرفیہ مسیحیہ منظومہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ
 يَا اَلْمَ الْاِنْعَامِ وَالْاِحْسَانِ
 فَيَسِّرْ لِي سُبْحَانَ مَسِيحِ اِلٰهِ
 بِالسَّيِّحِ فَاِضِلْ عَصْرَهُ اشْرَفِ عَلِي
 فَيَسِّرْ لِي غَوْثِ الْوَرَى شَمْسِ الْهَدَى
 الشَّيْخِ اِمْدَادِ اِلٰهِ الْقُطْبِ الْعَلِيِّ
 وَبِكَاشِفِ الظُّلُمَاتِ نُورِ مُحَمَّدٍ
 وَبِعَبْدِ بَارِي ذَاكَ شَيْخِ شَيْوَحِنَا
 وَبِحَقِّ عَضُدِ الدِّينِ حَقِّ مُحَمَّدٍ
 وَبِحَقِّ مَوْلَانَا حَبِ اِلٰهِ مَنْ
 يَا بِي سَيِّدِ قَاجِدِ مَتَوَرِّعِ
 بِجَلَالِ دِيْنِ ذِي الْمَكَارِمِ وَالْعُلَى
 بِمُحَمَّدِ قُطْبِ الْوَرَى وَبِعَارِفِ
 وَبِحَقِّ عَبْدِ الْحَقِّ قُدَّسِ سِرِّهِ
 بِالسَّيِّحِ شَمْسِ الدِّينِ قُدْوَةِ عَصْرِهِ
 بِفَرِيدِ دِيْنِ الْحَقِّ عَمْرِ فَيَوْضَعُهُ

اَرْحَمَ عَلٰی الْعَبْدِ الْفَقِيْرِ الْحَبَانِي
 مَنْ وَجْهَهُ كَالْقَلْبِ فِي الْمَعَانِ
 دَاعِي طَرِيقِكَ حَامِلِ الْقُرْآنِ
 مَقْدَامِ اَهْلِ الْعَشْقِ وَالْهَيْمَانِ
 الْجَاهِ ذِي التَّمْلِيْنِ وَالْعِرْفَانِ
 وَبِسَيِّدِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْفَانِي
 وَبِعَبْدِ هَادِي لِلزَّمَانِ اَمَانِ
 وَمُحَمَّدِي ظَاهِرِ الْبُرْهَانِ
 اَعِيَتْ مَدَائِحُهَا وَسَيَعْبِيَانِ
 بِنِظَامِ دِيْنِ عَارِفٍ رَبَّكَانِي
 وَبِعَبْدِ قُدُّوسِ عَظِيْمِ الشَّانِ
 هُوَ الْوَرَى كَالْمَاءِ لِلظَّمْآنِ
 بِجَلَالِ دِيْنِ ذَاكِبِيْرٍ اَوَانِ
 بَعْلَاءِ دِيْنِ صَابِرٍ حَقَّانِي
 وَبِقُطْبِ دِيْنِ ذَاكَ قُطْبِ زَمَانِ

عہ یہ شعر حضرت والا کے متوسلین کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ احقر محمد فاروق عفی عنہ۔

بِمَعِينِ دِينِ اللَّهِ صَاحِبِ سِرِّهِ
 وَحُجْرَةِ الْحَاجِي الشَّرِيفِ إِمَامِنَا
 وَبِسَيِّدِي كَهْفِ الْوَرَى عِلْمِ الْهُدَى
 مُحَمَّدِ ذِي الْمَجْدِ وَالْعِلْيَاءِ مَنْ
 وَحُجْرَةِ الشَّيْخِ الْكَرِيمِ الْمُقْتَدَى
 وَحَقِّ بَوَائِحِ مَرْشِدِ دَهْرِهِ
 بَابِي هُبَيْرَةَ ذِي الْمَقَامِ الْعَالِي
 وَحَقِّ ابْنِ أَرْهَيْمِ سُلْطَانِ الْوَرَى
 وَحَقِّ عَبْدِ الْوَّاحِدِ الْفَرْدِ الَّذِي
 وَحَقِّ خَيْرِ الْأَصْفِيَاءِ إِمَامِهِمْ
 وَحَقِّ مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ أَيْدِيهِمْ
 أَعْنِي عَلِيًّا خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الثَّرَى
 وَحَقِّ سَيِّدِنَا النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ
 مَنْ نَأَى كُلَّ الْخَلْقِ فَضْلًا بِأَذْحَا
 وَبِفَضْلِكَ الْجَمِّ الْعَمِيمِ الْمَهْنَا
 قَدْ جَاءَ عَبْدُكَ يَا كِيَا مُسْتَهْرَجًا
 فَاغْفِرْ خَطَايَاهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ
 سَلِّطْ عَلَيْهِ الْعِشْقَ حَتَّى لَا يَرَى
 ثَمَّ السَّلَامَ عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى

غَوْثِ الْوَرَى وَبِسَيِّدِي عُثْمَانَ
 بِالْحَوْلِ أَجَهْ مَوْدُودٍ وَوَحِيدِ زَمَانِ
 يُوُيُوسِفِ فِي الْفَيْضِ كَالْتَهْتَانِ
 قَدْ نَأَى عِرْفَانًا عَلَى الْأَقْرَانِ
 يُوُيُوحِدِ فِي السِّرِّ وَالْإِعْلَانِ
 وَحَقِّ مُمَشَادِ عَدِيمِ الشَّانِي
 مُحَمَّدِ يَفَرَهُ وَنُحْبَةُ الْأَعْيَانِ
 بِفَضْلِ الْهَادِي إِلَى الْإِحْسَانِ
 هُوَ فِي الْفَرَامِ كَطَاخِ سَكْرَانِ
 حَسَنٍ وَلَمْ يَمِثْلُهُ الْعَيْنَانِ
 وَإِمَامِ أَهْلِ الدِّينِ وَالْإِيمَانِ
 قَاوِي الضَّمَانِ حُجِّي الْأَحْزَانِ
 هُوَ لِلْخَلْقِ رَحْمَةُ الرَّحْمَانِ
 مَنْ سَادَ عَجْدًا عَالَمَ الْإِمْكَانِ
 يَا غَافِرَ الذَّنْبِ وَالْعِصْيَانِ
 مَثْوِيًّا يَا وَوَيْلِكَ الْأَعْيَانِ
 عَنْ قَاسِوَالِكِ أَيَّارِجَاءِ الْعَانِي
 مَوْلَايَ غَيْرِكَ كَابْتِئَابِ الْبَكَانِ
 خَيْرِ الْوَرَى وَرَسُولِكَ الْعَدْنَانِي

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شجرہ طیبہ چشتیہ امدادیہ اشرفیہ مسیحیہ منظومہ فارسی

یا اللہ العالمین ویا رحیم ویا قوی	رحم کن بر حال زارم بہر فیضان نبی
دست گیری از تو خواہم اے خدائے دو جہاں	بہر فیض شاہ مسیح اللہ شاہ اشرف علی
بہر امداد و بہر حضرت عبد الرحیم	عبد باری عبد ہادی عضد دین نکلی ولی
ہم محمدی و محبت اللہ و شاہ بوسعید	ہم نظام الدین جلال و عبد قدوس احمدی
ہم محمد عارف و ہم عبد حق شیخ جلال	شمس دین ترک و علاؤ الدین فرید جوہنی
قطب دین و ہم معین الدین و عثمان شریف	ہم بہرود و ابو یوسف محمد احمدی
بو اسحاق و ہم بہمشاد و بہسیرہ نامور	ہم حذیفہ و ابن اذہم ہم فضیل مرشدی
عبد واحد ہم حسن بصری علی فخر دین	سید الکونین فخر العلیین بشری بنی

پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش

بہر ذات خود شفا یم دہ زامراض ولی

یہ شعر حضرت والا کے متوسلین کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ احقر محمد فاروق عقی عنہ

شجرہ طریقیہ

پشتیمہ - امدادیہ - اشرفیہ - مسیحیہ - منظومہ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیو اسطے | اور درود و نعت ختم الانبیاء کیو اسطے

فضل کریم پر الہی محبت ہی کیو اسطے

در بدر پھرتی ہے خلقت التجا کیو اسطے | آسرا تیرا ہے پر مجھ بے نوا کیو اسطے

رحم کر مجھ پر الہی اولیاء کیو اسطے

ان بزرگوں کو شفیع لایا نہیں ہو کر ملوں | کچھو یہ عرض میری انہی برکت سے قبول

ہاتھ اٹھاؤں جب ترے آگے دعا کیو اسطے

بخش تمکین اور تلون سے مجھے محفوظ رکھ | معرفت سے یا الہی دل میرا سمور رکھ

شاہ سیح اللہ ولی باصفا کیو اسطے

کر مجھے علم و عمل سے اے خدا آراستہ | باب عرفاں کا کشادہ ہوئے مجھ پر راستہ

۶ رجب ۱۳۶۲ھ حضرت اشرف علی شمس الہدیٰ کیو اسطے | تقاضا نہ بھون منظر نگر

دن و دنیا میں نہ کھاؤں شعوریں سے کبریا | عاجز و سگین ہوں طالب تیری امداد کا

۱۲ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ حاجی امداد اللہ پارسا کیو اسطے | مکہ معظمہ حنت انعلیٰ

پاک کر ظلماتِ عصیاں سے الہی دل میرا | کرم نور نورِ عرفاں سے الہی دل میرا

۴ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ حضرت نور محمد پرنسپا کی واسطے تہنجانہ ضلع مظفرنگر

ایسے مرنے پر کروں تو ہاں یا زلاکھ عید | اپنی تیغِ عشق سے کرے اگر مجھ کو شہید

۲۷ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ حاجی عبدالرحیم اہل غترا کی واسطے پنجاب ملک ولایت

کروہ پیدا در و غم میرے دل افکار میں | بار پاؤں جس سے آجاری ترے دربار میں

۱۱ شعبان جمعہ ۱۲۴۶ھ شاہ عبدالباری شہ بے ریا کی واسطے امر وہ ضلع مراد آباد

شرک و عصیاں و ضلالت سے بچا کرے کریم | کربدایت مجھ کو اب راہِ صراطِ مستقیم

جمعہ ۳ رمضان المبارک ۱۱۹۰ھ شاہ عبدالہادی پیر بہری کی واسطے امر وہ ضلع مراد آباد

دین و دنیا کی طلب عزت نہ سرداری مجھ | اپنے کوچے کی عطا کر دولت و خواری مجھ

۷ رجب ۱۱۷۲ھ شاہ عضد الدین عزیز دومرا کی واسطے امر وہ ضلع مراد آباد

دے مجھے عشق محمد اور محمدیوں میں گن | ہو محمد ہی محمد در و میرا رات دن

شہ محمد اور محمدی القیا کی واسطے

حُبِّ حق، حُبِّ الہی، حُبِّ مولیٰ حُبِّ رب | الغرض کرے مجھے محبت سب کا سب

۱۹ رجب ۱۰۵۸ھ شہ محبت اللہ شیخ باصفا کی واسطے الہ آباد

گرہ میں غرق شقاوت ہو سعادت سے بعید | پر توقع ہے کہ مجھ سے شقی کو توسعید

بوسعید اسعد اہل وری کی واسطے گنگوہ ضلع بہار پور

قال ابنِ حال ابتر بے مر ابتر میں کام | لطف سے اپنے مرے کر ملک دین کا انتظام

۸ رجب ۱۰۵۵ھ شہ نظام الدین بلخی مقدا کی واسطے بلخ

ہے یہی بس دین میرا اور یہی سب ملک مال | یعنی اپنے عشق میں کر مجھ کو باجاہ و جلال

- ۱۴ ذی الحجہ ۹۸۹ھ شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے تھانیسر
- حب دنیاوی سے کر کے پاک بچھ کو اے حبیب | اپنے باغِ قدس کی کر سیر تو میرے نصیب
- ۲۵ جمادی الآخر ۹۲۴ھ عبد قدوس شہ قدس و صفا کیواسطے گنگو شریف
- کر معطر روح کو بوئے محمد سے مری | اور منور چشم کر روئے محمد سے مری
- صفر ۸۹۸ھ اے خدا شیخ محمد رہنما کیواسطے! ردولی
- کر عطار راہ شریعت روئے احمد سے مجھ | اور دکھا نور حقیقت خوئے احمد سے مجھ
- صفر ۸۸۲ھ شیخ احمد عارف صاب عطا کیواسطے ردولی
- کھول دے راہ حقیقت قلب پر یاقی مرے | کر تجلی حقیقت قلب پر یاقی مرے
- جمادی الثانی ۸۲۴ھ احمد عبد الحق شہ ملک بقا کے واسطے ردولی
- دین و دنیا کا نہیں درکار کچھ جاہ و جلال | ایک ذرہ درد کا یا حق مرے دل میں تو ڈال
- ۵ ذیقعدہ ۷۶۵ھ شہ جلال الدین کبیر الاولیاء کیواسطے پانی پت
- ہے مگر ظلمت عھیاں سے میرا شمس دیں | کر منور نور سے عرفاں کے میرا شمس دیں
- ۷۶۴ھ شیخ شمس الدین ترک شمس الضحیٰ کیواسطے پانی پت
- اے مرے اللہ رکھ ہر وقت ہر لہلہ و بہار | عشق میں اپنے مجھے بتیاب و بے صبر و قرار
- ۱۳ ربیع الاول ۷۹۰ھ شیخ علاء الدین صابر بار صفا کیواسطے پیران کلیر شریف
- دے صلاوت مجھ کو با تکینی ایمان سے | اور صلاوت بخش گنج شکر عرفان سے
- ۷۶۵ھ یا ۷۶۹ھ یا ۷۹۰ھ شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے پاک پن
- عشق کی راہ میں ہوئے جو اولیاء اکثر شہید | خنجر تسلیم سے اپنے مجھے بھی کر شہید
- ربیع الاول ۷۳۳ھ خواجہ قطب الدین مقتول دلا کیواسطے دہلی

بے ترے ہے نفس و شیطان و رے ایمان | جلد ہو کر مرا یارب مددگار و معین

۶ رجب ۴۳۲ھ | شہ معین الدین حبیب کیریا کی واسطے | اجیر شریف

یا الہی بخش ایسا بے خودی کا مجھ کو جام | جس سے جز عشق نبی ہووے نہ مجھ کو اور کام

۵ شوال ۵۹۷ھ یا ۶۳۲ھ | خواجہ عثمان باشرم و حیار کی واسطے | مکہ معظمہ متصل مکان شریف

دور کر مجھ سے غم موت و حیات مستعار | زندہ کر ذکر شریف حق سے اسے پروردگار

۶ رجب ۵۸۲ھ | شہ شریف زندگی با التقا کی واسطے

آتش شوق اس قدر دل میں کر بھرا و دود | ہر بن موم سے مرے نکلے تری الفت کا دود

۵۲۷ھ یا ۵۷۷ھ | خواجہ مود و وحشتی پارسا کی واسطے | چشت

رحم کر مجھ پر تو اب چاہِ ضلالت سے نکال | بخش عشق و معرفت کا مجھ کو یارب ملک مال

یکم جمادی الاولیٰ ۵۵۹ھ | شاہ بو یوسف شہ شاہ دگدا کے واسطے | چشت

مست اور بے خود بنا بونے محمد سے مجھے | محترم کر خواری کوٹے محمد سے مجھے

ربیع الاول ۴۱۱ھ | بو محمد محترم شاہ دلا کے واسطے

صدقہ احمد کے یہ ہے امید تیری ذات سے | کہ بدل کر دے مرے عصیاں کو نسا سے

۳۵۵ھ | احمد ابدال چشتی پارسا کی واسطے | چشت

حد سے گزرا رنجِ فرقت اب تو اے پروردگار | کر مری شام خزاں کو وصل سے روز بہار

ربیع الاول یا آخر ۳۲۹ھ | شیخ ابواسحق شامی خوش ادا کی واسطے | مکہ از بلاد شام

شادی و غم سے دو عالم کے مجھے آزاد کر | اپنے درد و غم سے یارب دل مرا آباد کر

محرم ۲۹۹ھ | خواجہ مشاد علوی بو العلاء کی واسطے

ہے مرے تو پاس ہر دم ہیک میں اندھا ہو پیر | بخش وہ نور بصیرت جس سے تو اے نظر

شوال ۲۷۵ھ

بوہیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے

بہرہ

عیش و عشرت سے دو عالم کے نہیں مطلب مجھے | چشم گریاں، سینہ بریاں کر عطا یا رب مجھے

۱۵۲ھ

شیخ حذیفہ مرعشی شاہ صفا کیواسطے

بہرہ

نے طلب شاہی کی نہ خواہش گدائی کی مجھے | بخش اپنے در تک طاقت رسائی کی مجھے

۱۶۶ھ

شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے

در شام علی الاصح

راہزن میرے ہیں دو قزاق باگرز گراں | تو پنچ فریاد کو میری کہیں اسکے مستعان

محرم ۱۸۷ھ

شہ فضل ابن عیاض اہل دعا کیواسطے

مکہ معظمہ

کمرے دل سے تو اے واحد وئی کا حرف دود | دل میں اور آنکھوں میں بھر دے روبرو شد کا نور

۲۷ صفر ۱۷۶ھ یا ۱۸۶ھ خواجہ عبدالواحد بن زید شاہ کیواسطے

کر عنایت مجھ کو توفیق حسن آذو المنن | تاکہ ہوں سب کام میرے تری رحمت سے جن

۴ محرم ۱۱۰ھ

شیخ حسن بصری امام اولیاء کیواسطے

بہرہ

دور کر دل سے حجاب جہل و غفلت میرے رب | کھول دے دل میں در علم حقیقت میرے رب

۳۱ رمضان المبارک ۱۰۲ھ

ہادی عالم علی شیر خدا کیواسطے

نجف اشرف

کچھ نہیں مطلب دو عالم کے گل و گلوار سے | کر مشرف مجھ کو تو دیدار پر انوار سے

۱۱۰ھ

سرور عالم محمد مصطفیٰ کیواسطے

مدینہ طیبہ زاد اللہ نور ہا

آپڑا در پر ترے میں ہر طرف سے ہو ملول | کر تو ان ناموں کی برکت سے دعا میری قبول

یا الہی اپنی ذات کبریا کیواسطے

ان بزرگوں کے تیس یارب غرض ہر کار میں | کر شفاعت کا وسیلہ اپنے تو دربار میں

مجھ ذیل و خوار و سکن و گدا کیواسطے

نے تقری چاہتا ہوں نے امیری کی طلب | نے عبادت نے زہد نے خواہش علم و ادب

درود پر چاہیے مجھ کو خدا کی واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نغمائے دنیا بے شمار | کی عطا تو نے مجھے پر اب تو ہے پروردگار

بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کی واسطے

گرچہ یہ بدیہ نہ میرا قابل منظور ہے | پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دورے

گشتگانِ تیغ و تسلیم و رضا کی واسطے

حد سے اتر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا | کرمی امداد اللہ وقت ہے امداد کا

اپنے لطف و رحمت بے انتہا کی واسطے

شجرہ طیبہ - چشتیہ - امدادیہ - اشرفیہ - مسیحیہ - منظومہ مختصرہ

حمد ہے سب تیری ذاتِ کبریا کی واسطے
 اور درود و نعت ختم الانبیاء کی واسطے
 اور سب اصحاب و آلِ محبتی کی واسطے
 رحم کر مجھ پر الہی اولیاء کے واسطے
 شاہِ سیح اللہ ولی باصفاء کے واسطے
 حضرت اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے
 حاجی امداد اللہ پارسا کے واسطے
 حضرت نور محمد پرنیاء کے واسطے
 حاجی عبدالرحیم اہلِ غزل کے واسطے
 شیخ عبدالباری شہ بے ریا کے واسطے
 شاہ عبدالہادی پیرھدیٰ کے واسطے
 شاہ عضد الدین عزیز دوسرا کے واسطے
 شہ محمد اور محمدی القیاس کے واسطے
 شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے
 بو سعید اہلِ وریٰ کے واسطے
 شہ نظام الدین بلخی مقدر کے واسطے

عہ یہ شعر حضرت والا کے متوسلین کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ احقر محمد فاروق عفی عنہ

شہ جلال الدین جلیل اصفیا کے واسطے
عبد قدوس شہ صدق و صفا کے واسطے

اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے

شیخ احمد عارف صاحب عطا کے واسطے

احمد عبدالحق شہ ملک بقا کے واسطے

شہ جلال الدین کبیر الاولیاء کے واسطے

شیخ شمس الدین ترک باضیا کے واسطے

شیخ علاؤ الدین صابر بارضا کے واسطے

شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے

خواجہ قطب الدین مقبول والا کے واسطے

شہ معین الدین حبیب کبریا کے واسطے

خواجہ عثمان با شرم و حیا کے واسطے

شہ شریف زبذنی بالقا کے واسطے

خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے

شاہ بو یوسف شہ شاہ و گدا کے واسطے

بلو محمد محترم شاہ ولان کے واسطے

احمد ابدال چشتی باسحا کے واسطے

شیخ ابواسحاق شامی خوشا و اکیو کے واسطے

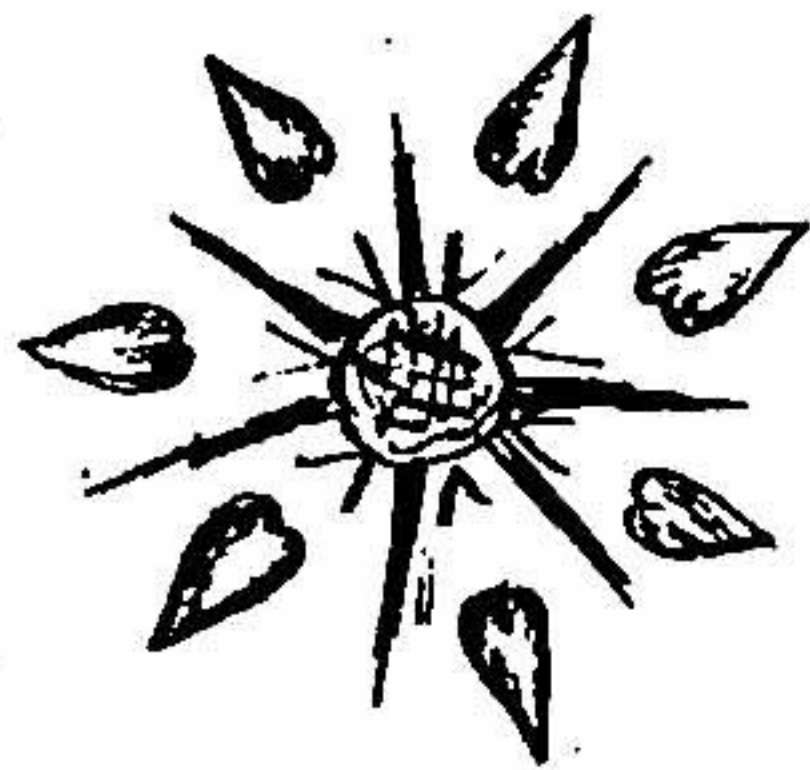
خواجہ ممشاد علوی بوالعلاء کے واسطے
بوہیرہ شاہ بصری پیشوا کے واسطے

شیخ حذیفہ مرعشی شاہ صفا کے واسطے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کے واسطے

شرفیصل بن عیاض اہل دعا کیواسطے
خواجہ عبدالواحد بن زید شاہ کیواسطے

شیخ حسن بصری امام اولیاء کے واسطے
ہادی عالم علی شیر خدا کے واسطے

سرور عالم محمد مصطفیٰ کیواسطے
یا الہی اپنی ذات کبریٰ کیواسطے



تعارف "تسہیل المواعظ"

حضرت حکیم الامتہ نور اللہ مرقدہ نے اپنے تقریباً ساڑھے تین سو مواعظ میں انتخاب کر کے الہے باؤن مواعظ کو چنا جن میں خاص طور پر عام اہل اسلام مرد عورتوں کی دینی اور خانگی اصلاح کے مضامین ہیں، اور ایک عالم سے انکی تسہیل کرائی اور پھر انکی تسہیل خود بھی اصلاح فرمائی چنانچہ ان تسہیل شدہ مواعظ کی نسبت خود تحریر فرماتے ہیں۔

"احقر کے مواعظ میں بعض مضامین خاص اہل علم کے سمجھنے کے تھے جن سے عوام کو دل تنگی ہوتی تھی پس ہر وعظ میں ایسے مضامین میں سے بعض کو کم کر دیا گیا بعض کو سہل کر دیا گیا یہ عوام کے لئے نہایت کار آمد ہو گا۔۔۔۔"

احقر کا مشورہ ہے کہ مثل ہیشی زیور کے کوئی گھر اس سے خالی نہ رہنا چاہیے اس کا نفع گھر والوں کی درستی میں بہت جلد آنکھوں سے نظر آجائے گا۔

انشاء اللہ تعالیٰ فقط۔۔۔۔ کتبہ اشرف علی۔ اداہل محرم ۱۳۳۵ھ

سال بھر میں تقریباً پچاس جمعے اور دو عیدیں کل باؤن ہی دینی اجتماع ہر سال ہوتے ہیں کیا عجیب ہے کہ حضرت حکیم الامتہ نور اللہ مرقدہ نے اس باؤن کی تعداد کو اس لئے اختیار فرمایا ہو کہ کم از کم ان باؤن دینی اجتماعوں کے موقع پر تو اس وقت کی ضرورت کے تقاضے کے مطابق ان مواعظ میں سے ایک ایک وعظ کو ضروری سنا دیا جایا کرے اور اس طرح ہر سال اس کا ایک دور تو ہوتا ہی ہے اگر اس سے زیادہ بھی موقع مل جائے تو سبحان اللہ وہ تو او زیادہ نور علی نور ہو گا۔۔۔۔ پس دین سے محبت رکھنے والے اور خود کو اور اپنے اہل و عیال کو دستار بنانے کی ترغیب رکھنے والے مسلمانوں کے لئے حضرت حکیم الامتہ کا یہ مجوزہ نسو یقیناً فائدہ سے خالی نہیں

مواعظ کا یہ مجموعہ دو جلدوں میں عنقریب منظر عام پر آ رہا ہے۔

شائقین حضرات اپنا آرڈر بک کر آئیں :

مواعظ اشرافیہ (تیسری جلد میں)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب نو، منشی عبدالرحمن خان صاحب تصنیف و تالیف کے حلقوں میں جانی
پہچانی معروف شخصیت محترم جناب منشی عبدالرحمن خان صاحب (چیلک ٹان)
نے یہ سلسلہ ۱۹۶۴ء میں شروع کیا تھا جو نہایت مفید ثابت ہوا۔ گیارہ جلدیں
ہوں نے شائع کیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ دنیا و آخرت ۲۔ علم و عمل ۳۔ دین و دنیا ۴۔ حقوق و سرائض
۵۔ عید میلاد النبی ۶۔ نظام شریعت ۷۔ حقیقت عبادت ۸۔ حقیقت مال و
۹۔ فضائل صبر و شکر ۱۰۔ فضائل صوم و صلوٰۃ ۱۱۔ تصوف و تقویٰ (یہ جلدیں
ب بالکل نایاب ہو چکی ہیں جن کو شائع کرنے کا ادارہ ارادہ رکھتا ہے)
توفیقہ تعالیٰ ادارہ تالیفات اشرافیہ نے اس سلسلہ کو آگے
رہا کیا اور مجلد تعالیٰ دو جلدیں نمبر ۱۲۔ محاسن اسلام
۱۳۔ دعوت و تبلیغ شائع کر چکا ہے۔ جب کہ جلد نمبر ۱۴
۱۵۔ سزا زیر طبع ہے۔ ادارہ ان کے بعد دوسری جلدیں جلد
ظفر عام پر لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

- | | |
|-----------------|------------------|
| ۱۵۔ تسلیم و رضا | ۱۶۔ برکات رمضان |
| ۱۷۔ حج و قربانی | ۱۸۔ موت و حیات |
| ۱۹۔ فضائل علم | ۲۰۔ حقوق الزوجین |
| ۲۱۔ ذکر و شکر | ۲۲۔ تدبیر و توکل |
| ۲۳۔ مفسد گناہ | ۲۴۔ آداب انسانیت |
| ۲۵۔ اصلاح باطن | ۲۶۔ حدود و قیود |
| ۲۷۔ اصلاح اعمال | ۲۸۔ راہ نجات |
| ۲۹۔ زیر ترتیب | ۳۰۔ زیر ترتیب |

شائقین مواعظ اشرفیہ جلد از جلد اپنے نسخے ریز روکرائیں تاکہ
شائع ہوتے ہی انہیں مہیا کی جائیں — تاکہ انہیں اگلے
ایڈیشن کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

اصلاح باطن کے لئے اکسیر کتاب

مکتوبات اشرفیہ ^{کا اضافہ شدہ}
^(جو تھا ایڈیشن)

مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے
اصلاحی مکاتیب جو روحانی زندگی میں عجیب انقلاب پیدا کرتے ہیں۔

تالیف لطیف: حضرت اقدس مولانا حاجی محمد شریف صاحب مدظلہم
خلیفۃ ارشد: مجد و الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف صاحب تھانوی قدس سرہ
سات ابواب کی — یہ کتاب حضرت حاجی صاحب مدظلہم کی حضرت مجد و الملت مکاتیب
پر مشتمل ہے جن میں بدریں زندگی پیش آئی ہے۔ — اہم مسائل معاملات کا
عجیب و غریب حال بتلایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں انہیں — حضرت کی اہلیہ مدظلہا کے خطوط بھی شامل ہیں جو
عورتوں کی اصلاح کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔ — اور حضرت والا
کے خود شنیدہ ملفوظات اور مشاہدہ میں آئی ہوئی کرامات اور حضرت والا کی معاصرین
سے مکاتیب میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب حضرت مفتی محمد حسن صاحب
حضرت مولانا خیر محمد صاحب، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا
شبیر علی صاحب رحمہم اللہ، حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب، حضرت مولانا
ابراہیم صاحب مدظلہم العالی کے خطوط بھی شامل ہیں۔ اور آخر میں وصیت
بھی درج ہے۔

عہدہ پمیر جلد اعلیٰ
قیمت ۲۷/- روپے

